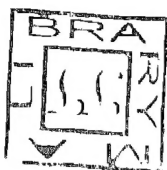




1

Kitab K

1178



دیوان حالی

یعنی

شمس العلماء مولانا خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی

کے

تمام منظوم کلام کا مکمل مجموعہ

ناشر
لالہ رام نرائن پبلیکیشنز

الہ آباد

۱۹۴۰ء

قیمت فی جلد عیسوی

Walden University Collection

W 915 QV11

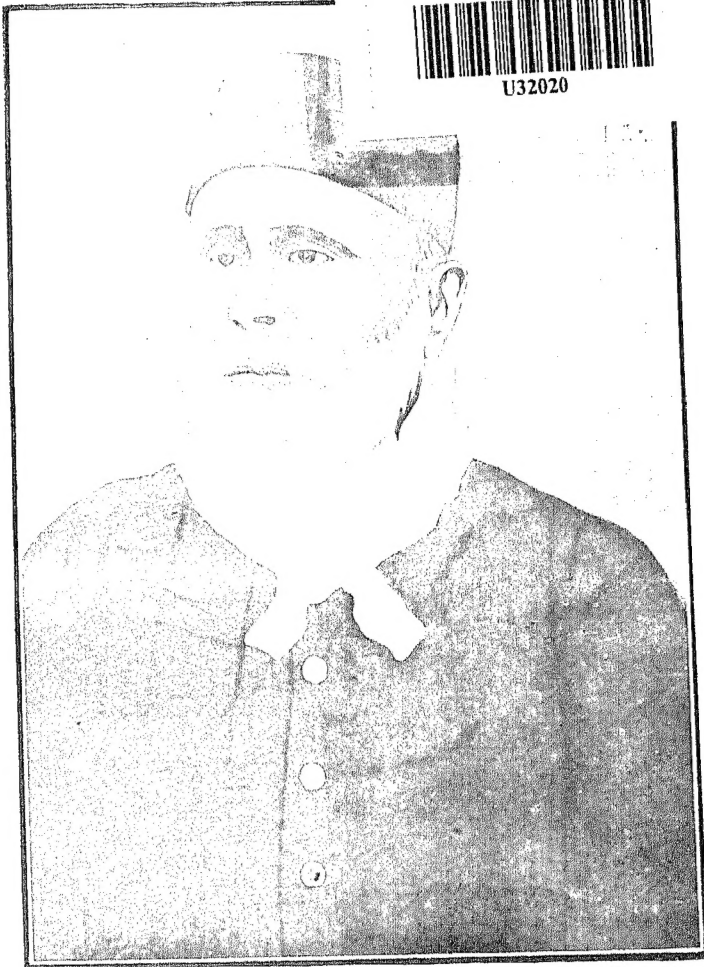
116

116

M.A.LIBRARY, A.M.U.



U32020



مولانا الطاف حسین حالی پانی پتی

۲۰۲-۳



1993

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین پانی پت میں شہداء میں پیدا ہوئے۔ پانی پت میں سات سو برس سے قوم انصاری کی ایک شاخ چلی آتی ہے۔ آپ برآتی قوم کے ایک عزیز خاندان سے بچھے نو برس کی عمر میں آپ کے والد خواجہ ایزد بخش کا انتقال ہو گیا۔ سایہ پوری اٹھ جانے کے بعد آپ کی تعلیم و تربیت کا بار آپ کے بھائی بہن پر پڑا۔ دستور کے مطابق پہلے آپ نے قرآن شریف حفظ کیا۔ پھر میر حسن دہلوی کے بھائی سید حفیظ علی سے فارسی پڑھی اور مولوی ابراہیم حسین انصاری سے عربی پڑھنا شروع کی۔ ابھی تعلیم مکمل نہ ہوئی تھی کہ آپ کی مرضی کے خلاف شادی کر دی گئی۔ اس وقت آپ کی عمر سترہ سال کی تھی نہ ہونے پانی پتی۔ شادی کے بعد سب کی یہ خواہش ہوئی کہ آپ کو کوئی ملازمت اختیار کر لینا چاہئے۔ لیکن تحصیل علم کے شوق میں آپ گھر والوں سے روپوش ہو کر سترہ سال میں دہلی چلے گئے۔ وہاں مولوی نواز علی سے ڈیڑھ سال عربی پڑھی۔ اس وقت آپ کو صرف دو سو منطق، عروض وغیرہ میں کافی دستگاہ ہو گئی تھی۔ شہداء میں اپنے عزیزوں کے اصرار سے آپ کو پھر پانی پت آنا پڑا۔ یہاں بطور خود کتب بینی کا مشغلہ جاری رکھا۔

اسی زمانہ میں آپ کی رسائی مرزا غالب تک ہو گئی اور ان کی صحبت و تہمت و تفریق سے شعر و شاعری کا شوق پیدا ہوا۔

شہداء میں کلکٹری حصار میں آپ ملازم ہو گئے۔ لیکن شہداء کے ہنگامہ غم کی وجہ سے آپ کو پھر اپنے وطن واپس آنا پڑا۔ وہاں چار برس کے قیام میں آپ نے اکتسابِ علم کا سلسلہ جاری رکھا اور منطق و فلسفہ کے ساتھ حدیث و تفسیر کا

مطالعہ کیا۔

۱۷۷۷ء میں نواب مصطفیٰ شہید شیعہ سے جو ہاگیر آباد خلع ملندہ شہر کے رئیس اعظم تھے ملاقات ہو گئی اور آپ آٹھ برس تک اُن کے صاحب رہے شیعہ نہایت عالم فاضل اور مشہور شاعر تھے۔ حالی کا شاعری کا شوق شیعہ کی صحبت سے چمک اُٹھا اور اب اپنی غزلیں مرزا غالب کے پاس اصلاح کے لئے بھیجنے لگے۔

نواب شیعہ کے انتقال کے بعد آپ لاہور چلے گئے۔ وہاں گورنمنٹ بک ڈپوس آپ کو ایک جگہ مل گئی۔ وہاں جو ترجمے انگریزی سے اردو میں ہوتے تھے اُن کی عبارت درست کرنے کا کام آپ کے ذمہ تھا۔ تقریباً چار سال آپ یہ کام کرتے رہے۔ اس سے انگریزی لٹریچر میں آپ کو کافی دستگاہ حاصل ہو گئی۔ اور انگریزی خیالات اور طرز اداسے آپ کو خاصی مناسبت پیدا ہو گئی اور رفتہ رفتہ شہر شاعری اور شرقی انشا پر دامن خاصاً عام فارسی لٹریچر کی وقت دل سے کم ہوتی گئی جس زمانہ میں مولانا محمد حسین آزاد نے ناہور میں ایک نئے طرز کے مشاعرہ کی بنیاد ڈالی تھی اُسی زمانہ میں حالی نے چار شوبیاں برسات، امید زخم و انصاف اور حب وطن پر لکھیں اور اس مشاعرہ میں پڑھیں۔

چار برس بعد آپ لاہور سے واپس آئے۔ اور ایگلہو عربک اسکول میں مدرس مقرر ہو گئے۔ اُسی زمانہ میں آپ کی ملاقات سر سید سے ہوئی۔ اُن ہی کی فرمائش سے آپ نے مشہور و معروف مدرس مدرّجہ اسلام، تصنیف کیا جس نے اُن میں آسمان جاہ مدار المہام حیدر آباد علی گڑھ آئے۔ سر سید نے اُن سے آپ کا تعارف کرایا۔ نواب صاحب نے ازراہ استدلال، ۱۵۷ روپیہ ماہوار آپ کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ اس کے بعد جب آپ علی گڑھ کالج کا ایک وفد کے حیدر آباد آ گئے تو وہاں آپ کا وظیفہ ۵۷ روپیہ سے سو روپیہ ماہوار ہو گیا۔ حیدر آباد سے وظیفہ

مقرر ہوئے کے بعد آپ نے ملازمت ترک کر دی اور پانی پت میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ جہاں آپ ادبی خدمات انجام دیتے رہے۔ مستقل طور پر ادبی خدمات اور علم و فضل کے صلہ میں آپ کو شمس العلماء کا خطاب ملا۔ بالآخر ۷۷ سال کی عمر میں ۱۳ صفر ۱۳۸۵ مطابق ۱۹۶۵ء کو آپ کا انتقال ہو گیا۔

مولانا الطاف حسین حالی نے جو پر کیفیت روح ہماری شاعری کے مُردہ اور بے جان جسم میں پھونکی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ مولانا نے ہماری شاعری کو بخش، ناپاک، خرافات اور گندے و عامیانه خیالات سے بالکل پاک کر دیا اور اسے پند و نصیحت، انطباع اور اصلاح معاشرت، ادب اور فلسفہ کے سانچہ میں اس خوبی سے ڈھالا کہ آج ہم نہایت فخر کے ساتھ تمام دنیا کے لکریچر کے مقابلہ میں اپنی زبان کے کلام کو پیش کر سکتے ہیں۔ اور یہی ناتر ہے کہ اخلاقی، معاشرتی، سیاسی، مذہبی اور پند و نصیحت کی نظموں کا بیش بہا ذخیرہ اردو کے ادب میں موجود ہے۔ آپ کا کلام چھپ رہا ہے۔ بازاری اور بالذمہ آمیز الفاظ و محاورات سے بالکل پاک ہے نہ اس میں معشوق کی بیو نایوں کے دکھ ہے نہ حجب و وصال کے جھگڑے، نہ گل و بلبل کے تذکرے ہیں نہ عشق و عاشقی کی داستانیں۔ نہ واقعوں پر پھینچیاں ہیں نہ ناصحوں پر پیلوائیں۔ ان تمام خرافات اور تجسس و پلید خیالات سے ہماری شاعری کو پاک و مہر کر کے مولانا نے اسے جس معراج ترقی پر پہنچایا وہ پوشیدہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا کلام اس قدر مقبول خاص و عام ہوا کہ نہ صرف ہندوستان کے سچے سچے کی زبان پر ہے بلکہ سمندر پار فرانس اور انگلستان، افغانستان و ایران تک کے تعلیم یافتہ طبقہ میں اس کی شہرت ہے، ہندوستان کی متعدد زبانوں میں آپ کی نظموں کے ترجمے ہوئے اور ہندی میں تو یہ کام بہت پہلے ہو چکا ہے۔ آپ کی مشہور و معروف نظم ”بیوہ کی مناجات“ کے اب تک دس زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ آپ کی

مسدس ”مد و جذرا اسلام“ نے ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تملکہ مچا دیا۔ اس مسدس کے اشعار ہر شخص کی زبان پر ہیں۔ بہتوں نے تو اس کو دورِ زبان کر لیا۔ غرض آپ کا کلام حال و حال کی محفلوں میں، قومی جلسوں میں اور سیاسی مجمعوں میں سنا اور پڑھا جاتا ہے۔ مذہبی تصنیفوں میں وہ نقل کیا جاتا ہے اور طلباء کے نصاب میں داخل کیا جاتا ہے۔

حالی مرحوم نے اپنا اردو شاعری کا دیوان آخری وقت میں شائع کیا اور اپنی شاعری پر سوادو سو صفحات کا مسموط مقدمہ اُس کے ساتھ شامل کیا جو دیکھنے کے قابل ہے۔ اس کے پڑھنے سے مولانا کے مذاق شاعری کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔

غرض مولانا حالی دورِ جدید کے اُن مشہور لوگوں میں تھے، جنہوں نے پُرانے درسوں میں تعلیم پا کر ایسے کار نمایاں کئے جن کی مثال تعلیم جدید تک نہیں پیدا کر سکی۔

مولانا کا فارسی و عربی کلام اُن کی حیات میں ہی مرتب ہو چکا تھا۔ اردو کلام کی تدوین کرنے ہی کو تھے کہ پیامِ اجل آپہنچا اور وہ اس کام کو خود نہ انجام دے سکے۔ مولانا کے انتقال کے بعد ایک مدت تک اُن کی نظمیں متفرق طور سے چھپ چھپ کر شائع ہوتی رہیں۔ لیکن مجموعہ کی شکل میں کسی کو چھاپنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ چند مطابع میں شائع بھی ہوا تو وہ بھی مکمل طور سے نہیں۔ ہم نے نہایت صحت و کاوش سے مولانا کے کل کلام کو جمع و فراہم کرنا شروع کیا۔ شکر ہے کہ اس کا کلام بیکار نہ رہا۔ اس دیوان کے ہر شعر کی تصحیح پوری تحقیق و تدقیق سے کی گئی ہے۔ پھر بھی اگر کوئی فرگذاشت ہوگئی ہو تو ہمیں معاف فرمایا جائے۔

ناشر

فہرست عنوان

نمبر شمار	عنوان نظم	صفحہ	نمبر شمار	عنوان نظم	صفحہ
	قطعات			استفادہ	۱۸
۱	چھوٹوں کا بڑا بن جانا	۱	۲۳	لائق آدمی دوست اور دشمن دونوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔	۲۳
۲	شعر کی طرف خطابیہ	۲		سخن سازی	۱۸
۳	مشاعرہ کی طرح پرغزل نہ لکھنے کا انداز	۳	۲۵	عادت کا غلبہ عقل پر۔	۱۹
۴	نکتہ چین	۴	۲۶	شعرا کو سلطنت میں دخل دینا۔	۱۹
۵	سے تیز تری انہاسے زماں	۵	۲۷	لوگ کسی کی خوبیاں سن کر اتنے خوش نہیں ہوتے جتنے کہ اُس کے عیب سُن کر۔	۲۰
۶	ایک خود پسند بیزارہ کی تضحیک	۶	۲۸	شائستہ لوگوں کا بڑا وسائل کے ساتھ	۲۰
۷	پلٹشکیل آپسیچین	۷	۲۹	اسراف	۲۱
۸	باری کر کے بیک نامی کی توقع رکھتی	۸	۳۰	پاس بیک نامی	۲۲
۹	تفاخر سے نفرت کرنے پر تفاخر	۹	۳۱	غور بیک نامی	۲۲
۱۰	سید احمد خاں کی تکفیر	۱۰	۳۲	کائے اور گورے کی صحت کا میڈیکل	۲۳
۱۱	قرض لے کر حج کو جانے کی ضرورت	۱۱	۳۳	انصاف	۲۳
۱۲	آزادی کی قدر	۱۲	۳۴	خود سنائی۔	۲۴
۱۳	انگلستان کی آزادی اور ہندوستانی غلامی	۱۳	۳۵	حکم پر نقش	۲۴
۱۴	سید احمد خاں کی مخالفت کی وجہ	۱۴	۳۶	جس قوم میں افلاس ہو اُس میں سُخّل	۲۶
۱۵	فیض اہل اللہ	۱۵	۳۷	اتنا بابت نہیں جتنا اسرار۔	۲۶
۱۶	ذکر وں پر سخت گیری کرنے کا انجام	۱۶	۳۸	روسائے عہد کی فیاضی۔	۲۷
۱۷	فیض کی تعریف	۱۷	۳۹	ایمان کی تعریف۔	۲۸
۱۸	دنیائی برکت کا عذر	۱۸	۴۰	برکت اتفاق۔	۲۸
۱۹	دل کی شاعری کا تنزیل	۱۹	۴۱	فخر صوری مانع قربت معنوی نہیں ہے۔	۲۹
۲۰	بی بیوں کی نسبت	۲۰	۴۲	ناصح مخلص اور اہل غرض میں تمیز۔	۳۰
۲۱	سید احمد خاں کی تضادیت کا تردید	۲۱			
۲۲	یقین	۲۲			

نمبر شمار	عنوان مضمون	صفحہ	نمبر شمار	عنوان مضمون	صفحہ
۴۲	خادم آٹا کی خدمت میں کیوں گستاخ ہو جاتے ہیں۔	۳۰	۶۵	انسان جو اشرن الخلوقات ہے سب سے زیادہ مورد آفات ہے۔	۲۲
۴۳	خوشامد کر کے کی ضرورت۔	۳۱	۶۶	چند بڑی کامیابی کا انجام۔	۴۲
۴۴	رعیت پر واپس کیوں موصول کرنا۔	۳۲	۶۷	قوم کی پاسداری۔	۴۳
۴۵	رشک۔	۳۲	۶۸	برکھارت۔	۴۵
۴۶	قانون۔	۳۳	۶۹	نشاط امید۔	۵۳
۴۷	شادی قبل از وقت بلوغ۔	۳۴	۷۰	حب وطن۔	۵۹
۴۸	حریص۔	۳۴	۷۱	مناظرہ رحمہ والنصاف۔	۶۲
۴۹	امرا اور عقلا۔	۳۴	۷۲	سیدس موسوم بہ ننگِ خدمت۔	۷۹
۵۰	خدمت بی بی ازبے پیادری۔	۳۵	۷۳	ترکیب بندہ بدرستہ المسلمون۔	۹۱
۵۱	قوم کہاں ہے۔	۳۵	۷۴	مسلمانان واقع علی گڑھ۔	۹۵
۵۲	انجام الزام دوسروں پر تھوہنا۔	۳۵	۷۵	تعصب والنصاف۔	۱۰۷
۵۳	توڑنا دیکھنا۔	۳۶	۷۶	کلمۃ الحق۔	۱۱۲
۵۴	تدبیر قیام سلطنت۔	۳۶	۷۷	مناظرہ واعظ و شاعر۔	۱۲۲
۵۵	مرد اور عورت کی حکومت کا فرق۔	۳۶	۷۸	جشنِ جوبلی۔	۱۲۲
۵۶	مغزور کی پہچان۔	۳۷	۷۹	پھیوٹ اور ایسے کا مناظرہ۔	۱۳۵
۵۷	کام اچھا کرنا چاہئے نہ کہ جلد۔	۳۷	۸۰	مسلمانوں کی تعلیم۔	۱۳۳
۵۸	گدا کے تبریم۔	۳۷	۸۱	جو انگریز کا کام۔	۱۴۲
۵۹	بے اعتدالی۔	۳۸	۸۲	ترکیب بندہ موسوم بہ نیرِ قیام۔	۱۴۷
۶۰	طبيب اپنے بیماروں کے مرنے پر متفقہ کیوں جیتے ہوئے۔	۳۹	۸۳	دولت اور وقت سکھانا۔	۱۴۹
۶۱	اپنی ایک ایک خوبی کو بار بار ظاہر کرنا۔	۳۹	۸۴	غریبات۔	۲۴۳
۶۲	عقل اور نفس کی گفتگو۔	۳۹	۸۵	ریاضیات۔	
۶۳	فضول خربی کا انجام۔	۴۱			
۶۴	اختلاف مذاہب رفع نہیں ہو سکتا۔	۴۱			

قطعات

چھوٹوں کا بڑا بن جانا

چند خطوط اک دانانے
دیکھ لو ان میں جتنے ہیں خط
ہے کوئی؟ جو بے ہاتھ لگائے
ایک نے جتنے خط تھے بڑے
جب نہ رہا وہاں پیش نظر
دیکھا اٹھا کر آنکھ جدمر
کل کی ہے یاروبات کہ تھی
قوم میں جیسا حال ہے اب
تھے موجود ادیبوں میں
منشیوں میں ایسے تھے بہت
شعر میں تھے استاد اکثر
لے گئی ان کو آخر کار

کھینچ کے یاروں سے یہ کہا
کوئی ہے چھوٹا کوئی بڑا
دے یوں نہیں چھوٹے خط کو بڑھا
اٹھ کے دیا ایک اک کو مٹا
خط کوئی چھوٹے خط کے سوا
تھا وہی چھوٹا وہ ہی بڑا
قوم میں باقی حبان ذرا
آدمیوں کا کال نہ تھا
اخطل و اعشی کے ہوتا
رجن پہ کہ نازاں تھی انشا
سحر بیاں اور نکستہ سرا
بحر فنا کی موج ہر

اہل ہنر کا نام و نشان قوم میں جب باقی نہ رہا
حالی و زبیر و عسکری نے صاحب دیوان نام خدا
اب چاہو استاد گنہو یا ہمیں سمجھو تم کیلک

ہم ہیں وہی ناچینہ مگر
کَبْرًا مَوْتُ الْكِبْرَا

شعر کی طرف خطاب

اے شعر و لہریب نہ ہو تو۔ تو غم نہیں
صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام
جو ہر ہے راستی کا اگر تیری ذات میں
حسن اپنا گر دکھا نہیں سکتا جہان کو
تو نے کیا ہے بحر حقیقت کو موج خیز
وہ دن گئے کہ جھوٹ تھا ایمان شاعری
اہل نظر کی آنکھ میں رہنا ہے گریز
ناک اوپری دوا سے تری گڑھائیں لوگ
چپ چاپ اپنے سچ سے گئے ہارلوں میں گھر
جو تامل ہیں اُن کو بتا چور بن کے راہ
عزت کا بھید ملک کی خدمت میں ہے پھا

پر تجھ پہ حیف ہے۔ جو نہ ہو دلگداز تو
ہاں سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو
تخمین روزگار سے ہے بے نیاز تو
آپے کو دیکھ اور کر اپنے پہ ناز تو
دھوکے کا غرق کر کے رہ گیا جہاز تو
قبلہ ہوا اب اُدھرتو نہ کیونماز تو
جو بے بصر ہیں اُن سے نہ رکھ ساز باز تو
سعد و رجاں اُن کو جو ہے چارہ ساز تو
اونچا ابھی نہ کر علم امتیاز تو
گر چاہتا ہے خضر کی عمر دراز تو
حمود و جان آپ کو گر ہے ایاز تو

اے شعر راہ راست پہ تو جب کہ پڑ لیا اب راہ کے نہ دیکھ نشتیب و فراز تو
 کرنی ہے فتح گرنہی دُنیا تو نے نکل بیڑوں کا ساتھ چھوڑ کے اپنا جہاز تو
 ہوتی ہے سچ کی قدر پہ بیداریوں کے بعد اس کے خلاف ہو تو سمجھ اس کو شاز تو
 جو قدر داں ہو اپنا اُسے مفتنم سمجھ
 حالی کو تجھ پہ ناز ہے کُر اس پہ ناز تو

مشاعرہ کی طرح پر غزل نہ لکھنے کا عذر

ہوئی ریاں جوانی کی بہار آخر حریف طبع رنگیں تھی مے عشق کی جب متوالی
 اپنی رواد تھی جو عشق کا کرتے تھے سیلا جو غزل لکھتے تھے ہوتی تھی سر اسر حال
 اب کہ اُلفت ہے نہ چاہت نہ جوانی نہ بگ سر پہ سودا سے تھی عشق سے دل ہے خالی
 گر غزل لکھتے تو کیا لکھتے غزل میں آخر نہ رہی چیز وہ مضمون سو جھانے والی
 آپ بیٹی نہ ہو جو رہے وہ کہانی بے لطف گرچہ ہوں لفظ نصیح اور زباں ٹکسالی
 ہاں مگر کیجئے کچھ عشق کا غیروں کے بیاں لائے باغ سے اور دلوں کے لگا کر ڈالی
 کھینچے وصل صنم کی کبھی ضمنی تصویر کیجئے درد جدائی کی کبھی نفثالی
 تاکہ بھڑکائے جوانوں کے دل آتش کی طرح وہ ہوا جس سے دماغ اپنا ہوا ہے خالی

پر یہ ڈر ہے کہیں اپنی بھی وہی ہو نہ مثل
 ”تجربہ چوں پر شود ہمیشہ کند دلالی“

ملکتہ چینی

باپ نے بیٹے کو سمجھایا کہ علم و فضل میں جس طرح بن آئے بیٹا نام پیدا کیجئے
 کیجئے تصنیف اور تالیف میں سعی و ملغ اس میں ایک اپنا پسینا اور لہو کر دیجئے
 دیجئے معنی کے نظم و نثر میں دریا بہا اور سخن کی داد ہر یہ وجوہاں سے لیجئے
 اور نہ ہو گر شعرو انشا کی لیاقت آپ میں شاعروں اور نشیوں پر کلمہ چینی کیجئے

بے تمیزی ابنائے زمان

از رہ فخر آگینہ سے یہ میرے نے کہا ہے وجود اے تبدیل تیرا برابر اور ہم
 جنس تیری کس میں اور قدر و قیمت تیری پیچ تیرے پاسنے کی خوشی کچھ اور نہ کم ہونے کا ہم
 وے کے دھوکا تو اگر الماس بنائے تو کیا امتحاں کے وقت کھل جاتا ہے سب تیرا ہم
 ٹسکرا کر آگینہ نے یہ میرے سے کہا گو کہ ہے رتبہ ترا مجھ سے بڑا اے محترم
 تجھ میں اور مجھ میں مگر کر سکتے ہیں جو امتیاز ہیں بقول ایسے اس بازار نا پر رساں میں کم

تیرے جو ہر گونہیں موجود اپنی ذات میں

مجھ سے لے الماس لیکن اچھے پڑ رہے ہیں ہم

ایک خود پسند امیر زادہ کی تضحیک

کہتے ہیں ایک امیر زادہ کو تھا خدنگ افگنی کا شوق کہیں

خصلتیں جو امیر زادوں میں
 گو کہ رکھتا نہ تھا ہنر کوئی
 کچھ نہ تھا پر سمجھتا تھا سب کچھ
 واہ واسنتے سنتے یاروں کی
 الغرض ایک روز صحرا میں
 مشق تیرا فگنی میں تھا مصروف
 آکے دیکھا جو اک ظریف نے حال
 تیر جتنے کمان سے چھوٹے
 جا کے بھولے سے بھی نہ پڑتا تھا
 ایک جاتا تھا چھٹ کے سوئے شمال
 کچھ جو شوخی ظریف کو تو بھی
 خاک تو دے پہ جا کے ہو بیٹھا
 ناوک انداز بولا چلا کر
 یا خفا ہو کے گھر سے آیا ہے
 عرض کی چارہ کیا ہے اس کے سوا
 زد سے ان بے پناہ تیروں کی

لازمی ہیں۔ وہ اُس میں بھی سبقتیں
 اس پہ تھا خود پسند اور خود ہیں
 علم تیر و کماں میں اپنے تئیں
 ہو گیا تھا ہنر کا اپنے یقین
 جب کہ تھے ساتھ سب جلیں و قریں
 کر رہے تھے خوشامدی تمہیں
 وجہ تمہیں ہوئی نہ ذہن نشین
 پائے سب بے اصول بے آئیں
 تیر آماجگہ کے کوئی تہریں
 ایک جاتا تھا چھٹ کے سوئے یں
 رکھ کے بالائے طاق سب تکیں
 لوگ کرتے رہے چٹاں و چنیں
 کوئی تجھ کو جنوں ہے لے سکیں
 یا کہ دو بھر ہے تجھ کو جان خریدیں
 جبکہ جائے گریز ہو نہ کہیں
 کہیں جاں دار کو امان نہیں

مجھ کو ہر بچہ کے شش جہت میں حضور
 امن کی اک جگہ ملی ہے یہیں

پولیٹکل اسپیچیں

اے بزمِ سفیرانِ دُکُل کے سخن آرا ہر خور و کلاں تیری فصاحت پہ فدا ہے
 یہ سچ ہے کہ جادو ہے زبان میں تسکین کچھ سحر بیانی کا ترے ڈھنگ نیا ہے
 ظاہر ہے نہ غصہ میں بیاں سے تری رنجش نے لطف میں کچھ طر بیاں اس سے جدا ہے
 ہے دل میں نہاں ایک شکایات کا طوار اور لب یہ جو دیکھو تو نہ شکوہ نہ گلا ہے
 جو صلح کی باتیں ہیں وہ ہیں شہد سے شیریں اور جنگ میں کچھ لطف سخن اس سے سوا ہے
 گرسوچئے تو سیکڑوں پہلو ہیں مفر کے اور سنئے تو زنجیروں سے ہر قول بندھا ہے
 دل کی ترے ہوتی نہیں معلوم کوئی بات گونگنا نہیں گویا نہیں کیا جانئے کیا ہے
 کھلتا نہیں کچھ اس کے سوا ترے بیاں سے اک مرغ ہے خوش اوجہ کہ کچھ بول رہا ہے
 تھے لب پئے اظہار پہ اب آکے کھلایہ
 انسان کو اخفا کے لئے نطق بلا ہے

بدی کر کے نیک نامی کی توقع کھنی

نامنصف و بے رحم تھا اک ضلع کا حاکم
 برتاؤ سے نالاں تھی بہت جس کے رعیت
 جب دورہ کو اٹھتا تھا تو دیہات میں جا کر
 تھا پوچھتا ایک ایک سے اذراہِ شرارت

ہیں پرگنہ کے لوگ سمجھتے ہمیں کیسا
 کرتے ہیں ہماری وہ ستائش کہ مذمت
 تھی اس کی مثال ایسی کہ اک شخص بد آواز
 جس کو کہ خود آواز سے تھی اپنی کراہت
 گاتا تھا کھڑا ہو کے اور آواز کے پیچھے
 ہر بار لپکتا تھا بصد تیزی و سرعت
 ہو۔ تاکہ یہ معلوم کہ ہے دور سے میری
 آواز خوش آئند و یا قابل نفرت
 تفاخر سے نفرت کرنے پر تفاخر

زاہد نے کہا "زینت اسباب یہ جو لوگ اتراتے ہیں اک آنکھ مجھے وہ نہیں بھاتے"
 حالی نے کہا جن کو ہے اترنے سے نفرت اتر کے وہ اس طرح نہیں ناک چڑھاتے

سید احمد خاں کی تکفیر

مختلف اقوال ہیں اسلام کی تعریف میں بعض کے نزدیک توحید اس کی حد نام ہے
 ہے مگر جمہور کے نزدیک یہ مردود قول جو ہیں قائل اس کے اُن پر کفر کا الزام ہے
 کیونکہ اس سے ماننا پڑتا ہے اس حجت کو عام جس سے غیر ازاہل قبلہ جو ہے وہ ناکام ہے
 بعض کہتے ہیں کہ شر سے تیرے سبایمیں ہیں بس مسلمانی و دینداری اسی کا نام ہے

پر یہ بھی جامع و مانع نہیں عند الفحول کہتے ہیں اسلام جو سمجھے اُسے وہ خام ہے
 ایمین کا مستحق ہے خاص کر اپنا گروہ اور سب کا لفظ یا راغیا سب کو عام ہے
 بعض کہتے ہیں شعار اسلاموں کا ہے لباس جو لباس غیر پہنے خارج از اسلام ہے
 بعض بتلاتے ہیں کچھ اور بعض فرماتے ہیں کچھ حصر کرنا ان تمام آرا کو مشکل کام ہے
 مذہب منصور ہے لیکن بیاں کرنا ضرور جو مسلّم آج کل نزدیک خاص و عام ہے
 اہل حل و عقد ہیں اب متفق اس رائے پر
 سید احمد خاں کو کافر جاننا اسلام ہے

قرض لے کر حج کو جانے کی ضرورت

قریب موسم حج۔ قرض لے کے اک دیندار چلا بیت حج۔ گھر سے سوئے بیت اللہ
 کہا یہ اُس سے اک آزاد نے کہ لے حضرت کیا ہے آپ کو شارع نے جبر یا اکراہ
 کہ قرض لے کے چلے ہیں حضور سوئے حجاز وطن میں جھوڑ کے اطفال کو بحال تباہ
 نہ نان و نفقہ فرزند و زن سے خاطر جمع نہ زاد و راحلہ کا ساز و برگ خاطر خواہ
 مٹایا۔ اور بہت ترش ہو کے فرمایا کہ ”و کتاب ہے مسلمان کو حج سے اے گمراہ
 وہ بادشاہ کہ جو دشمنوں کو دیتا ہے نگین و خاتم و طبل و نشان و تخت و کلاہ
 خبر نہ لے گا وہ کیا اپنے میہمانوں کی؟ پہنچتے جو کہ ہیں طے کر کے بڑ و سحر کی راہ
 جنہیں فراغت و تکی میں ہے اُسی سے مُہید جنہیں سلامت و آفت میں ہے اُسی کی پناہ“

۱۲۔ اہل احوال مختلف میں سے جو قول رائج ہو اُس کو ”مذہب منصور“ کہتے ہیں۔

وہ سن کے بولا کہ ”ناخواندہ میہانوں کو
ذلیل ہوتے ہیں جو بن بلائے جاتے ہیں
یہ سن کے شیخ نے دیکھا ادھر ادھر کر کہیں
بلا کے پاس پھر آہستہ اُس سے فرمایا
قدم پہنچتے جہاں تک ہیں پختہ کاروں کے
خدا کے علم میں مبنی تمام حکمت پر
نماز روزہ ہو۔ یا ہبوطِ اُف و عمرہ حج
اُسی طرح یہ وسیلہ معاش کے ہیں تمام
مگر سلیقہ و تدبیر شرط ہے۔ ورنہ
یہ کہنے سننے کی باتیں نہیں ہیں بر خوردار
وگر نہ علمِ معیشت و وسیع ہے واللہ

آزادی کی تدر

ایک ہندی نے کہا ”حاصل ہے آزادی جنہیں
تدر داں اُن سے بہت بڑھ کر ہیں آزادی کے ہم
ہم کہ غیروں کے سدا محکوم رہتے آئے ہیں
قدرِ آزادی کی حقیقی ہم کو ہو اتنی ہے کم

عافیت کی قدر ہوتی ہے مصیبت میں سوا
 بیوا کو ہے زیادہ تسدردینا و درم
 ”تَعْرِفُ الْأَشْيَاءَ بِاللِّحْدَادِ“ ہے قولِ حکیم
 دے گا قیدی سے زیادہ کون آزادی پہ دم
 سن کے اک آزاد سننے پہ لاف چپکے سے کہا
 ہے سفرِ موری کے کیڑے کے لئے باغِ ارم
انگلستان کی آزادی اور ہندوستان کی غلامی

کہتے ہیں ”آزاد ہو جانا ہے جب لیتا ہے سانس
 یاں غلام آکر۔ کرامت ہے یہ انگلستان کی
 اس کی سرحد میں غلاموں نے جو ہیں رکھا قدم
 اور کٹ کر پاؤں سے ایک اک کے بیڑی گر پڑی
 قلبِ ماہیت میں انگلستان ہے گر کیا
 کم نہیں کچھ قلبِ ماہیت میں ہندوستان بھی
 آن کر آزاد۔ یاں۔ آزاد رہ سکتا نہیں
 وہ رہے ہو کر غلام اس کی ہوا جن کو لگی

۱۵ یعنی ہر ایک چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ ۱۲۔ ۱۵ یعنی جس طرح موری کے کیڑے
 کو موری میں آرام ملتا ہے اور وہاں سے کہیں جانا نہیں چاہتا۔ اسی طرح جو تو بیگینہ
 محکوم رہتی چلی آتی ہیں وہ غلامی ہی میں خوش رہتی ہیں۔ ۱۲۔

سید احمد خاں کی مخالفت کی وجہ

سید احمد خاں کے اک مُنکر سے یہ پوچھا کہ ”آپ“
 کس لئے سید سے صاف لے حضرت والا نہیں
 کافر و ملحد ہمیشہ اُس کو ٹھہراتے ہیں آپ
 ثابت اسلام اُس کا۔ نزدیک آپ کے گویا نہیں
 آپ بھی (نام خدا) ہیں تارکِ صوم و صلوٰہ
 اور سلوکِ اسلام سے خود آپ کا اچھا نہیں
 خود نبوت پر سُننے ہیں ہم نے ایراد آپ کے
 اور اُلُوہیت سے بھی دل جمع حضرت کا نہیں
 چشم بد دور آپ کا بھی جب کہ ہے مشرب و سلیح
 پھر یہ سید پر تبرِ آپ کو زیبا نہیں

سُن کے فرمایا اگر ہو پوچھتے انصاف سے
 بات یہ ہے۔ سُن لو صاحبِ ثُم سے کچھ پردہ نہیں
 رنج کچھ اِس کا نہیں مجھ کو کہ وہ ایسا ہے کیوں
 بلکہ ساری کوفت ہے اِس کی کہ میں ویسا نہیں

قحط اہل اللہ

کل خانقاہ میں تھی حالت عجیب طاری جو تھا سو چشم پر غم اپنا تھا یا پر ایا
 دُنیا سے اٹھ گئے سب جو تھے مرید صادق یہ کہہ کے شیخ کا دل بے ساختہ بھر آیا
 ہم نے کہا "مریدی باقی رہی نہ پیری" یہ کہہ کے ہم بھی روئے اور اُس کو بھی رُلایا

نوکروں پر سخت گیری کرنے کا انجام

ایک آقا تھا ہمیشہ نوکروں پر سخت گیر
 درگزر تھی اور نہ ساتھ اُن کے رعایت تھی کہیں
 بے سزا کوئی خطا ہوتی نہ تھی اُن کی معاف
 کام سے مہلت کبھی ملتی نہ تھی اُن کے تئیں
 حسنِ خدمت پر اضافہ یا صلہ تو درکنار
 ذکر کیا بکھلے جو پھولے مُنہ سے اُس کے آفریں
 پاتے تھے آقا کو وہ ہوتے تھے جب اُس سے دوچار
 نہ تھے پھولے، مُنہ چڑھا، ملتے پہل، ابرویہ چہیں
 تھی نہ جز تنخواہ نوکر کے لئے کوئی مستوج
 اُس کے ہو جاتے تھے خائن جو کہ ہوتے تھے امیں
 ہوتا تھا اک اک شرائط نامہ ہر نوکر کے پاس

فرض جس میں نوکر اور آقا کے ہوتے تھے تعین
 گر رعایت کا کبھی ہوتا تھا کوئی خواستگار
 زہر کے پیتا تھا گھونٹ آخر بجائے انگلیں
 حکم ہوتا تھا ”شرائط نامہ دکھلاؤ ہمیں“
 تاکہ یہ درخواست دیکھیں واجبی ہے یا نہیں
 وال سوا تنخواہ کے۔ تھا جس کا آقا ذمہ دار
 تھیں کریں جتنی وہ ساری نوکروں کے ذمہ تھیں
 دیکھ کر کاغذ کو ہو جاتے تھے نوکر لا جواب
 تھے مگر وہ سب کے سب آقا کے مارِ آستین

ایک دن آقا تھا اکُنتہ زور گھوڑے پر سوار
 تھک گئے جب زور کرتے کرتے دستِ ناز میں
 دفعۂ قابو سے باہر ہو کے بھاگا را ہوار
 اور گرا سوار صدرِ زیریں سے بالائے زمیں
 کی بہت کوشش نہ چھوٹی پانوں سے لیکن رکاب
 کی نظر سائیس کی جانب۔ کہ ہو آکر مریں
 تھا مگر سائیس ایسا سنگ دل اور بے وفا
 دیکھتا تھا اور ٹس سے مس نہ ہوتا تھا لیں

دور ہی سے تھا اُسے کاغذ دکھا کر کہہ رہا
”دیکھ لو سرکار اس میں بشرط یہ لکھی نہیں

نیشن کی تعریف

یہ ہے مانی ہوئی جمہور کی رائے اسی پر ہے جہاں کا اتفاق اب
کہ نیشن وہ جماعت ہے کم از کم زباں جس کی ہو ایک انسل مذہب
مگر وسعت اُسے بعضوں نے دی ہے نہیں جو رائے میں اپنے مذہب
وہ نیشن کہتے ہیں اُس بیڑ کو بھی کہ جس میں وحدت مفقود ہوں سب
زباں اس کی نہ ہو مفہوم اُس کو ہوں آدم تک تھا سب کے تہذیب
جو واحد لاشریک اُس کا خدا ہو
تو لاکھوں اُس کے ہوں مجبور اور رب

صفائی نہ رکھنے کا عذر

راہ سے گزرا کہیں میلا کچھلا اک غلام
اُس کے سیلے پن پہ لوگوں نے غلامت اُس کو کی
عوض کی ایک اک رواں ہو جس بدن کا بانک غیر
اختیار اُس کی صفائی کا نہیں رکھتے رہی
غلام ۱۲۰

جو ہیں آزاد اور صفائی کا نہیں رکھتے خیال
عذر میلے پن کا شاید وہ بھی رکھتے ہوں ہی

کیونکہ جسم آدمی میں پیش اہل معرفت
کوئی چیز اُس کی نہیں سب سے امانت گور کی

دلی کی شاعری کا تنزل

اک دوست نے حالی کے کہا ازہ انصاف
چند اہل زباں جن کو کہ دعویٰ تھا سخن کا
شاعر کو یہ لازم ہے کہ ہوا اہل زباں سے
معلوم ہے حالی کا جو ہے مولد و نشا
اُردو کے دہنی وہ ہیں جو دلی کہیں رورے
بلبل ہی کو معلوم ہیں اندازِ جن کے
حالی کی زباں گر بمثلِ نسیمِ لبین ہو
ہر چند کہ صنعت سے بنائے کوئی نافر
مانا کہ ہے بیاختہ پن اُس کے بیان میں
کرتے ہیں پسند اہل زباں اُس کے سخن کو
بولے کہ ”نہیں جانتے تم شعر کے فن کو
ہو چھو نہ گئی غیر زباں اُس کے دہن کو
اُردو سے بھلا واسطہ حضرت کے دِلن کو
پنجاب کو میں اس سے نہ پوربہ نہ کن کو
کیا عالمِ گلشن کی خبر زارغ و زغن کو
خالص نہ ہو تو کیجئے کیا لے کے لبین کو
پہنچے گا نہ وہ نافرمان آہوئے سخن کو
کیا چھو کیجئے اس ساختہ بیاختہ پن کو

یہ دوست نے حالی کے سنی جبکہ تعلی
کچھ شعر تھے یاد اُن کے پڑھے اور یہ پوچھا
حق کہنے سے وہ رکھ نہ سکا باز دہن کو
”کیوں صاحبِ اعتراف ہی اُردو سے پہنچن کو

سچ یہ ہے کہ جب شعروں سرکار کیلئے کیوں آپ لگے ماننے حالی کے سخن کو
حالی کو تو بدنام کیا اُس کے وطن نے
پر آپ نے بدنام کیا اپنے وطن کو

بیٹیوں کی نسبت

جاہلیت کے زمانہ میں یہ تھی رسم عرب کہ کسی گھر میں اگر ہوتی تھی پیدا دختر
سنگدل باپ اُسے گود سے لے کر ماں کی گاڑ دیتا تھا زمین میں کہیں زندہ جا کر
رسم اب بھی ہی دنیا میں ہے جاری لیکن جو کہ اندھے ہیں ہٹے کے نہیں کچھ اُن کو خبر
لوگ بیٹی کے لئے ڈھونڈتے ہیں جب بیوند سب سے اول انھیں ہوتا ہے منظرِ نظر
ایسے گھر بیاہتے بیٹی کو جو ہو آسودہ اور مرد و مہر سے جو ذات میں ہو افضل تر
جانے پہچانے نہ ہوں سمیہا نہ کے سایہ زن مرد اُن کے معلوم ہوں عادات و خصائل کمبیر
ایک ہی شہر میں ہوں دونوں گھر لے آباد دونوں نزدیک قرابت میں ہوں باہرنگر
جیتے جی مرگئی بس اُن کی طرف سے گویا جا کے پردیس میں بیٹی کو دیا بیاہ اگر

چھان میں اس کی تو کرتے ہیں گھر کیسا ہو پر نہیں دیکھتا یہ کوئی کہ کیسا ہو بکر
بد مزاجی ہو جمالیت ہو کہ ہو بد چلنی کچھ بُرائی نہیں - ذائقہ ہوتا ہوا اگر
وہ ہی ناشدنی ریت ہے جس کے کارن بکریاں بھڑکیوں سے پاتی ہیں پیوند اکثر

جاہلیت میں تو بھی اک ہی آفت کہ وہاں گھاڑ دی جاتی تھی بس خاک میں تنہا دختر
ساتھ بیٹی کے لگرا ب پدر و مادر بھی زندہ درگور سدا رہتے ہیں اور خستہ جگر

اپنا اور بیٹیوں کا جبکہ نہ سوچیں انجام جاہلیت سے کہیں ہے وہ زمانہ بدتر

سید احمد خاں کی تصانیف کی تردید

اک مولوی کہ تنگ بہت تھا معاش سے برسوں رہا تلاش میں وجہ معاش کی
وہ شہر شہر نوکری کی ٹوہ میں پھیرا لیکن نہ اُس کے ہاتھ کہیں نوکری لگی
اخبار بھی نکال کے بخت آزمائی کی تدبیر یہ بھی اُس کی نہ تقدیر سے چلی
روزی کی خاطر اُس نے کئے سیکڑوں جتن پر۔ کی کہیں نصیب نے اُس کے نہ یادری

راہ طلب میں جب ہوئی گشتگی بہت اک خضر پے فحشہ نے کی آ کے رہبری
جھمک کر کہا یہ کان میں اُس کے کہ اچھل سنتا ہوں چھپ رہی ہے تصانیف احمدی
جا۔ اور لفظ لفظ کو اُس کے چھیڑ کر تردید اُس کی چھاپ ہے جو ہو بُری بھلی
پھر دیکھنا کہ اس وچ گرد و پیش سے لگتی ہے کیسی آ کے زرد سیم کی چھڑی

دُنیا طلب کو چاہئے ابلہ فریب ہو
دُنیا پہ جب تنگ کہ مستط ہے ایلہی

یقین

آتی نہیں ہے شرم تجھے لے خدا پرست دل میں کہیں نشان نہیں تیرے یقین کا
 جی میں ترے ہزاروں گزرتے ہیں وہ سے ہوتی نہیں قبول تری ایک اگر دعا
 تجھ سے ہزار مرتبہ بہتر ہے بُت پرست جس کا یقین ہے تیرے یقین سے کہیں سوا
 وہ مانگتا بہتوں سے مرادیں ہے عمر بھر گو حاجت اُس کی اُن سے ہوئی ہے نہ ہو
 آتا نہیں یقین میں اُس کے کبھی تصور اُمید اُس کی روزِ فزوں ہے اور التجا

تو بندہ غرض ہے وہ راضی رضا یہ ہے
 وہ ہے کہ یہ ہے بندگی؟ اے بندہ خدا

استفادہ

لیجئے بھیک دوڑ کر۔ گر ہے گداگری کا یہ جس سے ملے جہاں ملے جو ملے اور جب ملے
 ہے ہی اصل کتاب یہ جو ہے سب سے مفید رک ملے یا سز ملے۔ درس ملے ادب ملے

لائق آدمی دوست اور دشمن دونوں سے فائدہ
 اُٹھا سکتے ہیں

قول ایک حکیم کا ہے کہ گر غور کیجئے ہے حق میں سب کے دوست سے دشمن مفید تر
 اول تو سوچتا ہی نہیں عیب دوست کو اور سوچتا ہے تو نہیں اتنا زبان پر

پیر ایک بار دشمن اگر دیکھ پائے عیب
دشمن سے بڑھ کے کوئی نہیں آدمی کا دوست
اور دوست سے زیادہ نہیں کوئی بدگمال
رکھتا ہے جو کہ دوست کے عیب اُس مستتر
سوسو طرح سے وہ اُسے کرتا ہے جلوہ گر
منظور اپنے حال کی اصلاح ہو اگر

گو قول ہے تین پہ جو تھی سخن کی تہ
دشمن کے جو کہ طعن سے ہوتے ہیں مستفید
اور جو کہ دوست سے نہیں سن سکتے اپنے عیب
انوس ہے حکیم کی پہنچی نہ واں نظر
عیب اُن کے دوست کیوں نہ بتائیں گے خط
وہ دشمنوں کے طعن سے کیا ہوں گے بہرہ ور

چن کو خدا نے جو ہر قابل دیا ہے یاں
موقوف عہد اُن کی نہ دشمن نہ دوست پر

سخن سازی

ہے مرنجن ساز بھی دنیا میں عجب چیز
موجو و خنکو ہوں جہاں واں ہیں طیب آپ
دونوں میں سے کوئی نہ ہو تو آپ ہیں سب کچھ
پاؤ گے کسی فن میں کہیں بند نہ اُس کو
اور جاتے ہیں بن آپ طیبوں میں سخاوت
پر ہیچ ہیں جس وقت کہ موجو دہوں دونو

عادت کا غلبہ عقل پر

دیکھ عادت کا تسلط میں نے عادت سے کیا
ہنس کے عادت نے کہا کیا عقل ہر جہ سے لگ
”گھیر لی عقل صواب اندیش کی سب تو نے جائے“
میں ہی بخاتی ہوں ناداں رفتہ رفتہ عقل مرا

شعرا کو سلطنت میں داخل دینا

سنئے ہیں یہ اک مدبر کی ہے رائے چاہئے گمرونقِ علمِ زباں
شاعروں کو سلطنت کا کیجئے رکن جن پہ اُس کی سب رکائیں ہیں عیاں

رائے صائب ہے بظاہر اور ستین گو کیا اس کا نہیں کچھ امتحان
شعرو انشا کو تو ہو شاید فروغ ہے بہت کم برخلاف اس کے گمان
سلطنت کا پر خدا حافظ ہے جب شاعروں کے ہاتھ ہو اُس کی عنان
اور جو وہ شاعر ہیں ہندوستان کے شعرو انشا کو بھی ہے خوفِ زباں
ایک پر اُن میں سے چل سکتا نہیں دوسرے کا جادوئے حُسنِ بیاں
ایک جب چلنے نہ دیکھا ایک کی پھر ترقی شعرو انشا کی کہاں؟

لوگ کسی کی خوبیاں سُن کر اتنے خوش نہیں ہوتے
جتنے کہ اُس کے عیب سُن کر

اپنے عیبوں کے ہیں ہم جتنے کہ ممنوں حالی اس قدر خوبیوں کے اپنے نہیں شکر گزار
لوگ جب عیب ہمارا کوئی سُن پاتے ہیں گو کہ کرتے ہیں تاسف کا بہ ظاہر اظہار
پر خوشی کا ہے یہ عالم کہ ہو رنج اُن کو کمال مگر نصیبوں سے وہ انوہ غلط پائے قرار

اور جو ہر گوشِ زرد اُن کے کوئی خوبی اپنی خوش تو پرتی ہے بنانی انھیں صورتِ پیار
دل میں ہونا ہے مگر غم کا یہ عالم اُن کے کہ ملال اپنا چھپا سکتے نہیں وہ زہنار
لہذا الحمد کہ مخلوق کے خوش کرنے کا نفس میں اپنے ہے سامان بہت کچھ پیار

شائستہ لوگوں کا برتاؤ سائل کے ساتھ

عادت تھی اک فیکر کرتا تھا جب سوال
مات تک اُس کی جب ہی دکھی گئی روش
بولتا کہ عادت اُس لئے کی ہے یہ اختیار
پہلے جو بھگاؤ انوں سے مٹی تھی روز بھیک
پر جب سے ہے سوال کا اس قوم پر مدار
اُمید ہے کہ مانگنے کی چھوٹ جائے لت
انگریز کے سوانہ کسی سے تھا مانگتا
یوچھا کسی نے اُس سے کہ اس کا سبب ہے کیا
چھٹ جاتے تاکہ مجھ سے یہ لپکا سوال کا
آتا تھا مانگنے میں بہت بھیک کے مزا
مشت سے عجز سے کبھی ملتا نہیں ٹکا
گر چند روز اور رہا ان سے سابقا

آیا جواب سن کے یہ اس کا بہت پسند
”نیٹو ہیں جو کہ ملک میں تسلیم یافتہ
انگریز اگرچہ ہندیوں کے حق میں ہیں بخیل
پر جو کہ دیسیوں میں ہیں تعلیم یافتہ
انگریز راستے اجنبیوں سے نہیں نفور
اہلِ غرض پہ کاٹنے کو دوڑتے ہیں یہ
کی آفریں اور اُس سے مخاطب نے یوں کہا
حق میں ترے مفید ہیں یہ اُن سے بھی ہوا
اہلِ وطن پہ اُن کی مگر جان ہے خدا
دل بھائیوں پہ بھی نہیں اُن کا پسجتا
جتنے کہ یہ عزیز عزیزوں سے ہیں خفا
شائستگی کا نہر ہے جب سے انھیں چڑھا

اسراف

ایک سُرف نے یہ مُسک سے کہا ”کب تک اے ناداں جیبِ مال و زر
تو جویوں رکھتا ہے دولت جوڑ جوڑ ہے سدا دُنیا ہی میں رہنا لگ رہا؟“

ہنس کے مُسک نے کہا اے سادہ لوح زر لٹانا راہِ گناہ اور اس قدر
آج ہی گویا (نصیبِ دشمنان) آپ کا دُنیا سے ہے عزمِ سفر

پاس نیک نامی

اے نیک نام شکرِ کراں اللہ کا ادا جس نے بنایا نیک تجھے کر کے نیک نام
ہو تا اگر نہ پاس تجھے نامِ نیک کا پھر دیکھتے کہ کرتا ہے تو کیسے نیک کام
حاشا کہ تجھ کو غوثِ خدا کا ہو اس قدر جتنا کہ غوثِ طعنہ و تشنیعِ خاص و عام

غورِ نیک نامی

گئی ہے حد سے گزرِ شیخ کی نگو نامی
گمانِ بد کبھی اُس کی طرف نہیں جاتا
جو اُس کے عیبِ قسم سے بیاں کرے کوئی
خود اُس کو عیب کا اپنے یقین نہیں آتا

کالے اور گورے کی صحت کا ٹیکل امتحان

دو ملازم ایک کالا اور گورا دوسرا
 دوسرا پیدل مگر پہلا سوار راہوار
 تھے سول سرجن کی کوٹھی کی طرف دونوں رواں
 کیونکہ بیماری کی رخصت کے تھے دونوں خواستگار
 راہ میں دونوں کے باہم ہو گئی کچھ ہشت ہشت
 کو کھ میں کالے کی اک مٹکا دیا گورے نے مار
 صدمہ پہنچا جس سے تلی کو بہت مسکین کی
 آکے گھوڑے سے لیا سائیس نے اُس کو اتار

کھوک کر کالے کو گورے نے تو اپنی راہ لی
 چوٹ کے صدمہ سے غش کالے کو آیا چند بار

آخرش کوٹھی پہ پہنچے جا کے دونوں پیش و پس
 ضارب اپنے پاؤں اور مضروب ڈولی میں سوار
 ڈاکٹر نے آکے دونوں کی سنی جب سرگدشت
 تہ کو جا پہنچا سخن کی سن کے قصہ ایک بار

دی سند گورے کو لکھ بھئی جس میں تصدیق مرض
 اور یہ لکھا تھا کہ ”سائل ہے بہت زار و نزار
 یعنی اک کالا جس گورے کے مکتے سے مرے
 کر نہیں سکتا حکومت ہند پر وہ زینہ ر“
 اور کہا کالے سے ”تم کو بل نہیں سکتی سند
 کیونکہ تم معلوم ہوتے ہو بظاہر حبا نزار
 ایک کالا پٹ کے جو گورے سے فوراً منہ جلے
 آئے بابا اُس کی بیماری کا کیونکر اعتبار“

خود ستائی

اے دل! بشروہ کون ہے جو خود ستائیں پر خود ستائیوں کے ہیں عنوان جدا جدا

جو زیورِ خرد سے معزا ہیں سادہ لوح کرتے ہیں خوبیاں وہ بیاں اپنی بر ملا

جو ان سے تیز ہوش ہیں سو سوطح سے ہ
 کتنا ہے ایک کیسی حماقت بڑی ہے آج
 کتنا ہے دوسرا کہ گیا ہو کے منفعل
 پردہ میں زیر کی کے چھپاتا ہے بخل یہ
 پردوں میں کرتے ہیں اسی مضمون کو دا
 کبہل تھا ایک گھر میں سو سائل کو دیدیا
 سائل کی ڈب میں مئے دیا مال جب دکھا
 اور بن کے بیوقوف جتنا تاپ وہ سخا

کچھ اس لئے کہ ہم بھی انہیں پس سے ہونے لگے
کچھ اس لئے کہ اپنا ہوا انصاف آشکار کرتے ہیں اپنی قوم کی تنقیص جا بجا

کتنا ہے ایک - لاکھ نہ مانے بُرا کوئی ہے عیب صاف گوئی کا ہم میں بہت بڑا
کتنا ہے ایک - گڑھے خوشامد کا اور ہی پر چاتے آدمی کو ہیں کہہ کہہ کے ہم بُرا
وہو کا ہنر کا دے کے چھپاتا ہے عیب یہ اور منہ سے دُرو کہہ کے دکھاتا ہے وہ صفا

چُپ چاپ سُن رہا ہے کوئی اپنی خوبیاں یعنی کہ یہ بیان ہے سب راست اور بجا
کتنا ہے اس پہ کوئی کہ سب سُن گئے ہیں اک خاکسار کو جو دیا تم نے یوں بڑھا
قانع ہے وہ انہیں پہ ہوئے وصف جو بیا اور چاہتا ہے یہ کہ ہو تعریف کچھ سوا

کتنا ہے زید عمر وہ شہادت سے سادہ لوح گنتا ہے سب کو نیک وہ - اچھا ہو یا بُرا
کتنا ہے عمرو - زید بھی گنتا ہے عیب میں بد ہو کہ نیک - اس کی زباں سے نہیں بچا
یہ اس کا اور وہ اس کا بیاں کر کے کوئی سب ہر اک ہے اپنی اپنی بڑائی نکالتا

غیبت - اُمید ہے کہ نہ ہوتی جہاں میں ہوتا اگر یہ خاک کا پتلا نہ خود ستا
حالی جو پترے کھول رہے ہیں جہاں کے شاید کہ اس سے آپ کا ہو گا یہ مدعا
یعنی کہ لاکھ پردوں میں کوئی چھپائے عیب اپنی نظر سے رہ نہیں سکتا کبھی چھپا

انقصہ جس کو دیکھے جاہل ہو یا حکیم
آزار میں خودی کے ہے بیچارہ مبتلا

حملہ نفس

ہم سمجھتے تھے کہ نفس دوں ہمارے بس میں ہے
مگر کبھی حملہ یہ اُس کے غالب آجاتے تھے ہم
پر جو دیکھا غور سے وہ بھبکیاں تھیں نفس کی
جن کو نادانی سے حملے اُس کے ٹھہراتے تھے ہم
جب کیا حملہ دئے سب عقل نے ہتھیار ڈال
زور بازو پر ہمیشہ جس کے اتراتے تھے ہم

جس قوم میں افلاس ہو اُس میں بخل اتنا
بد نما نہیں جتنا اسراف

حالی سے کہا ہم نے کہ ہے اس کا سبب کیا جب کرتے ہو کم کرتے ہو سرف کی نڈت
لیکن بخلان آپ کے سب اگلے سخنور جب کرتے تھے کرتے تھے بخیلوں کو طامت
اسراف بھی مذہوم ہے پر بخل سے کمتر ہے جس سے کہ انسان کو بالطبع عداوت

حالی نے کہا روم کے نہ پچھو سبب اس کا یاروں کے لئے ہے یہ بیاں موجبِ ثقت

کرتے تھے نخیلوں کو ملامت سلف اُس وقت جب قوم میں افراط سے تھی دولت و ثروت
 وہ جانتے تھے قوم ہو جس وقت تو انگر پھر اُس میں نہیں نخل سے بدتر کوئی نصلت
 اور اب کہ نہ دولت ہے نہ ثروت ہے ناقابل گھر گھر یہ ہے چھایا ہوا افلاس و فلاکت
 ترغیب سخاوت کی ہے اب قوم کو ایسی
 پرواز کی ہو چیونٹیوں کو جیسے ہدایت

رُوسائے عہد کی فیاضی

کی رئیس شہر کی تعریف یاروں نے بہت
 برسبیل تذکرہ باہم جو ذکر اُس کا چلا
 بولے ”آج اُس کا نہیں مہماں نوازی میں نظیر
 عالمان شہر مدعو اُس کے رہتے ہیں سدا
 ضلع کے حکام کا ادب لے اسٹارہ چلے گئے
 پھر کوئی دیکھے سخاوت اُس کی اور بدل و عطا
 یادگاریں جتنی ہیں اعیان دولت کی بنیں
 اُن میں صرف اس کی رقم ہے سب کے چندے سے
 پالکی یا ویگنٹ ہے جو سواری اُس کے پاس
 اہلکاروں کے لئے ہے وقف ہے بے چون و چرا
 کیا کلکٹر کیا کنشٹر کیا سپاہی کیا عس

اُس کی ہمت کے ہیں سب تاج بے رُو و ریا

جب یہ دیکھا مدح کا دست نہیں ہوتا تمام
 جوڑ کر ہاتھ۔ اُن سے حالی نے ہمدست کہا
 ”عیب بھی اُس کا کوئی آخر کرو یا رو بیاں
 سُنتے سُنتے خوبیاں جی اپنا اٹلانے لگا“

ایمان کی تعریف

فقیر شہر نے ایمان کی جو کی تعریف تو دی چراغ سے اُس کو بہ آگے تاب مثال
 کہا ”فتیلہ اقرار باللساں ہے ضرور جہاں ہوا آتش تصدیق و رغن اعمال“
 کہا کسی نے کہ نکلا ہے ان دنوں اکیٹل نہیں ضرور فتیلہ کا جس میں استعمال

برکت الفاق

کہہ رہا تھا یہ اک آزاد کہ سہجی ہیں ہلاہل دولت و بخت ہے جہاں میں اُن کے ہلہ
 نہ انھیں حاجت اعوان نہ تلاش انفار نہ انھیں غوث بلانیش نہ ہم بدخواہ
 پر نہیں رابطہ جس قوم میں اور نہ کجستی اُس کی دنیا سے یہ سمجھو کہ گئی عزت مجاہ
 نہ یعنی کرو میں آمل جو بغیر بستی کے بھی جل سکتا ہے۔ گویا عجیب کے نزدیک استعار

باللسان ایمان کی تعریف میں داخل نہیں سہتہ۔ ۱۲

نہ ملاؤ ان کے لئے قلعہ نہ خندق نہ فہیل نہ مفید ان کے لئے فوج نہ لشکر نہ سپاہ

ایک ملائے سنا جب یہ سخن - فرمایا
تنگیہ اور اس قدر اسباب پکڑنا ہے گناہ
اتفاق اور اتفاق اہل میں کچھ چیز نہیں
دست قدرت کے ہے سب ہاتھ مفید اور سیاہ
وہ نہ نکت کی ضرورت ہے - کچھ پھوٹ کا
پڑ گئی فضل کی مولا کے جہر ایک نگاہ

کہا آزاد نے سچ ہے کہ وہ لے ساتھ اگر
کریں افراد پر آگندہ جماعت کو تباہ
پر مجھے خوب ہے اللہ کی عادت معلوم
اُس کو جب دیکھا ہے دیکھا ہے تقبول کے تبار

بُعدِ صوری مائع قُربِ معنوی نہیں ہے

حالی نے جو رہنے کے لئے شہر میں اک گھر
جا اپنے محلہ سے کہیں دور بنایا
جب اہل محلہ سے چلا ہو کے وہ رخصت
دل درجہ دائی سے عزیزوں کا بھرا آیا
ہمسایہ و احباب لگے کرنے سب انوس
اک دوست شکایت سے سخن لب پہ یہ لایا
”بتی۔ کہ جو بے عقل ہے دم دیتی ہے گھر پر
اتنی بھی محبت تھیں گھر سے نہیں آیا“

حالی نے کہا ”اُس ہے چیز اور دُنا اور
 بلی نے مزاحیل کا دُنا کے نہیں پایا
 اُس مہر و وفا کی نہیں بلی پہ پڑی چھینٹ
 کتے نے ہے جس کا کہ سبق ہم کو پڑھایا
 ہم غش ہیں مکیں پہ وہ عاشق ہے مکاں کی
 گھر بھول گئے ہم تو نہیں تم کو بھُلا یا
 گھر دل میں ہو یاروں کا تو پھر گھر ہے برابر
 مشرق میں بنایا ہو کہ مغرب میں بسایا“

ناصر مخلص اور اہل غرض میں تمیز

منصور نے یہ جعفر صادقؑ سے عرض کی ”محتاج ہے ہمیشہ سے ناصر کا ہر بشر
 کرتے رہیں گر آپ کرم مجھ پہ گاہ گاہ
 فرمایا ”ہوتے ہیں تری صحبت میں جو شریک
 لائیں گے وہ نہ حرفِ نصیحت زبان پر
 اور جن سے ہے اُمید نصیحت وہ بالیقین
 صحبت میں بیٹھنے سے کریں گے تری خُذ“

خادم آقا کی خدمت میں کیوں گستاخ ہو جاتے ہیں

کہتے ہیں خدام ماموں کے بہت گستاخ تھے
 ایک دن خادم کی گستاخی پہ ماموں نے کہا

’کوئی آقا جبکہ خوش اخلاق ہوتا ہے بہت
بیش خدمت اُس کے بد اخلاق ہوتے ہیں سدا“

پر جو بچ پوچھو تو ہونا خادموں کا شوخ چشم
ہے دلیل اِس کی کہ ہے خود خلق آقا کا بُرا
کھو دیا ہدیت کو اپنی جس نے اور مکین کو
اُس نے گویا ڈھا دیا رُکنِ رکین اخلاق کا

خوشامد کرنے کی ضرورت

مُتَوَكِّل کا تیر چڑیا پر ہو گیا اتفاق سے جو خطا
ابنِ حمدوں ندیم تھا حاضر کی خلیفہ کی مدح اور یہ کہا
’جن کو خلق خدا پہ شفقت ہے خوں بہانا نہیں وہ رکھتے روا
جانہ سکتی تھی بچ کے تیر سے وہ تو نے دی تھدا اُس کی جان بچا

ابنِ حمدوں نے کی یہ دانائی کہ خوشامد سے یوں اُسے تھپکا
دور تھا اور نہ کیا خلیفہ سے جو کے اپنی خطا سے بھینا نا
جائے کُنْشک ابنِ حمدوں پر تیر کا اپنے امتحان کرتا
ابنِ حمدوں کی جان گوجاتی دل تو ہوتا خلیفہ کا ٹھنڈا

رعیت پر ناپاہل کو مسلط کرنا

ہارون نے کہا۔ مصر لگا ہاتھ جب اُس کے
 وہ تختہ لمعوں نکھایا جس کی بدولت
 میں بھی اُسے اُس باغی طاغی کے علی الرغم
 کہتے ہیں خصیب ایک غلام حبشی تھا
 کی سلطنت مصر کی باگ اُس کے حوالے
 باڑی گئی یہ ایک برس نیل کی زوئیں
 فرمایا کہ ”روئی کی جگہ بوتے اگر اُون
 ”فرعون کا تھا مصر ہی نے مغر جھلایا
 تھا دل میں خدائی کا خیال اُس کے سہایا
 اک بندہ بے قدر کو بخشوں گا خدایا“
 جس پر نہ پڑا تھا خرد و ہوش کا سایا
 ناپاہل کے پنجہ میں اہالی کو پھنسا یا
 یہ حادثہ آ۔ اُس کو کسانوں نے سنایا
 ہوتا نہ یہ نقصان کہ جو تم نے اٹھایا“

ہارون نے نہ سمجھا کہ ولایت ہے خدا کی
 فرعون کی مانند اگر وہ بھی سمجھتا
 جو کھوں میں نہ یوں ڈالتا مخلوق کو اپنی
 اک سفلہ ناکس کی بنا اُس کو رعایا
 محکوم ہے جو میری رعایا و برایا
 اپنے کو خدا جس نے ہے عالم کو بنایا

رشک

فلا ہر مردوں کی طینت میں نہیں رشک اس قدر
 ہے طبیعت میں وہ جتنا عورتوں کی جاگزین

ایک شہزادی۔ کہ اگلو تو تھی جو ماں باپ کی
 تخت شاہی پر ہوئی بعد از پر مسند نشین
 سلطنت میں اُس کی تھا مردوں کو کُلّی اختیار
 عورتیں اصلاً دخیل اُس کی حکومت میں نہ تھیں
 مرد ہی تھے اُس کے محرم مرد ہی اُس کے مشیر
 تھا نہ عورت کا پتہ دربار میں اُس کے کہیں
 تخلیہ میں ایک دن جب چند حاضر تھے ندیم
 ہنس کے فرمایا کہ ”اے دولت کے ارکانِ رکیں
 مرد ہونے کے سبب تم سے نہیں مانوس میں
 بلکہ ہے اُنس اس لئے تم سے کہ تم عورت نہیں“
 بات کی حُسن بیاں سے اُس نے دی صورت بدل
 تاکہ کوئی سو وطن اُس پر نہ کر بیٹھے کہیں
 ورنہ یوں کہتی کہ ہے عورت کی سیرت سے مجھے
 اس لئے نفرت کہ ہے مردوں کی صورت دلنشین

قانون

کہتے ہیں ہر فردِ انساں پر ہے فرض ماننا قانون کا بعد از خدا
 پر جو سچ پوچھو۔ نہیں قانون میں جان کچھ مگر ہی کے جالے سے سوا

اُس میں پھنس جاتے ہیں جو کمزور ہیں اور ہلا سکتے نہیں کچھ دست و پا
 پر اُسے دیتے ہیں تو ٹراک آن میں جو سکت رکھتے ہیں ہاتھوں میں ذرا
 حق میں کمزوروں کے ہے قانون وہ
 اور نظر میں زور مندوں کی ہے لا
 LAW

شادی قبل از وقت بلوغ

جب تک نہ شاہزادہ اٹھارہ سال کا ہو تختِ پدر پہ اُس کو ممنوع ہے بٹھانا
 قانون ہے بنایا یہ اُن مقننوں نے عالم میں آجکل جو مانے ہوئے ہیں دانا
 لیکن کریں نہ اُس کی قبل از بلوغ شادی کہتے ہیں وہ عبث ہے قانون یہ بنایا
 نزدیک اُن کے گویا برزخِ عقل و دانش ہے کنگڈم سے آساں میڈم کو بس میں لانا

حرص

اشنائے وعظ میں ہے تکیہ کلام واعظ ”قدرِ قلیل ہے سب مال و منال دُنیا“
 گویا کہ حرص اُس کی اس سے بھٹی نہیں ہے ہے جس قدر فراہم پاس اُس کے مال دُنیا

امرا اور عتلا

جاتے ہیں اگر پاس امیروں کے خرمند وہ جانتے ہیں جو کہ ہے جانے کی ضرورت
 پر اپنی ضرورت سے خبردار نہیں ہیں ملتے عقلا سے نہیں جو صاحبِ ثروت

بیمار کے محتاج ہیں جتنے کہ اطبّا بیمار کو کچھ اس سے سوا اُن کی ہے حاجت

عصمت بی بی از بے چادری

اے بینواؤ! ہنستے ہو کیا منعموں پر تم اخلاق میں کچھ اُن کے اگر آگیا بگاڑ
تم زرد سے نفس کی چھوٹی تاک بچے ہوئے ہر وجہ تک کہ پکڑے ہوئے مفلسی کی آڑ
اسباب جو کہ جمع ہیں منعم کے گرد و پیش گر تم کو ہوں نصیب تو دنیا کو دو اُجاڑ

سچ کہاں ہے

دیکھنے ہوں تھیں گر جھوٹ کے انبار لگے
دیکھ لو جا کے خزانوں میں کتب خانوں کے
سچ کو تحریروں میں پاؤ گے نہ تقریروں میں
سچ کہیں ہے تو وہ سینوں میں ہے انسانوں کے

اپنا الزام دوسروں پر تھوپنا

ٹھوٹ کارِ گیر سے جب کوئی بگڑ جاتا ہے کام
اپنے اوزاروں کو وہ الزام دیتا ہے سدا
افسروں کا بھی ہی شیوہ ہے وقتِ باز پرس
اپنے ماتحتوں کے سر دیتے ہیں تھوپ اپنی خطا

خوشامد کے معنی

خوشامد کرتے ہیں آپ کے جو لوگ تمھاری ہر دم آسے اربابِ دولت
خوشامد پر نہ اُن کی بھولنا تم وہ گویا تم کو کرتے ہیں ملامت
کہ جو ہم نے بیاں کیں خصلتیں نیک نہیں اُن میں سے تم میں ایک خصلت

تدبیر قیامِ سلطنت

تدبیر یہ کہتی تھی کہ جو ملک ہو مفتوح وہاں پانوں جہانے کے لئے تفرقہ ڈالو
اور عقلِ خلافت اُس کے تھی یہ شورہ دیتی یہ حرفِ بُک بھول کے مُنہ سے نہ نکالو
پر راسے نے فرمایا کہ ”جو کہتی ہے تدبیر مانو اُسے اور عقل کا کہنا بھی نہ ٹالو
کرنے کے ہیں جو کام وہ کرتے رہو لیکن جو بات بُک ہو اُسے مُنہ سے نہ نکالو

مرد اور عورت کی حکومت کا فرق

پوچھا کسی داناسے سبب کیا ہے کہ اکثر مردوں کی حکومت میں ہے ملکوں کی بُری گت
لیکن بخلاف اُس کے ہے عورت کا جہاں راج وال ملک ہے سرسبز اور آباد رعیت؟
فرمایا کہ ”ہوتے ہیں جہاں مرد جہاندار قبضہ میں ہے وہاں عورتوں کے دولت و کثرت
اور سر یہ ہے عورت کے جہاں افسر شاہی
سمجھو کہ ہے اُس ملک میں مردوں کی حکومت

مغرور کی پہچان

مغرور زید کی کرتا ہے گرشکایت عمرو تو سمجھو کرتا ہے اپنے مغرور کا اقرار
جھوٹوں نے آپ کو سب سے سمجھ لیا ہے بڑا بڑائی دیکھ نہیں سکتے غیر کی زہار

کام اچھا کرنا چاہئے نہ جلد

کام اچھا کوئی بن آیا اگر انسان سے اُس میں کی تاخیر اُس نے جس قدر اچھا کیا
کب کیا کیونکر کیا۔ یہ پوچھتا کوئی نہیں بلکہ ہیں یہ دیکھتے جو کچھ کیا کیسا کیا؟

گدا کے مبہم

ایک برہمن مورتی کے سامنے باصدنیاز
مانگتا تھا ہاتھ پھیلائے دعا بیٹھا کہیں
اُن نکلا بانوا اک مانگتا تھا اُدھر
دیکھ محویت برہمن کی گیا بس جسم وہیں
جی میں آیا چھڑ کر قائل برہمن کو کرے
تاکہ پوجے کچھ نہ کچھ یاروں کو ہو کر شریکیں
مورتی کے سامنے جب کر چکا وہ التجبا
بانوا بولا کہ ہے ”تو بھی عجب کوتاہ میں

مورتی کچھ تجھ کو دے گی اور نہ دے سکتی ہے وہ
 ناحق اتنی التجائیں اُس کے آگے تو نے کیں
 ہنس کے برہم نے کہا ”ہے مانگنا بندہ کا کام
 دے نہ دے وہ اس سے کچھ طلب نہیں اپنےئیں
 ہم نہیں دیتے ڈھٹی تم جیسے ڈھٹیوں کی طرح
 ہاتھ پھیلاتے ہیں لیکن پانوں پھیلاتے نہیں

بے اعتدالی

تم آئے خود پرستو طبیعت کے بندو
 نہیں کام کا تم کو اندازہ ہرگز
 جو گانے بجانے پہ آئی طبیعت
 جو مجھڑے میں بیٹھو تو اٹھو نہ جب تک
 اگر پل پڑے چو سراور گنہگار
 پڑا مرغ بازی کا لپکا تو جانو
 جڑھا بھوت عشق و جوانی کا سر پر
 جو ہے تم کو کھانے کا چکا تو سمجھو
 جو پیئے پہ آؤ تو پی جاؤ اتنی
 جو کھانا تو جھجھو پینا تو آٹ گٹ
 ذرا وصف اپنے سُنو کان دھر کے
 جدھر ڈھل گئے ہو رہے بس اُدھر کے
 تو چنچ اٹھے دو دن میں ہسائے گھر کے
 کہ اٹھ جائیں ساتھی سب ایک ایک کر کے
 تو فرصت ملے شاید اب تم کو مر کے
 کہ بس ٹھن گئے عزم جنگِ تتر کے
 تو پھر گھاٹ کے آپ ہیں اور نگہ کے
 کہ چھوڑیں گے اب آپ دوزخ کو بھر کے
 رہیں پانوں کے ہوش جس میں نہر کے
 غرض یہ کہ سرکار ہیں پٹیٹ بھر کے

۱۱ یعنی پیٹ بھر کے احمق - احمق کا لفظ اکثر اس مقام پر حذف کر دیتے ہیں گویا مخاطب
 کے سوا کسی پر اس کی حاقت ظاہر کرنا نہیں چاہتے - ۱۲

طیب اپنے بیماروں کے مرنے پر مغموم کیوں نہیں ہوتے

بشر کے صدر سے ہوتا ہے ہر بشر کو ملال کہ ایک جڑکی ہیں سب ٹہنیاں صفار و کبار
یہ صدر مگر غلطی سے کسی کی پڑتا ہے تو اور بھی اُسے دیتا ہے انفعال فشار
یہی سبب ہے کہ ہوتے نہیں طیب بول جو چل بسے کوئی اُن کے علاج میں بیمار
وہ جانتے ہیں کہ بکھپ جائیگی خطا ہم پر کیا ملال کا اپنے گراس جگہ انظار

اپنی ایک ایک خوبی کو بار بار تپا ہر کرنا

گو آدمی کا حافظہ کیسا ہی ہو قوی پر بھول چوک ہے بشریت کا مقتضا
ہوتا ہے اُس سے کار نمایاں کوئی اگر کرتا ہے بار بار بیاں اُس کو بر ملا
یہ تو وہ بھولتا نہیں ہر گز کہ چاہئے ہر بار اپنی مدح کا پیرا یہ اک جدا
پر اتفاق سے نہیں رہتا یہ اُس کو یاد یاروں سے میں بیان ابھی کر چکا ہوں کیا
بھولے نہ اپنی یاد پہ انسان کو چاہئے آخر بشر کا خاصہ ہے سہوا اور خطا

عقل اور نفس کی گفتگو

نفس کو عقل نے چاہا کہ کرے غوار و زبوں اپنے دعوؤں پہ بیاں کر کے ذیل دُبر ہاں
مغلوب ۱۲

کہا اے نفس نہیں تجھ میں مال اندیشی
 ہے غنیمت تجھے وہ رات کی دم بھر کی خوشی
 سود سے کچھ تجھے رغبت نہ زیاں سے پرہیز
 نہیں غفلت میں تجھے دین نہ دنیا کی خبر
 نہ جوانی میں تجھے صبر نہ پیری میں شکیب
 کہیں جائے نہ بھٹک منزل مقصود سے تو
 ہاتھ دھو لذت فانی سے نہیں گر منظور
 نفس نے عقل سے کی عرض کہ اے خضر طریق
 پر نہیں حکم ترا کوئی عمل کے متاثر
 نقد کو چھوڑ نا اور نہ سہ کی رکھنی امید
 ہے یہ ایک ایک مری لذت فانی وہ بلا
 ایک اب بھوکے سے کہتا ہے کہ اے فاطمہ
 کیونکہ امید پہ اک ماندہ نعمت کی
 عقل نے سن کے کہا خوف ہے تجھ سے نفرت
 حق کے پیرا یہ میں ہوتا نہیں باطل سرسبز
 جاں بلب بھوک سے ہو گرسدہ بالقرض اگر
 نہ کہیں بھوک میں کھا بیٹھو یہ لقمہ نقد
 اس کے کھانے میں نہیں جاں کی خیرانے ناواں

فضول خرچی کا انجام

سرے پر راہ کے بیٹھا تھا اک گلائے ظریف جہاں سے ہو کے گزرتے تھے سب صغیر و کبیر
 ہر اک سے ایک درم مانگتا تھا بے کم و بیش سخی ہو اس میں کہ مُسک غریب ہو کا میر
 فضول خرچ تھا بستی میں ایک دہندہ کہ جس کا تھا کوئی اسراف میں نہ شبہ و ظہیر
 ہوا جو ایک دن اس راہ سے گزرا اس کا درم اک اُس نے بھی چاہا کہ کیجے نذر فقیر
 کہا فقیر نے نہ گو اپنی یہ نہیں عادت کہ لیں درم سے زیادہ کسی سے ایک شعیر
 پہ لوں گا آپ سے میں بائج کم سے کم دینار کہ دولت آپ کی پاتا ہوں میں زوال پذیر
 یہی اٹے تلے رہے تو آپ کو بھی ہماری طرح سے ہوناہے ایک روز فقیر
 سو وقت ہے ہی لینے کا خود بدولت سے
 دکھائے دیکھئے پھر اس کے بعد کیا تقدیر

اختلاف مذاہب رفع نہیں ہو سکتا

غیر ممکن ہے کہ اُٹھ جائے دلیل و بحث سے
 جو چلا آتا ہے باہم اہل مذہب میں خلافت
 ہو نہیں سکتا مطابق جبکہ دو گھڑیوں کا وقت
 رفع ہو سکتے ہیں پھر کیونکر ہزاروں اختلاف

انسان جو اشرف المخلوقات ہے سب سے زیادہ موردِ آفات ہے

دل پہ جو کیفیتیں ہیں ناگوار دو ہیں اُن میں سے نہایت جانگزا
ایک فکر اُس آنے والے وقت کی شک نہیں ہے جس کے گنہ میں ذرا
دوسرے چوٹیں زبانِ خسلق کی زخم جن کا زخم ہے تلوار کا
اور بھی حیوانِ ناطق کے لئے ہیں بہت سی زحمتیں اِن کے دوا
پر گھرے اور اور حیوانات سب رہتے ہیں دور۔ اِن گزندوں سے سدا
کیسا اِن آلام سے رہتا پُنجنت
اشرف المخلوق اگر ہو تا گدھا

چنڈ و بازی کا انجام

ایک متوالے سے چنڈو کے وہ تھا ہوش میں جب
پوچھا ناصح نے کہ ”اس کام کا آخر انجام
بولا انجام وہی جو کہ ہے سب کو معلوم
زندگانی کو وداع اور جوانی کو سلام
آنکھ میں اپنے پرائے کے ٹھہرنا بے قدر
شہر کے کوچہ و بازار میں رہنا بدنام

جس سے عقبی ہو درست ایسا نہ ہونا کوئی بیج
 جس سے دنیا میں ہو نام ایسا نہ کرنا کوئی کام
 ہم یہ آئینہ ہے جو حال ہے ہونا اپنا
 نفس سرکش کے مگر ہاتھ میں ہے اپنی زمام

کہا ناصح نے کہ ”انجام ہو معلوم اگر
 لے نہ اس زہر ہلاہل کا کوئی بھول کے نام
 یہ تو کہتے ہو کہ انجام بُرا ہے - لیکن
 یہ بتاؤ کہ بُرا ہوتا ہے کیسا انجام؟
 بُرے انجام کی تب ہوگی حقیقت روشن
 بُرے انجام سے جب آگے بڑے گا خود کام
 مرنے والے ہی کو ہے موت کی لذت معلوم
 گو کہ رکھتے ہیں یقین موت کا سب پختہ و خام

قوم کی پاسداری

اک مسلمان خاص انگریزوں پر تھاپوں نکتہ چیں
 ”پاس ان لوگوں کو اپنی قوم کا ہے کس قدر

چاہتے ہیں نفع پہنچے اپنے اہل ملک کو
 مگو کہ اُن کے نفع میں ہو ایک عالم کا ضرر
 کارخانہ کا یہ راجس کے کبھی چاکو نہ لیں
 اُس کا ہو بے چارہ ہندی بیچنے والا اگر
 خوردنی چیزیں جو یاں سے لینی پڑتی ہیں انھیں
 اُن کو لندن سے منگائیں بس چلے ان کا اگر
 الغرض اہل وطن کی پاسداری کو یہ لوگ
 جانتے ہیں دین وایماں اپنا۔ قصہ مختصر

سن کے حالی نے کہا ”ہے ہر انگریزوں پر کیا
 ایک سے ہے ایک قوم اس عیب میں آلودہ تر
 ہیں محبت میں سب اندھے اپنی اپنی قوم کے
 یہ وہ خصلت ہے کہ محبُول اس پر ہے طبع بشر
 لکھیاں جیتی نگل جاتے ہیں پاس قوم میں
 اچھے اچھے راستباز اور حق پسند اور دادگر
 ہاں بری اس عیب سے لے دے کہ اس دُنیا میں ہے
 چشم بد دور اُمت مرحوم اے حبان پدر

اور قوموں سے انھیں لوگوں کو ہے یہ امتیاز
 حملہ جب کرتے ہیں یہ کرتے ہیں اپنی فوج پر
 ہو گا خوف ایسا نہ دشمن سے کسی دشمن کو یاں
 جس قدر ہے۔ ان سے اپنوں اور یگانوں کو خطر

برکھارت

مرتبہ ۱۲، ۱۸ء

گر می کی تپش بھانے والی	سردی کا پیام لانے والی
قدرت کے عجائبات کی کان	عارف کے لئے کتاب عرفان
وہ شاخ و درخت کی جوانی	وہ مور و کلخ کی زندگانی
وہ سارے برس کی جان برسات	وہ کون خدا کی شان برسات
آئی ہے بہت دعاؤں کے بعد	اور سبکڑوں التجاؤں کے بعد
وہ آئی تو آئی جان میں جان	سب تھے کوئی دن کے در نہ ہمان
گر می سے تڑپ رہے تھے جاندار	اور دھوپ میں تپ رہے تھے کسار
بھویل سے سوا تھا ریگ صحرا	اور کھول رہا تھا آب دریا
تھی لوٹ سی پڑ رہی چمن میں	اور آگ سی لگ رہی تھی بن میں
سانڈے تھے بلوں میں منہ پھپھپائے	اور ہانپ رہے تھے چار پائے

تھیں لومڑیاں زباں نکالے
 چیتوں کو نہ تھی شکار کی سُدھ
 تھے شیر رُپے کچھاڑیں سُست
 ڈھوروں کا ہوا تھا حال پیتلا
 بھینسوں کے لمونہ تھا بدن میں
 گھوڑوں کا پُٹھا تھا گھاس دانہ
 گرمی کا لگا ہوا تھا بھسکا
 طوفان تھے آندھیوں کے برپا
 آ رہے تھے بدن پہ لوہے کے چلتے
 تھی آگ کا دے رہی ہو کام
 رستوں میں سوار اور بدل
 گھوڑوں کے نہ آگے اُٹھتے تھے پاؤں
 تھی سب کی نگاہ سوئے افلاک
 پنکھے سے نکلتی جو ہوا تھی
 بجھتی نہ تھی آتشِ درونی
 سات اٹھ بجے سے دن چھپے تاک
 ٹپٹی میں تھا دن گنوا تا کوئی
 بازار پڑے تھے سارے سنان
 اور لوہے سے ہرن ہوئے تھے کالے
 ہرنوں کو نہ تھی قُطار کی سُدھ
 گھڑیاں تھے رو دو بار میں سُست
 بیلوں نے دیا تھا ڈال گستاخا
 اور دودھ نہ تھا گلو کے تھن میں
 تھا پیاس کا آن پہ تازیانہ
 اور آنس نکل رہا تھا سب کا
 اُٹھتا تھا بگولے پر بگولا
 شعلے تھے زمین سے نکلتے
 تھا آگ کا نام مُفت بدنام
 سب دھوپ کے ہاتھ سے تھے بیکل
 مٹی تھی کہیں جو روکھ کی چھانوں
 پانی کی جگہ برستی تھی خاک
 وہ بادِ سموم سے سوا تھی
 لگتی تھی ہوا سے آگِ دونی
 جانداروں پہ دھوپ کی تھی دنگ
 نہ خانے میں نہ پھیلتا کوئی
 آتی تھی نظر نہ شکل انسان

چلتی تھی دکان چن کی دن رات
 خلقت کا ہجوم کچھ اگر تھا
 تھا شہر میں فحط آدمی زاد
 پانی سے بھی سب کی زندگانی
 تھیں برف پہ نیتیں لپکتی
 پھل پھول کی دیکھ کر طراوٹ
 کنجڑوں کی وہ بولیاں سُہانی
 تھے جو خفتانی اور مرقی
 کھانے کا نہ تھا اُنہیں مزاکچہ
 بن کھائے کئی کئی دن اکشر
 شب کلتی تھی ایڑیاں رگڑتے
 اور صبح سے شام تک برابر
 بچوں کا ہوا تھا حال بے حال
 آنکھوں میں تھا اُن کا پیاس سے دم
 ہر بار پیکارتے تھے ماں کو
 پانی دیا گر کسی نے لا کر
 لے لاہور میں جہاں یہ قنوی لکھی گئی ایک سلطان کا کنواں مشہور ہے جس کا پانی
 نہایت ٹھنڈا ہوتا ہے اور گرمی کے موسم میں وہاں آدمیوں کا نہایت ہجوم رہتا ہے۔

بیٹھے تھے وہ بات پردھرے ہاتھ
 یا پساؤ یا سبیل پر تھا
 سلطان کا ایک کنواں تھا آباد
 میلا تھا وہیں جہاں تھا پانی
 فالو دے پہ رال تھی ٹپکتی
 پاتے تھے دل و جگر طراوٹ
 بھر آتا تھا سُن کے مُنہ میں پانی
 گرمی سے نہ تھا کچھ اُن میں باقی
 آٹھ آٹھ ہنسر نہ تھی غذا کچھ
 رہتے تھے فقط ٹھنڈائیوں پر
 مرپیٹ کے صبح تھے پکڑتے
 تھا العطش العطش زباں پر
 کھلائے ہوئے تھے پھول سے گال
 تھے پانی کو دیکھ کرتے مم مم
 ہونٹوں پہ تھے پھیرتے زباں کو
 پھر چھوڑتے تھے نہ مُنہ لگا کر

بچے ہی نہ پیاس سے تھے مضطر
 شخص تھی کچھ نہ میسری تیری
 پانی سے نہ تھی کسی کو سیری
 پر رات سے ہی سماں ہے کچھ اور
 پچھوا سے خدائی پھر رہی ہے
 اک شور ہے آسماں پہ برپا
 اور پیچھے ہیں دل کے دل ہوا کے
 گورے ہیں کیس کیس ہیں کالے
 ایک آتی ہے فوج ایک جاتی
 ہمراہ ہیں لاکھوں توپ خانے
 چھاتی ہے زمین کی دہلتی
 گرمی کا ڈبہ دیا ہے بیڑا
 آنکھوں میں ہے روشنی سی آتی
 جنت کی ہوائیں آرہی ہیں
 قدرت ہے نظر خدا کی آتی
 اور دھوپ نے تم کیا ہے بستر
 کھیتوں کو ملا ہے سبز خلعت
 ہے چار طرف برس رہا نور
 اٹکل سے ہیں راہ چلتے راہوار
 بچے ہی نہ پیاس سے تھے مضطر
 شخص تھی کچھ نہ میسری تیری
 کل شام تک تو تھے یہی طور
 پردا کی ڈہائی پھر رہی ہے
 برسات کا بج رہا ہے ڈنکا
 ہے ابر کی فوج آگے آگے
 ہیں رنگ برنگ کے رسالے
 ہے چرخ پہ چھاؤنی سی چھاتی
 جاتے ہیں ٹھم پہ کوئی جانے
 توپوں کی ہے جب کہ باڑھ چلتی
 مینہ کا ہے زمین پر دیڑیڑا
 بجلی ہے کبھی جو کو نہ جاتی
 گھنگھور گھٹائیں چھا رہی ہیں
 کوسوں ہے جدھر نگاہ جاتی
 سورج نے نقاب لی ہے منہ پر
 باغوں نے کیا ہے غسلِ صحت
 سبزہ سے ہے کوہِ ودرشت معمور
 بیٹیا ہے نہ ہے سڑک نمودار

ہے سنگ و شجر کی ایک وردی
 پھولوں سے پٹے ہوئے ہیں کُसार
 پانی سے بھرے ہوئے ہیں جل تھل
 کرتے ہیں پیسے پیسہ پیسہ
 کوئل کی ہے کوک جی لُجھاتی
 مینڈک جو ہیں بولنے پہ آتے
 سب خوانِ کرم سے حق کے ہیں سیر
 زردار ہیں اپنے مال میں مست
 ابراہیم ہے گھر کے آسماں پر
 مسجد میں ہیں وردِ اہل تقویٰ
 مندر میں ہے ہر کوئی یہ کستا
 کرتے ہیں گرو گرو کر نتھی
 جاتا ہے کوئی ملار گاتا
 بھنگی ہیں نشہ میں گاتے پھرتے
 سرون کوئی گارہا ہے بیٹھا
 رکشک جو بڑے ہیں جہنم کے
 کرتے ہیں دہیوں جیوں کی رکھیا
 عالم ہے تمام لاجوردی
 دولہا سے بنے ہوئے ہیں اشجار
 ہے گونج رہا تمام جنگل
 اور مور چنگھارتے ہیں ہر سو
 گویا کہ ہے دل میں بیٹھی جاتی
 سنسار کو سر پہ ہیں اٹھاتے
 پانی میں مگر، کچھار میں شیر
 قلائع ہیں اپنی کھال میں مست
 کلمے ہیں خوشی کے ہر زباں پر
 يَا رَبِّ لَنَا وَلَا عَلَيْنَا
 کرپا ہوئی تیری میگد راجا
 گاتے ہیں بھجن کبیر پنتھی
 ہے دیس میں کوئی انگناتا
 اور بانسریاں بجاتے پھرتے
 چھیڑا ہے کسی نے ہیرا نہجھا
 ڈھکنے ہیں دیوں پہ ڈھکنے پھرتے
 تاجل نہ بجھے کوئی پستنگا

ہیں شکر گزار تیرے برسات
 دُنیا میں بہت تھی چاہ تیری
 تجھ سے ہے کھلا یہ رازِ قدرت
 شکر یہ فیضِ عام تیرا
 گلشن کو دیا جمال تو نے
 طاؤس کو ناچنا بتایا
 جب مور ہے ناچنے پہ آتا
 کوئل کو نہیں تدار اک پل
 شب بھر میں ہوا سماں دگرگوں
 سوئے تو اسارِ طہ کا عمل تھا
 لاہور میں شب ہوئی تھی لیکن
 امرت سا ہوا میں بھر دیا کچھ
 دریا تجھ بن سسماک رہے تھے
 دریاؤں میں تو نے ڈال دی جان
 جن جھیلوں میں کل تھی خاک اُڑتی
 جو دانے تھے خاک میں پریشان
 دولت جو زمین میں تھی مخفی
 پڑتے تھے ڈلاؤ جس زمیں پر
 انسان سے لے کے تاجِ دادات
 سب دیکھ رہے تھے راہ تیری
 راحت ملتی ہے بعدِ کلفت
 پیشانی دھر رہے لکھا
 کھیتی کو کیا نساں تو نے
 کوئل کو آلا پنا سکھایا
 آپے سے ہے اپنے گزرا جانا
 ایسی کوئی تو نے کوک دی کل
 کیا بڑھ دیا آکے تو نے انوں
 اُٹھے تو سماں ہے ماہ کا سا
 کشمیر میں پہنچے جب ہوا دن
 اک رات میں کچھ سے کر دیا کچھ
 اور بن تیری راہ تک رہے تھے
 اور تجھ سے بنوں کو لگ گئی شان
 ملتی نہیں آج تھساہ اُن کی
 سب آکے چڑھائے تو نے پروان
 آگے ترے اُس نے سب اگل دی
 وہاں سبزہ وگل ہیں جلوہ گستر

جن بودوں کو کل تھے ڈھور چرتے
جن باغوں میں اڑتے تھے بگولے
باتیں ہیں وہ آسماں سے کرتے
تھے ریت کے جس زمیں پہ انبار
وہاں سیکڑوں اب پڑے ہیں جھولے
ہے بیر بہٹیوں سے گلزار

کھم باغوں میں جا بجا گڑے ہیں
کچھ لڑکیاں بالیاں ہیں کم سن
جن کے ہیں یہ کھیل کود کے دن
ہیں پھول رہی خوشی سے ساری
اور جھول رہی ہیں باری باری
جب گیت ہیں ساری بلکے گاتی
جگل کو ہیں سر پہ وہ اٹھاتی
اک سب کو گھڑی ٹھلارہی ہے
اک گرنے سے خوف کھا رہی ہے
اک اور دوسری پیگسا ہے چڑھاتی
ہے اُن میں کوئی ملار گاتی
کتی ہے کوئی بدیسی ڈھولا
گاتی ہے کوئی کبھی ہنڈولا
سب ہنستی ہیں تھکے لگا کر
اک جھولے سے وہ گری ہے جا کر
تیرا کوں کے دل بڑھے ہوئے ہیں
ندی نالے چڑھے ہوئے ہیں
اور تیر کے پہنچا پار کوئی
گھڑناؤ پہ ہے سوار کوئی
مرغابیاں تیرتی ہیں پھسرتی
بگلوں کی ہیں ڈائیں آکے گرتی
دن بھر میں ہیں بیڑے جا کے لگتے
چکلے ہیں یہ پاٹ ندیوں کے
موجوں کی ہیں صورتیں ڈرائی
زوروں پہ چڑھا ہوا ہے پانی
موجوں کے تھپہڑے کھا رہی ہیں
ناویں ہیں کہ ڈگنگا رہی ہیں

ملاحوں کے اڑ رہے ہیں اوسان بیڑے کا خدا ہی ہے نگہبان
مخجدھار کی روزور پر ہے مچھلی کو بھی جان کا خطر ہے

بیزار اک اپنے جان و تن سے سے
غربت کی صعوبتوں کا مارا
غمخوار ہے کوئی اور نہ دل جو
ہیں دھیان میں کلفتیں سفر کی
ابراہیم میں اک طرف سے اٹھا
برق آ کے لگی تڑپنے پیہم
آنے جو لگے ہوا کے جھوکے
سامان ملے جو دل لگی کے
دیکھے کوئی اُس گھڑی کا عالم
وہ آپ ہی آپ گن گنا نا
اے چشمہ آب زندگانی
جاتی ہے جدھر تری سواری
پائے جو کہیں میری سبھا کو
اول کہیو سلام میرا
قسمت میں ہی تھا اپنی لکھا

بچھڑا ہوا صحبتِ وطن سے
چلنے کا نہیں ہے جس کو یا را
اک باغ میں ہے پڑا لب جو
آپے کی خبر ہے اور نہ گھر کی
اور رنگ سا کچھ ہوا کا بدلا
اور پڑنے لگی بھوار کم کم
تھے جتنے سفر کے رنج بھولے
یاد آئے مزے کبھی کبھی کے
وہ آنسوؤں کی جھڑی کا عالم
اور جوش میں آ کبھی یہ گانا
گھٹسیو نہ کبھی تری روانی
بستی ہے اُسی طرف ہماری
دیتا ہوں میں بیچ میں خدا کو
پھر دیجیو یہ پیام میرا
فرقت میں تمھاری آئی برکھا

آتا ہے تمہارا دھیان جس دم
 ہم تم یونہیں صبح و شام اکثر
 جب سبزہ و گل ہیں لہلہاتے
 ہم تم یونہیں ہاتھ میں دئے ہات
 جب پیڑ سے آم ہے ٹپکتا
 آخر ہمیں پاتا جب کسی کو
 رُت آم کی آئے اور ننوں یار
 تم پرین جو ہے بوند تن پہ پڑتی
 ہے سرد ہوا بدن کو لگتی
 پردیس میں سچ ہے کیا ہو جی شاد
 نشتر کی طرح تھی دل میں بجھتی
 تھا سوز میں کچھ ملا ہوا ساز
 حیرت رہی دیر تک کہ آخر
 روڑا ہے کہاں کا یہ مسافر

پھر غور سے اک نظر جو ڈالی
 نکلا وہ ہمارا دوست حالیؔ

نشاط اُمید

۱۸۷۵ء

اے مری اُمید میری جہاں نواز اے مری دلسوز میری کارساز

میری سپر اور مرے دل کی پناہ
 عیش میں اور رنج میں میری شفقت
 کاٹنے والی عنسیم ایام کی
 دل پہ پڑا آن کیے جب کوئی دکھ
 تو نے نہ چھوڑا کبھی غربت میں ساتھ
 جی کو ہوا اگر کبھی غسرت کا رنج
 تجھ سے ہے محتاج کا دل بے ہراس
 خاطر رنجور کا درماں ہے تو
 نوح کی کشتی کا سہارا تھی تو
 رام کے ہمراہ چڑھی رن میں تو
 تو نے سدا قیس کا بسلا یا دل
 ہو گیا فریاد کا قصہ تمام
 تو نے ہی رات بھر کی یہ بندھوائی اس
 ہوتی ہے تو نشت پر بہت کی جب
 ہاتھ میں جب آکے لیا تو نے ہاتھ
 ساتھ ملا جس کو ترا دوست دم
 گھوڑے کی لی اپنے جہاں تو نے باگ
 عزم کو جب دیتی ہے تو میل حبت

درد مصیبت میں میری تسکین گاہ
 کوہ میں اور دشت میں میری رفیق
 تھامنے والی دلِ ناکام کی
 تیرے دلاسے سے ملا ہم کو سکھ
 تو نے اٹھایا نہ کبھی سر سے ہاتھ
 کھول دے تو نے قناعت کے گنج
 تجھ سے ہے بیمار کو جینے کی اس
 عاشقِ مجبور کا ایماں ہے تو
 چاہ میں یوسف کی دل آرا تھی تو
 پانڈوں کے ساتھ بھری بن میں تو
 تھام لیا جب کبھی گھبرا یا دل
 پر ترے فقروں پہ رہا خوش ملام
 ہیر تھی فرقت میں بھی گویا کہ پاس
 مشکلیں آساں نظر آتی ہیں سب
 سات سمندر سے گزرنا ہے بات
 کہتا ہے وہ یہ ہے محبوب + محمد عجم
 سامنے ہے تیرے گیا اور پر راگ
 گنبد گردوں نظر آتا ہے پست

تو نے دیا آکے اُبھارا جہاں سمجھے کہ مٹھی میں ہے سارا جہاں
ذریعے کو خورشید میں دے تو کھپا بندے کو اللہ سے دے تو بلا

دونوں جہاں کی ہے بندھی تجھ سے لڑ دین کی تو اصل ہے دنیا کی جڑ
نیکوں کی تجھ سے ہے قائم اس تو نہ ہو تو جائیں نہ نیکی کے پاس
دین کی تجھ بن کہیں پرستش نہ ہو تو نہ ہو تو حق کی پرستش نہ ہو
خشک تھا بن تیرے درختِ عمل تو نے لگائے ہیں یہ سب پھول پھل
دل کو لُبھاتی ہے کہیں بن کے حور گاہ دکھاتی ہے شرابِ طور
نام ہے سدرہ کبھی طوبے ترا روزِ نالا ہے تماشا ترا
کو شروتِ نسیم ہے یا سلسبیل جلوے ہیں سب تیرے یہ بقیالِ قبل
روپ ہیں ہر پتھ میں تیرے الگ ہے کہیں فردوس کہیں ہے سرگ
ایک سے ہے ایک انوکھا برن ہے کہیں محشر کہیں آد اگون
ایک ادا میں تیری لاکھوں رشی کھپ گئے جن کی نہ خبر کچھ ملی
کوہ ہمالہ میں بہت حیا گلے اور تپتیاں بہت جہل سمجھے
تیرے تصور میں ہزاروں ولی ڈوبے تجھ ایسے کہ نہ اُچھلے کبھی
پڑھ دیا زاہد پہ کچھ ایسا قسوں دل کی تپش اُس کی ہے ہر دم فزوں
کر دیا راہب پر خدا جانے کیا ہو گیا دنیا سے وہ بیزار سا
جس کو غرض دیکھنے دھن ہے ہی صوفی صافی ہو کہ ہو مولوی

نشہ اُمید میں ہیں چور سب ایک پیالہ سے ہیں مخمور سب

جب ہمایوں سے چھٹا ملک تخت
یار رہا اور نہ کوئی غمگسار
پھر گئے دلدادہ فرماں تھے جو
گھر میں نہ رہنے کی ملی کوئی راہ
ہو گئے اغیار یگانے سبھی
چھوٹ گئے سارے قریب اور بعید
تیرے ہی دم سے کٹے جو دن سخت
خاکیوں کی تجھ سے ہے ہمت بلند
تجھ سے ہی آباد ہے کون و مکاں
کوئی پڑا پھرتا ہے بہرِ معاش
ایک تمنا میں ہے اولاد کی
ایک کو ہے دُھن کہ جو کچھ ہاتھ آئے
ایک کو کچھ آج اگر مل گیا
قوم کی بہبود کا بھوکا ہے ایک
ایک کو ہے تشنگی قرب حق
جو ہے غرض اُس کو نہی جستجو

اور پھنسا بند حوادث میں سخت
دوست و دشمن کے لگے چلنے وار
چھٹ گئے وابستہ داماں تھے جو
ملک میں لی غیر کے جا کر پناہ
تو نے مگر ساتھ نہ چھوڑا کبھی
ایک نہ چھوڑا تو نہ چھوڑا اُمید
تیرے ہی صدقہ سے بلاتاج و تخت
تو نہ ہو تو کام ہوں دُنیا کے بند
تو نہ ہو تو ہوا ابھی برہم جہاں
ہے کوئی اُسیر کو کرتا تلاش
ایک کو دلدار کی ہے لو لگی
دھوم سے اولاد کی شادی رچائے
کل کی ہے یہ فکر کہ کھائیں گے کیا
جس میں ہو اُن کے لئے انجام نیک
جس نے کیا دل سے جگر تک ہے شق
لاکھ اگر دل ہیں تو لاکھ آرزو

تجھ سے ہیں دل سب کے گریباغ
 گل کوئی ہونے نہیں پاتا چسراغ
 سب یہ سمجھتے ہیں کہ پائی مراد
 کتنی ہے جب تو کہ آب آئی مراد
 وعدہ تیرا راست ہو یا ہو دروغ
 تو نے دئے ہیں اُسے کیا کیا فروغ
 وعدے وفا کرتی ہے گو چند تو
 رکھتی ہے ہر ایک کو خورِ سند تو
 بھاتی ہے سب کو تیری ایت لؤل
 تو نے کہاں سیکھی ہے یہ آج کل
 تلخ کو تو چاہے تو شیریں کرے
 بزمِ عزا کو طرب آگئیں کرے
 آنے نہ دے برج کو غلس کے پاس
 رکھے غنی اُس کو رہے جس کے پاس
 یاس کا پاتی ہے جو تو کچھ لگاؤ
 سیکڑوں کرتی ہے اتارا اور چڑھاؤ
 آنے نہیں دیتی دلوں پر ہراس
 ٹوٹنے دیتی نہیں طالب کی اُس
 جن کو تیر نہیں کسی پھٹی
 خوش ہیں توقع پر وہ زربفت کی
 چٹنی سے روٹی کا ہے جن کی بناؤ
 بیٹھے پکاتے ہیں خبیالی پلاؤ
 بانوں میں جوتی نہیں پر ہے یہ ذوق
 گھوڑا جو سبزہ تو نیلا ہو طوق
 فیض کے کھولے ہیں جہاں تو نے بابا
 دیکھتے ہیں جھونپڑے محلوں کے خواب
 تیرے کرشمے ہیں غضبِ دل فریب
 دل میں نہیں بھڑکتے مہر و شکیب
 تجھ سے مہوس نے جو شور سیسا
 بھونک دیا کان میں کیا جانے کیا
 دل سے بھلا یا زن و نر نہ کو
 لگ گیا گھن نکل بر و سند کو
 کھانے سے پینے سے ہوا سردی
 ایسی کچھ اکسیر کی ہے لو لگی
 دین کی ہے فکر نہ دنیا سے کام
 دُھن ہے ہی رات دن اور صبح دشام

دھونکنی ہے بیٹھ کے جب دھونکتا
 پیسے کو جب تاویہ دیتا ہے تاؤ
 کتنا ہے جب ہنستے ہیں سب دیکھ کر
 ہے اسی دھندہ میں وہ آسودہ حال
 تول کر گردیکھے اُس کی خوشی
 پھرتے ہیں محتاج کئی تیرہ بخت
 آج جو برتن ہیں تو گل گھر گرو
 تیرے سوا خاک نہیں اُن کے پاس
 بھولے سماتے نہیں اس اس پر
 کھاتے ہیں اس اس پر تیں عجیب

شہ کو سمجھتا ہے اک ادنیٰ گدا
 پوچھتا یاروں سے ہے سونے کا بھاؤ
 رہ گئی اک رنج کی باقی کسر
 تو نے دیا عقل پر پردہ سا ڈال
 کوئی خوشی اُس کو نہ پہنچے کبھی
 جن کے بڑوں میں تھا کبھی تاج و تخت
 ملتی ہے مشکل سے انھیں نان جو
 ساری خدائی میں ہے لے دے کی اس
 صاحب عالم انھیں کیئے اگر
 جھوٹے کو ہو تخت نہ یا رب نصیب

ہوتا ہے نو میدیوں کا جب ہجوم
 لگتی ہے ہمت کی کسر ٹوٹنے
 ہوتی ہے بے صبری و طاقت میں خنگ
 جی میں یہ آتا ہے کہ سم کھائیے
 بیٹھنے لگتا ہے دل آوے کی طرح
 ہوتا ہے شکوہ کبھی تقدیر کا
 ٹھنکتی ہے گردوں سے لڑائی کبھی

آتی ہے حسرت کی گٹھا جھوم جھوم
 حوصلہ کا لگتا ہے جی چھوٹنے
 عرصہ عالم نظر آتا ہے تنگ
 پھاڑ کے یا کپڑے نکل جائیے
 یاس ڈراتی ہے چھلاوے کی طرح
 اڑتا ہے خاک کبھی تدریس کا
 ہوتی ہے قسمت کی ہنسائی کبھی

جاتا ہے قابو سے دل آخر نکل کرتی ہے ان شکلوں کو تو ہی حل
 کان میں پہنچی تری آہٹ جو ہیں رخت سفریاس نے باندھا دیں
 ساتھ گئی یاس کے پڑ مردگی ہو گئی کافور سب انیسردگی
 تجھ میں چھپا راحتِ جاں کا ہے بھید
 چھوڑیو حالی کا نہ ساتھ آئے امید

حُبِ وطن

اے سپہر بریں کے ستیا رو اے فضا ئے زمیں کے گلزارو
 اے پہاڑوں کی دلفریب فضا اے لب جو کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
 اے عنادل کی نمنے سحری اے شب ماہتاب تاروں بھری
 اے نسیم ہزار کے جھو کو دھڑنا پاند ار کے دھوکو
 تم ہر اک حال میں ہو یوں تو عزیز تھے وطن میں مگر کچھ اور ہی چیز
 جب وطن میں ہمارا تھا رہنا تم سے دل باغ باغ تھا اپنا
 تم مری دل لگی کے ساماں تھے تم مرے درد دل کے درماں تھے
 تم سے کٹتا تھا رنج تنہائی تم سے پاتا تھا دل شکیبائی
 آہ ایک ایک تمھاری بھاتی تھی جو ادا تھی وہ جی اُٹھاتی تھی
 کرتے تھے جب تم اپنی غمخواری دھوئی جاتی تھیں کلفتیں ساری
 جب ہوا کھانے باغ جاتے تھے ہو کے خوشحال گھر میں آتے تھے

بیٹھ جاتے تھے جب کبھی لبِ آب
 کوہ و صحرا و آسمان و زمیں
 پر چٹا جب سے اپنا ملک و دیار
 نہ گلوں کی ادا خوش آتی ہے
 سیرگشیں ہے جی کا اک جنجال
 کوہ و صحرا سے تالِبِ دریا
 کیا ہوئے وہ دن اور وہ راتیں
 ہم ہی غربت میں ہو گئے کچھ اور
 گو دہی ہم ہیں اور وہی دُنیا
 دھوکے اٹھتے تھے دل کے داغِ شباب
 سب مری دل لگی کی شکلیں تھیں
 جی ہوا تم سے خود بخود بیزار
 نہ صدا بلبلوں کی بھاتی ہے
 شبِ مہتاب جان کو ہے وبال
 جس طرف جائیں جی نہیں لگتا
 تم میں اگلی سی اب نہیں باتیں
 یا تمہارے ہی کچھ بدل گئے طور
 پر نہیں ہم کو نطفِ دُنیا کا

آئے وطن آئے مرے بہشت بریں
 رات اور دن کا وہ سماں نہ رہا
 تیری دوری ہے موردِ آلام
 کاٹے کھاتا ہے باغِ بن تیرے
 مٹ گیا نقشِ کامرانی کا
 جو کہ رہتے ہیں تجھ سے دور سدا
 ہو گیا یہاں تو دہی دن میں یہاں
 سچ بتا تو سبھی کو بھاتا ہے
 کیا ہوئے تیرے آسمانِ دزمیں
 وہ زمیں اور وہ آسمان نہ رہا
 تیرے چھٹنے سے چھٹ گیا آرام
 گل ہیں نظروں میں داغِ بن تیرے
 تجھ سے تھا نطفِ زندگانی کا
 اُن کو کیا ہو گا زندگی کا مزا
 تجھ بن ایک ایک پل ہے ایک اک سال
 یا کہ مجھ سے ہی تیرا نانا ہے

میں ہی کرتا ہوں تجھ پہ جان نثار
کیا زمانے کو تو عزیز نہیں
جن و انسان کی حیات ہے تو
ہے نباتات کا منو تجھ سے
سب کو ہوتا ہے تجھ سے نشوونما
تیری اک مشت خاک کے بدلے
جان جب تک نہ ہو بدن سے جدا
یا کہ دنیا ہے تیری عاشق زار
اے وطن تو تو ایسی چیز نہیں
مُرخ و ماہی کی کائنات ہے تو
روکھ تجھ بن ہرے نہیں ہوتے
سب کو بھاتی ہے تیری آبِ ہوا
لوں نہ ہرگز اگر بہشت ملے
کوئی دشمن نہ ہو وطن سے جدا

حلمہ حب قوم آریہ نے کیا
ملک والے بہت سے کام آئے
شدر کہلائے راکش کہلائے
گو غلامی کا لگ گیا دھبّا
اور بجا اُن کا ہند میں ڈنکا
جو بچے وہ غلام کہلائے
رنج پر دیں کے مگر نہ اٹھائے
نہ چھٹا اُن سے دیں پر نہ چھٹا

قدر آئے دل وطن میں رہنے کی
جب بلا رام چندر کو بن باس
باپ کا حکم رکھ لیا سر پر
پانوں اٹھتا تھا اُس کا بن کی طرف
پوچھے پر دیسیوں کے جی سے کوئی
اور نکلا وطن سے ہو کے اُداس
پر چلا ساتھ لے کے داغ جگر
اور کھپتا تھا دل وطن کی طرف

گزرے غربت میں اس قدرِ وسال پر نہ بھولا اجدھیا کا خیال
 دیں کو بن میں جی بھٹکتا رہا دل میں کانٹا سا اک کھٹکتا رہا
 تیرا ک دل میں آ کے لگنا تھا آتی تھی جب اجدھیا کی ہوا
 کٹے چودہ برس ہوئے تھے محال گویا ایک ایک جگ تھا ایک ایک سال

ہوئے یثرب کی سمت جب راہی سید ابیطی کے ہم راہی
 رشتے الفت کے سارے توڑ چلے اور بالکل وطن کو چھوڑ چلے
 گو وطن سے چلے تھے ہو کے خفا پر وطن میں تھا سب کا جی اٹکا
 دل لگی کے بہت لمے سامان پر نہ بھولے وطن کے رنگستان
 دل میں آنکھوں پہ کھٹکتے تھے سنگریزے زمین بطحا کے
 گھر جفاؤں سے جن کی چھوٹا تھا دل سے رشتہ نہ آن کا ٹوٹا تھا

ہوئیں یوسف کی سختیاں جب دور اور ہوا ملک مصر پر مامور
 مصر میں چار سو تھا حکم رواں آنکھ تھی جانبِ وطن تنگراں
 یاد کتناں جب اُس کو آتی تھی سلطنت ساری بھول جالی تھی
 دُکھ اٹھائے تھے جس وطن میں سخت تاج بھانا تھا اُس بغیر نہ سخت
 جن سے دیکھی تھی سخت بے مہری کو تھی اُن بھائیوں کی دل کو لگی

ہم بھی حُب وطن میں گویں غرق
ہم ہیں نامِ وطن کے دیوانے
جس نے یوسف کی داستان سنی
مصر میں قحط جب پڑا آکر
ہم میں اور اُن میں ہے مگر یہ فرق
وہ تھے اہل وطن کے پروانے
جانتا ہو گار و مداد اُس کی
اور ہوئی قوم بھوک سے مضطر
لب تک آنے دیا نہ حرف سوال
مفت سارے ذخیرے تول دئے
اور بھر پور یہاں سے جاتے تھے
جیسے بچوں کی بھوک وقت سحر
یوں گئے قحط کے وہ سال گزر

اے دل اے بندہ وطن ہشیار
اوشرابِ خودی کے متوالے
نام ہے کیا اسی کا حُب وطن
کبھی سچوں کا وہیان آتا ہے
یاد آتا ہے اپنا شہر کبھی
نقش ہیں دل پہ کوچہ و بازار
کیا وطن کی یہی محبت ہے
اس میں انساں سے کم نہیں درد
ٹکڑے ہوتے ہیں سنگِ غربت میں
خوابِ غفلت سے ہو ذرا بیدار
گھر کی چوکھٹ کے چومنے والے
جس کی تجھ کو لگی ہوئی ہے لگن
کبھی یاروں کا غم ستاتا ہے
لو کبھی اہل شہر کی ہے لگن
پھرتے آنکھوں میں ہیں درو دیوار
یہ بھی الفت میں کوئی الفت ہے
اس سے خالی نہیں چرند و پرند
سوکھ جاتے ہیں روکھِ فرقت میں

جا کے کابل میں آم کا پودا
آ کے کابل سے یہاں ہی دانار
مچھلی جب چھوٹی ہے پانی سے
آگ سے جب ہوا سمندر دُور
گھوڑے جب کھیت سے بھڑتے ہیں
گائے یا بھینس اونٹ یا بکری
کیے حبّ وطن اسی کو اگر
کبھی پردان چڑھ نہیں سکتا
ہو نہیں سکتے بارور زہار
ہات دھوتی ہے زندگانی سے
اُس کو جینے کا پھر نہیں مقدور
جان کے لالے اُن کے پڑتے ہیں
اپنے اپنے ٹھکانے خوش ہیں سبھی
ہم سے حیا نہیں ہیں کچھ کمتر

ہے کوئی اپنی قوم کا ہمدرد
جس پہ اطلاق آدمی ہو صحیح
قوم پر کوئی زد نہ دیکھ سکے
قوم سے جان تک عزیز نہ ہو
سمجھے اُن کی خوشی کو راحت جان
رنج کو اُن کے سمجھے مایہ عنس
بھول جائے سب اپنی قدر جلیل
جب پڑے اُن پہ گردشِ افلاک
بیٹھے بے فکر کیا ہو ہم وطنو!
مرد ہو تو کسی کے کام آؤ
نوعِ انساں کا جس کو سمجھیں فرد
جس کو حیا نہیں ہے دے سکیں ترجیح
قوم کا حال بد نہ دیکھ سکے
قوم سے بڑھ کے کوئی چیز نہ ہو
وہاں جو نوروز ہو تو عید ہو یہاں
وہاں اگر سوگ ہو تو یہاں ماتم
دیکھ کر بھائیوں کو خوار و ذلیل
اپنی آسائشوں پہ ڈال دے خاک
اُٹھو اہل وطن کے دوست ہوا
ورنہ کھاؤ پیو چلے جاؤ

جب کوئی زندگی کا لطف اٹھاؤ
 پہنوجب کوئی عمدہ تم پوشاک
 کھانا کھاؤ توجی میں تم شرماؤ
 کتنے بھائی تمھارے ہیں نادار
 نوکروں کی تمھارے جو ہے غذا
 جس پہ تم جوتیوں سے پھرتے ہو
 کھاؤ تو پہلے لو خبر اُن کی
 پہنو تو پہلے بھائیوں کو پہناؤ
 ایک ڈالی کے سب ہیں برگ و ثمر
 سب کو ہے ایک اصل سے پیوند
 مقبلو مدبروں کو یاد کرو
 جاگنے والو غافلوں کو جگاؤ
 ہیں لمے تم کو چشم و گوش اگر
 تم اگر بات پانوں رکھتے ہو
 تندرستی کا شکر کیا ہے ستاؤ
 تم اگر چاہتے ہو ملک کی خیر
 ہو مسلمان اس میں یا ہندو
 جعفری ہو دے یا کہ ہو خفی
 دل کو دکھ بھائیوں کے یاد لاؤ
 کرو دامن سے تاگریاں چاک
 ٹھنڈا پانی پیو تو اشک بہاؤ
 زندگی سے ہے جن کا دل بیزار
 اُن کو وہ خواب میں نہیں ملتا
 واں میسر نہیں وہ اوڑھنے کو
 جن پہ پستا ہے نیستی کی پٹری
 کہ ہے آترن تمھاری جن کا بناؤ
 ہے کوئی اُن میں خشک اور کوئی تر
 کوئی آزرده ہے کوئی خورسند
 خوش دلو غم زدوں کو شاد کرو
 تیرنے والو ڈوبتوں کو تراؤ
 لو جولی جائے کو رو کر کی خبر
 لنگڑے لولوں کو کچھ سہارا دو
 رنج بیمار بھائیوں کا بٹاؤ
 نہ کسی ہموطن کو سمجھو غنیر
 بودھ مذہب ہو یا کہ ہو برہمہ
 جین مت ہو دے یا ہومیشنوی

سب کو بیٹھی نگاہ سے دیکھو
 ملک ہیں اتفاق سے آزاد
 ہند میں اتفاق ہوتا اگر
 قوم جب اتفاق کھو بیٹھی
 ایک کا ایک ہو گیا بدخواہ
 پھر گئے بھائیوں سے جب بھائی
 پاؤں اقبال کے اکھڑنے لگے
 کبھی تو رانیوں نے گھس لوٹا
 کبھی نادر نے قتل عام کیا
 سب سے آخر کو لے گئی بازی
 یہ بھی تم پر خدا کا تھا انعام
 ورنہ دم مارنے نہ پاتے تم
 ملک روندے گئے ہیں پیروں سے
 سمجھو آنکھوں کی پتلیاں سب کو
 شہر ہیں اتفاق سے آباد
 کھاتے غیروں کی ٹھوکریں کیونکر
 اپنی پونجی سے ہات دھو بیٹھی
 لگی غیروں کی پڑنے تم پہ نگاہ
 جو نہ آتی تھی وہ بلا آئی
 ملک پر سب کے ہات پڑنے لگے
 کبھی دُرانیوں نے زر لوٹا
 کبھی محمود نے غلام کیا
 ایک شائستہ قوم مغرب کی
 کہ بڑا تم کو ایسی قوم سے کام
 پڑنی جو سر پہ وہ اٹھاتے تم
 چین کس کو ملا ہے غیروں سے

قوم سے جو بٹھارے ہیں برتاؤ
 اہل دولت کو ہے یہ استغنا
 شہر میں قحط کی دو ہائی ہے
 بھوک میں ہے کوئی بڑھال پڑا
 سوچو اے میرے پیار وادشہ راؤ
 کہ نہیں بھائیوں کی کچھ پروا
 جانِ عالم لبوں پہ آئی ہے
 موت کی مانگتا ہے کوئی دعا

بچے اک گھر میں بلبلاتے ہیں روکے ماں باپ کو رلاتے ہیں
 کوئی پھرتا ہے ناگلتا در در ہے کہیں پیٹ سے بندھا پتھر
 پر جو ہیں اُن میں صاحبِ مقدور اُن میں گنتی کے ہوں گے ایسے غبور
 کہ جنہیں بھائیوں کا غم ہوگا اپنی راحت کا دھیان کم ہوگا
 جتنے دیکھو گے پاؤ گے بے درد دل کے نامرد اور نام کے مرد
 عیش میں جن کے کٹتے ہیں اوقات عید ہے دن تو شبِ رات ہے رات
 قوم مرتی ہے بھوک سے تو مرے کام اُنہیں اپنے حلوے مانڈے سے
 ان کو اب تک خبر نہیں اصلاً شہر میں بھاؤ کیا ہے غلّہ کا
 غلّہ ارزاں ہے ان دنوں کہ گراں کال ہے شہر میں پڑا کہ سماں
 کال کیا شے ہے کس کو کہتے ہیں بھوک بھوک میں کیونکہ مرتے ہیں مغلوک
 سیر بھوکے کی قدر کیا سمجھے اُس کے نزدیک سب ہیں پیٹ بھرے

اہل دولت کا سن چکے تم حال اب سُخو رو مَدا اہل کمال
 فاضلوں کو ہے فاضلوں سے عناد پنڈتوں میں پڑے ہوئے ہیں نساد
 ہے طبیبوں میں نوک بھوک سدا ایک سے ایک کا ہے تھوک جدا
 رہتے دو اہل علم ہیں اس طرح پہلوانوں میں لاگ ہو جس طرح
 عید والوں کا ہے اگر چٹھا شیخو والوں میں جا نہیں سکتا

لے عید والے اور شیخو والے پہلوانوں کے دو متقابل گروہ دلی میں کھے جن میں
 سے ایک کے سرگردہ اور استاد کا نام عیدو اور دوسرے کا شیخو تھا۔

شاعروں میں بھی ہے یہی تکرار
 لاکھ نیکوں کا کیوں نہ ہو ایک نیک
 اس پڑتہ یہ ہے کہ اہل ہنر
 ہر ایک گانٹھ جس کو ہلدی کی
 نسخہ ایک طب کا جس کو آتا ہے
 جس کو آتا ہے پھونکنا کشتہ
 جس کو ہے کچھ رمل میں معلومات
 باپ بھائی ہو یا کہ ہو بیٹا
 کام کندے کا جس کو ہے معلوم
 الغرض جس کے پاس ہے کچھ چیز
 قوم پران کا کچھ نہیں احساں
 سب کمالات اور ہنر ان کے
 قوم کیا کہہ کے ان کو روئے گی
 تربیت یافتہ ہیں جو یہاں کے
 بھرتے حب وطن کا گو دم ہیں
 قوم کو ان سے جو امیدیں تھیں
 ہٹری ان کی اور جو گرنی
 بند اس قفسل میں ہے علم ان کا

خوشنویسوں کو ہے یہی آزار
 دیکھ سکتا نہیں ہے ایک کو ایک
 دور سمجھ ہوئے ہیں اپنا گھر
 اس نے سمجھا کہ میں ہوں پنساری
 سکے بھائی سے وہ چھپاتا ہے
 بے ہماری طرف سے وہ گونگا
 وہ نہیں کرتا سیدھے مونہ سے بات
 بھید پاتا نہیں مخبم کا
 ہے زمانہ میں اس کے بخل کی دھم
 جان سے بھی سوا ہے اس کو عزیز
 ان کا ہونا نہ ہونا ہے یکساں
 قبر میں ان کے ساتھ جائیں گے
 نام پر کیونکہ جان کھوئے گی
 خواہ لی۔ اسے ہوں اس میں یا اکیم لے
 پر صحبت وطن بہت کم ہیں
 اب جو دیکھا تو سب غلط نکلیں
 سات پردوں میں مونہ دے ہیں پڑی
 جس کی کنجی کا کچھ نہیں ہے پتا

لیتے ہیں اپنے دل ہی دل میں مزے کرتے پھرتے ہیں سیر گل تہا اہل انصاف شرم کی جا ہے تم نے دیکھا ہے جو وہ سب کو دکھاؤ یہ جو دولت بٹھارے پاس ہے آج مُنہ کو ایک ایک تمہارے ہے تکتا آپ شائستہ ہیں تو اپنے لئے میرز کُرسی اگر لگاتے ہیں آپ منڈا جو تاگر آپ کو ہے پسند قوم پر کرتے ہو اگر احساں کچھ دنوں عیش میں نخل ڈالو علم کو کرد کو کو بہ کو ارزاں سُنلے ہو سامعین باتسکین جو ہیں دنیا میں قوم کے ہمدرد باپ کی ہے دعا یہ بہر پسر ماں خدا سے یہ مانگتی ہے مراد بھائی آپس میں کرتے ہیں پیمان اہل ہمت کما کے لاساتے ہیں

گویا گونگے کا گڑ ہیں کھائے ہوئے کوئی پاس ان کے جا نہیں سکتا گر نہیں بخل یہ تو پسر کیا ہے تم نے چکھا ہے جو وہ سب کو چکھاؤ ہم وطن اس کے ہیں بہت محتاج کہ نکلتا ہے مونہ سے آپ کے کیا کچھ سلوک اپنی قوم سے بھی کئے قوم سے پوچھے تو پُرن ہے نہ باپ قوم کو اس سے فائدہ نہ گزند تو دکھاؤ کچھ اپنا جوش نہاں پیٹ میں جو ہے سب اگل ڈالو ہند کو کر دکھاؤ انگلستاں سنئے ہو حاضرین صدر نشین بندہ قوم اُن کے ہیں رن و مرد قوم کی میں بناؤں اُس کو پسر قوم پر سے نسا رہو اولاد تم اگر مال دو تو میں دوں جاں ہم وطن فائدے اٹھاتے ہیں

کہیں ہوتے ہیں مدرسے جاری
 اور کہیں ہوتے ہیں کلب قائم
 ریت نئے کھلتے ہیں دواخانے
 ملک میں جو مرض ہیں عالمگیر
 ہیں سدا اس ادھیڑ بن میں طیب
 قوم کو پہنچے منفعت جس سے
 رسم بد کا اثر جہاں پایا
 کہیں مجلس میں ہوتی ہے تقریر
 ایک ناٹک بنا کے لاتا ہے
 لاکھ تدبیریں جی سے جوڑتے ہیں
 قوم کی خاطر ان کے ہیں سب کام
 سیکڑوں گل رخ اور ماہ پارے
 جان اپنی لئے ہستیلی پر
 شوق یہ ہے کہ جان جائے تو جائے
 جس سے مشکل ہو کوئی قوم کی حل
 کھب گئے کتنے بن کے جھاڑوں میں
 لکھ جب تک جیسے سفر نامے
 گو سفر میں اٹھائے رنج کمال
 دخل اور خرچ جن کے ہیں بھاری
 محبت حکمت و ادب قائم
 بننے ہیں سیکڑوں شفاخانے
 قوم پر ان کی فرض ہے تدبیر
 کہ کوئی نسخہ ہاتھ آئے عجیب
 ملک میں پھیلیں فائدے جس کے
 حملہ پر حملہ اُس پہ ہونے لگا
 کہیں مضمون ہوتے ہیں تحریر
 دوسرا اُس کو کر دکھاتا ہے
 آخر اُس کو مٹا کے چھوڑتے ہیں
 خواہ اس میں سفر ہو خواہ مقام
 لاڈلے ماں کے باپ کے پیارے
 کرتے پھرتے ہیں بھروسہ کے سفر
 پر کوئی بات کام کی بات آئے
 ملک کا آئے کوئی کام نکل
 مر گئے سیکڑوں پہاڑوں میں
 چل دئے ہات میں ظلم تھامے
 کر دیا پروطن کو اپنے انہال

ہیں اب اُن کے گواہِ حُب و طن
 کیئے دُنیا کا جس کو باغِ جناب
 کام ہیں سب بشر کے ہم وطنو
 چھوڑو افسردگی کو جوش میں آؤ
 قافلے تم سے بڑھ گئے کوسوں
 قافلوں سے اگر بلا چاہو
 گر رہا چاہتے ہو عزت سے
 اُن کی عزت تمہاری عزت ہے
 قوم کا مبتذل ہے جو انساں
 قوم دُنیا میں جس کی ہے ممتاز
 عزتِ قوم چاہتے ہو اگر
 ذات کا فخر اور نسب کا غرور
 اب نہ سید کا افتخار صحیح
 ہوئی ترکِ تمام خانوں کی
 قوم کی عزت اب ہنر سے ہے
 کوئی دن میں وہ دور آئے گا
 نہ رہیں گے سدا یہی دن رات
 درو دیوار پیرس و لندن
 ہے فرانس آج یا ہے انگلستان
 تم سے بھی ہو سکیں تو مرد بنو
 بس بہت سوئے اٹھو ہوش میں آؤ
 رہے جاتے ہو سب سے سچے کیوں
 ملک اور قوم کا بھلا چاہو
 بھائیوں کو نکالو ذلت سے
 اُن کی ذلت تمہاری ذلت ہے
 بے حقیقت ہے گرجہ ہے سلطان
 ہے فقیری میں بھی وہ بااعزاز
 جا کے پھیلاؤ اُن میں علم و ہنر
 اُٹھ گئے اب جہاں سے یہ دستور
 نہ برہمن کو (شدر) پر توجہ
 کٹ گئی جڑ سے خاندانوں کی
 علم سے یا کہ سیم و زر سے ہے
 بے ہنر بھیک تک نہ پائے گا
 یاد رکھنا ہماری آج کی بات

گر نہیں صفتِ قولِ حالی کا
 پھر نہ کہتا کہ کوئی کتنا تھا

مناظرہ رحم والصاف

ایک دن رحم نے انصاف سے جا کر پوچھا کیا سب ہے کہ ترانام ہے دنیا میں بڑا
 نیک نامی سے ترسے سخت تجیر ہے ہیں ہاں سنیں ہم بھی کہ ہے کونسی خوبی تجھ میں
 دوستی سے تجھے کچھ دوستوں کی کام نہیں آنکھ میں تیری مروت کا کہیں نام نہیں
 اپنے بیگانے ہیں سب تیری نظریں بکھیاں دوست کو فائدہ ہے تجھ سے نہ دشمن کو زیان
 قتل انسان ہمیشہ سے ہے عادت تیری سیکڑوں چڑھ گئے سولی پہ بدولت تیری
 جان اور مال سے نرو کو کھو یا تو نے اور فرعون کو دریا میں ڈبو یا تو نے
 فوج راووں کی لڑائی میں کھپائی کس نے آگ لٹکائیں سوا تیرے لگا کی کس نے
 قید خانوں میں جہاں کے ہے پڑا غل تیرا جتنے قیدی ہیں تری جان کو دیتے ہیں دعا
 تیرے فتوے پہ کروڑوں ہوئے ہرن سے خدا اور ترے حکم سے لاکھوں ہوئے مسکن سے خدا
 لطف ہے تیری طبیعت میں کچھ خوش غصہ تب تو خودوں پہ ہے شفقت نہ بزرگوں کا ادب
 کانپتے آتے ہیں محفل میں تری شاہ و گدا تجھ سے بھڑکتے ہیں احباب ہوں یا ہوں اعدا
 جان پہچان کلا ساقی ہے نہ آنجان کا بہت یار ہندو کا ہے اور نہ مسلمان کا دوست
 نہیں جائز ترے مذہب میں کسی کی اراد تیرے نزدیک برابر ہے غلام اور آزاد
 دم میں تو صحبت دیر نہ بھلا دیتا ہے دوستی خاک میں برسوں کی ملا دیتا ہے
 طور برتاؤ کا ہے سب سے نرالا تیرا تجھ سارو دکھا کوئی دنیا میں نہ دیکھا نہ

ہر طرف پہ تو اپنی جہاں نام خدا آجاسے
 اسی کرتوت پہ اسے عدل پر عوسے
 ایک تو ہے کہ گناہوں کے ہیں دل تجھ سے
 رحم ہے نام میرا لطف و کرم کام میرا
 حق کے انصاف و عنایت کا بہانہ نہیں
 میری سرکار میں ہو جاتے ہیں سب قبول
 لطف ہے عام سدا اہل خطا پر میرا
 غم مرے سامنے خدا ہی سے بدل جاتے ہیں
 مجرئی شرم و مروت مرے دربار کے ہیں
 موج زن ہوتا ہے جب فیض کا میرے قلم
 مصر میں قید سے یوسف کو نکالا میں نے
 میں ہر ایک درویش ہو جاتا ہوں انساں کے شریک
 میں ہی دیتا ہوں یتیموں کو دلاسا عبا کر
 میرے ہی دم سے ہے آدم کا نو نہ باقی
 ورنہ انسان کہ ہے مجرم و خطا کا پتلا
 بیڑا فرعون کا جب غرق فنا ہوتا تھا
 تجھ سے ہوتے اگر اسے عدل جہاں میں دیا
 باپ کے ہات سے بیٹے کا گلا کٹو لے
 کہ بنا اسن کی دُنیا میں ہے قائم تجھ سے
 ایک میں ہوں کہ نہیں غیر بھی مجھ سے بزار
 فیض ویرانہ و آباد میں ہے عام میرا
 خلق کی کام روائی کا یگانہ ہوں میں
 میرے دربار سے جاتے نہیں مجرم بھی بول
 ہاتھ اٹھتا نہیں غنی کی سزا پر میرا
 بننے جاتے ہیں جو ہیاں دے ہوئے آئے ہیں
 بخشش و جو د ملازم مرے سرکار کے ہیں
 پاس ہو جاتی ہے انبوہ میں اُمید کے گم
 اور ایوبؑ کے بیڑے کو نبھالیں
 میں نہ ہوتا تو نہ ویتا کوئی محتاج کو بھیک
 میں ہی لیتا ہوں برجالیں رانڈوں کی خبر
 میرے ہی دم سے ہے عالم میں نمود و شہرتی
 میں نہ ہوتا تو بھلا اُس کا ٹکھ کا کیا تھا
 میں وہاں ساحل دریا پہ کھڑا رہتا تھا
 لٹ گئی ہوئی کبھی کی مرے گلشن کی بہار

جب سنا رحم سے یہ ولولہ انگیز خطاب
آپ کی نیکیوں کے کس کو ہے انگاہیاں
مگر اے رحم بڑا ماننے کی بات نہیں
ہم نے مانا کہ مروت بھی بڑی ہے ایک چیز
کھود یا جس نے مروت کو یہاں عام کیا
بول بیٹھے نہیں آفت کے یہ پرکھ لے ہیں
دوستوں کو ہے اشارہ کسی سے نہ ڈرو
چو چوری سے نہیں ڈرتے بدولت تیری
جتنے قزاق ہیں یہاں اُن کا مددگار ہے تو
ہو جس ملک پہ سرکار کا جاری فرماں
باب کا حکم نہیں مانتے فرزند رشید
لڑکے اُستاد کی گھڑکی کو نہیں مانتے کچھ
ابکاروں کا کچھری میں جو دیکھو ہوار
پریت کھڑے ہوئے وہاں کھڑے ہیں حاجت والے
نہیں حاکم کی مروت سے متعین خوف نال
ہر طرف بیچ میں دلائی ہیں کچھ چھوڑے
یوں تو لے رحم تیری ذات میں جو ہیں بہت
ایک رہزن کو جو تیرے چھٹو اتا ہے

کہا انصاف نے جو کم تو دوں اس کا جواب
کیونکہ ہے ذکر جیل آپ کا مشہور جہاں
نیکیاں آپ کو کر دیں نہ یہ بدنام کہیں
پر مروت کے لئے شرط ہے اے دولت یمنیز
اُس کو رسوا کیا اور آپ کو بدنام کیا
اس مروت نے تری سیکڑوں گھر گھائے ہیں
دشمنوں سے یہ مدار کہ جو چاہو سو کرو
لے پھرتی ہے اچکوں کو حمایت تیری
اور سب ڈاکوؤں کا قافلہ لار ہے تو
اُس کو سمجھو کہ ہوا اب کوئی دن میں دریاں
اور نو کر نہیں دیتے کبھی آفا کو رسید
بد معاش اہل پولس کو نہیں گردانتے کچھ
سمجھو دیوان عدالت کو کہ ہے اک بازار
اور منہ کھولے ہوئے بیٹھے عدالت والے
”بول کیا لایا ہے“ اظہار کا پہلا ہے سوال
دونوں ہاتھوں سے غرض مندوں کو ملے لوٹ رہے
خیر تھوڑی ہے مگر آپ میں اور میں بہت
بسیوں قافلوں کو جان کے لٹواتا ہے

باپ کو ہونے نہیں دیتا جو بیٹے سے خفا
 مار پر کٹھنے نہیں دیتا جو استاد کا ہاتھ
 میٹھی باتوں میں تری زہر پلاہل ہے بھرا
 کاش تو بھی مرے قانون پہ چلتا لے رحم
 بے مروت ہوں اگر میں تو یہ جو ہر ہے مرا
 راستبازی جو سنی ہو وہ طبیعت ہے مری
 معتدل نام ہے جس کا وہ مزاج اپنا ہے
 میں ہی تھا جس نے کہ ویرانوں کو آباد کیا
 حکم سے میرے ہونی کونسلوں کی ماموری
 کھودیا میں نے نشان سلطنت شخصی کا
 مجلسیں سیکڑوں ملکوں میں بٹھائیں میں نے
 حکم و قانون کسی گھر میں مقتصد نہ رہا
 جس طرح ظلم کا لے رحم روا دانیوں
 سر زرا جس نے اٹھایا اُسے کھوکھوڑا
 حکم عالم میں مرا شرق سے تا غرب ہے عام
 اسے کرتی نہیں میری کسی حالت میں خطا
 میں دکھا دیتا سیاست کی گراہنی تلوار
 کار فرما ہے جہاں میری عدالت لے رحم

بے ادب رکھنا اُسے چاہتا ہے تو گو یا
 یہ سلوک اچھے نہیں ہیں ترے شاگرد کے ساتھ
 تیرا آغاز تو اچھا ہے پہ انجھام بُرا
 اپنے اندازہ سے باہر نہ نکلتا اسے رحم
 جس کو تو عیب سمجھتا ہے وہ زیور ہے مرا
 اور عدالت جسے کہتے ہیں وہ عادت ہے مری
 بھاگ اُس ملک سے جس ملک میں راج اپنا ہے
 میں ہی تھا جس نے کہ اخباروں کو آزاد کیا
 اسے میری بنیں سلطنتیں جہوری
 اور دنیا سے غلامی کو مٹا کر چھوڑا
 راہیں غلامی سے بچنے کی سچھائیں میں نے
 سلطنت نام ہے اب قوم کی بچا سیت کا
 میں اُسی طرح سے تیرا بھی مددگار نہیں
 پاپ کی ناؤ کو دریا میں ڈبو کر چھوڑا
 جس نے مانا نہ مرا حکم رہا وہ ناکام
 تیر لگتا ہے راجا کے نشانے پسدا
 چل نہ سکتا کبھی تاہیل کا ہیل یہ وار
 دم نہیں مارتی وہاں تیری مروت لے رحم

وہاں تعصب کا پتہ اور نہ عداوت کا گزر
حکم جاری ہے جدھر دیکھتے آزادی کا
کجروی کر سکتی ہے میں آئی تو چل
پاک بازوؤں کو نہیں عمیدیں میرے کھٹکا
سات پردوں میں اگر عیب کسی کا ہے چھپا
ہیں خطا کار کے دشمن درود یواریاں
اور اگر عیب سے ہے پاک کسی کا دامن
نہ رعیت کا اُسے خوف نہ کچھ شاہ کا ڈر
نہ عداوت میں اُسے ڈر کسی فریادی کا
جو ہنر مند میں دل اُن کے بڑھاتا میں ہو
سبے ہنر ہو کسی پر ایہ میں یہاں جلوہ نما
یہاں نہ اُستاد کو شاگرد کی اصلاح سے غار
سننے جاہل سے ہیں گرفتار نہ کسی بات حکیم
نور آقا کی جتنا ہے گر کوئی خطا
کرنے پاتے نہیں گاہا پہ ڈوکاں دارِ ستم
بیل بے وجہ نہیں اگر کسی کی کھاتا
اوپنے اونچوں سے یہاں لیتے ہیں عزت پور
خست جلتے ہیں یہاں خرم و دلشاد میں سب

نقرا بت کا نشان اور نہ محبت کا اثر
بڑھ کے چلتا نہیں وہاں شاہ سے بے تابہ گدا
پیڑھے ترچھوں کے بل اک آن میں جاتے ہیں کل
جو کونڈے میں وہی مجھ سے کھٹکتے ہیں سدا
نہ ہوا آج تو کل ہو گا مقرر رسول
بھائی بھائی کے نہیں ہوتے مددگار
غم نہیں اُس کا ہو گر سارا زمانہ دشمن
نہ اُسے چور کا خطرہ نہ اُسے سہا کا ڈر
اور نہ کچھ دغاغہ اخباروں کی آزادی کا
خوبیاں اُن کی زمانہ میں جاتا میں ہوں
عمد میں میرے ہنر مند نہیں بن سکتا
اور نہ شاگرد کو اپنی غلطی پیرا صمدار
مستفیدوں کی طرح کرتے ہیں اُس کو حکیم
بن نہیں آتا کچھ آقا سے نہ امت کے ہوا
جنس یاں تل نہیں سکتی کبھی مقدار کیم
سندھ سنے گھوڑے پہ چا بانیں اٹھنے پانا
اور مزدوروں کو دیتے ہیں کھری مزدوری
خوار بھرتے ہیں وہی ہو کہ میں آرام طلب

اہل مقدور کو کھٹکا نہیں کچھ چوروں سے
 ناپ سے کم نہیں لگتی کہیں تعمیرِ خشت
 جھوٹے پتوں کا نہیں بھیس بدلنے پاتے
 جس طرف جائیے وہاں امن و امان کا ہے نکل
 جس قلمرو میں کہ جاری نہیں مبرا و ناس
 دوست اللہ کے ہیں ٹھہرتے معتبوں ہاں
 نیک فرزند ہیں ماں باپ کے جو حلقہ کشت
 مان رکھا ہے جنہیں قوم نے اولادِ رسول
 زکریا کی طرح جو ہیں خدا کے پیارے
 زہر سقراط سے ناصح کو پلا دیتے ہیں
 زور مند آنکھ ہلاتے نہیں کمزوروں سے
 دامنِ بازاریں کھوٹے نہیں چلنے پاتے
 فتنہ سرحد سے مری جانا ہے کترا کے نکل
 ظلم کے ہاتھ میں وہاں حکم و عمل کی ہے عناں
 اور سیچا گئے زباں ہوتے ہیں مصلوب وہاں
 رام بھین کی طرح پھرتے ہیں وہاں خانہ بدوش
 قوم کے ہاتھ سے ہوتے ہیں پیاسے مقتول
 اُن کے سر پر ہیں سدا ظلم کے چلتے آ رہے
 اور یوسف سے برادر کو دفا دیتے ہیں

گفتگو ختم پہ انصاف کی جب آپہنچی
 وہاں جو دیکھا تو ہے دو بھائیوں میں کچھ کھرا
 عقل مبرا کا قصدا کار وہاں جا پہنچی
 اور ہر اک کو بزرگی پہ ہے اپنے اصرار
 رحم اور عدل سے کہتا ہے کہ تو ہے کیا چیز
 اور اُدھر رحم کو ہے عدل سمجھتا نا چیز
 عقل نے دونوں کی تقریریں سرتاپا
 کہہ چکے وہ تو یہ سنجیدہ جواب اُن کو دیا
 خیر اک کان ہے تم جس کے ہو گو ہر دونوں
 ایک سے ایک ہو تم بہتر و برتر دونوں
 صاف کہتی ہوں میں اے رحم نہیں اس میں خلا
 تو ہے ہر اک قالب بے روح نہ ہو کر انصاف
 اے صحیح لفظ معاتب ہے مگر ارد میں بجائے معاتب کے معتب بولا جاتا ہے جیسے بجائے
 معصو کے معاف ہیں ارد میں یہی صحیح اور فصیح ہے۔



اور میں نے عدل نہیں اس میں تکلف سزا
 درونوں تم خلق کے ہو مایہ آرام و شکیب
 سرسری فیصلہ تو یہ ہے اگر تم مانو
 ابھی اک نکتہ میں تم دونوں کو جھٹلاتی ہوں
 فرق اصلا نہیں تم دونوں میں لڑتے کیوں ہو
 وہی اک شے ہے کہ ہے عدل کہیں نام اسکا
 رحم کلائے جو مظلوم کی فریاد سنے
 وہی شفقت ہے کہ استاد کی ہے مار کبھی
 وہی شفقت ہے کہ بے گلوں کو بے بیار کہیں
 کہیں وہ مہر کی صورت میں عیاں ہوتی ہے
 کہیں وہ قند مکڑ کا مزا دیتی ہے
 یہی شفقت تھی کہ جب اُس نے سجایا انجام
 یہی شفقت تھی کہ جب ہو گیا سجان پیر
 یہی شفقت ہے کہ زخمی کہیں کرواتی ہے
 رحم اور عدل سے جب عقل نے تقریر کی
 رہی باقی نہ فریقین کو جائے انکار

بڑھ کے پھر دونوں ملے ایسے کہ گویا تھے ایک

دل کے ہو جائیں کہیں جیسے کہ دو دریا ایک

گر نہ ہو رحم تو اک دیدہ بے نور ہے تو
 گل و شبنم کی طرح ایک سے ہے ایک کو
 اور نہیں مانتے گربات مری تم جاؤ
 سو سونو غور سے میں کہتی ہوں اور جاتی ہوں
 جبکہ تم ایک ہو آپس میں جھگڑتے کیوں ہو
 کہیں مظلوم کی فریاد سی کام اس کا
 عدل ٹھہرے جو سزا ظالم بے رحم کو دے
 اور ماں باپ کی ہو جاتی ہے چہرہ کابھی
 وہی جلوہ ہے کہ ہے نور کہیں نار کہیں
 اور کہیں قہر کے پردے میں نہاں ہوتی ہے
 اور کہیں چاشنی موت چکھا دیتی ہے
 شیخ فاروقؒ نے بیٹے کا کیا کام تمام
 ایک بر جھی سی لگی باپ کے دل میں اگر
 یہی شفقت ہے کہ پھر زخم کو بھرواتا ہے
 اور دی ساتھ ہی حالی نے شہادت اسکی
 چار ناچار کیا ایک جہتی کا افسرار

مسدوم بہ ننگ خدمت

مرتبہ ۱۸۸۷ء

یاد آ یا م کہ بے رنگ تھی تصویر جہاں دست مشاطہ نہ تھا محرم زلفینا دوراں
گلِ خود رو سے بسا تھا چین کونٹاں چار سوٹن خداداد کا سکتہ تھا رواں

وضع عالم میں نہ آیا تھا تفریب تک
خط قدرت کی ذہی شان تھی اور نوکِ پاک

طفلِ معصوم کی مانند تھا یہ عالم پیر تھے ہم اک صنعتِ بچوں و چرا کی تصویر
ملکِ فطرت میں نہ تھی سلطنتِ نفسِ شریر طبع لے مملکتِ روح نہ کی تھی تسخیر
خوابِ غفلت کی گھٹا دل پہ نہ بچا کی تھی بہت

دن چھپا تھا ابھی اور رات نہ آئی تھی بہت

مال و دولت کی ہوس میں نہ گرفتار تھے ہم نہ بلندی کے نہ رفعت کے طلبکار تھے ہم
آپ ہی اپنے ہر اک پنج میں غمخوار تھے ہم مردِ غیر سے اصلاً نہ خبردار تھے ہم
جو سبق آئے تھے اُستادِ ازل سے لے کر

وہی ہر منزل و ہر راہ میں تھا یہاں رہبر

اصل سے دور بہت ہوئے نہ پائے تھے ابھی دلیں سے چھوٹ کے پردیں ہیں آئے تھے ابھی

دن جُدائی کے نصیبوں نے دکھائے تھے کئی ڈال سے توڑ کے باناریں لائے تھے ابھی

عرصہ گزرا تھا مسافر کو نہ غربت میں بہت

جی لگا تھا نہ ابھی غیروں کی صحبت میں بہت

صاف آئینہ دل میں نظر آتا تھا کوئی روبرو جس کے جگہ دل میں نہ پاتا تھا کوئی

جی وہ جی تھا کہ نہ جس جی کو بُھاتا تھا کوئی آنکھ وہ آنکھ تھی جس میں نہ سماتا تھا کوئی

روح تھی بادہ دوشینہ سے اپنی بدست

تھا ترقی پہ ابھی نشہ صبا کے است

اس قدر عمر و روزہ پہ نہ مغرور تھے ہم عیش و عشرت کے طلسموں سے بہت دور تھے ہم

کسی محنت سے شقت سے نہ معذور تھے ہم آپ ہی راج تھے اور آپ ہی مزدور تھے ہم

تھے غلام آپ ہی اور آپ ہی آقا اپنے

خود ہی بیمار تھے اور خود ہی سیما اپنے

خود نمائی و خود آرائی کا کچھ دھیان نہ تھا کبر و پندار کا جاری کہیں فرمان نہ تھا

گھر میں سامان نہ تھا در پہ نگہبان نہ تھا جی میں فرعون زماں بننے کا ارمان نہ تھا

آکے دنیا میں بہت پاؤں نہ پھیلاتے تھے

اک مسافر کی طرح رہ کے چلے جاتے تھے

خاک کو نرم بھونپوں سے سوا جانتے تھے روکھ کی چھاؤں کو نہ نمل ہما جانتے تھے

مل گیا جو اسے انعام خدا جانتے تھے نہ بُرا جانتے تھے اور نہ بھلا جانتے تھے

طاعت نفس فرومایہ سے آزاد تھے ہم

ساگ اور پات پہ گزراں تھی اور شاو تھے ہم
 تھی سفر میں نہ سواری کی ضرورت زہناں طے انھیں قدموں سے کرتے تھے ہر اک گز راہ
 کھانے پینے کو نہ تھے غفلت بلوریں درکار انھیں ہاتوں پر روئوش کا تھا اپنی مدار
 شرم آتی تھی نہ بل چوت کے کھانے سے ہمیں
 عیب لگتا تھا نہ کچھ ڈھور چرانے سے ہمیں
 تھک کے محنت سے جو ہم بھوک میں کھاتے تھے طعام دیتے تھے کلمہ بریاں کا مرزا گندیم خام
 دست بازو کی بدولت تھا ہمیں عیشِ حلام خوب کھتے تھے مشقت میں ہمارے آیام
 پیٹ کے مارے کہیں سر نہ جھکاتے ہم تھے
 آبرو نفس کی خاطر نہ گنوا تے ہم تھے
 کرنے پڑتے تھے ضیانت میں نہ بجا سالان نان جو کھاتے تھے خوش ہو کے ہمارے مکان
 تھا بناوٹ کا پتہ اور نہ مختلف کا نشان ایک قانون کے پابند تھے دل اور زبان
 طبل ظاہر کی نمائش کے نہ بچتے تھے وہاں
 جو برستے تھے زیادہ نہ گرجتے تھے وہاں
 آمدِ موسم گل میں تھا عجب لطف ہوا آندھیوں نے کئے انجام کو طوفانِ برہا
 چشمہ نزدیک تھا منج سے تو تھا عین صفا جتنا بڑھا گیا ہوتا گیا پانی گدلا
 مٹے مٹے اثرِ صدق و صفا کچھ نہ رہا
 آخری دور میں تلچھٹ کے سوا کچھ نہ رہا
 اے جہاں اے روشیں تازہ بدلنے والے نیت نئی چال نئی ڈھال سے چلنے والے

موم کی طرح ہر اک سانچہ میں ٹھٹھلے والے روز ایک سانگ نیا بھر کے نکلنے والے
آج کچھ اور پہلے کل اور کتنی کچھ شان تری

ایک سے ایک نہیں ملتی کہیں آن تری
اک زمانہ تھا کہ ہم وزن تھے سب خرد و کلہا لہلہاتی تھی بنی نوع کی کھینچی بایساں
ایسا اسلوب پچھی گردش پر کار زماں شہر ویرانہ و آباد میں تھا ایک سماں
قدر و قیمت میں نہ تھا فرق کسی کی اصلا

کوئی بلکہ تھا ترازو کا نہ اوسنچا نیچا
ایک سے ایک نہ کم تھا نہ زیادہ سہ سہ سب تھے ہم ایک ترائی کے دخت خود رو
عاجتیں لے کے کسی در پہ گئے تھے نہ کبھیو نہ زمیں بوس کی عادت تھی نہ تسلیم کی خو
دست قدرت کے سوا سہ پہ کوئی ہاتھ نہ تھا

ایک قبلہ تھا کوئی قبلہ حاجات نہ تھا
ناگماں جو ر و غلب کا آگ اٹھا طوفاں جس کے صدمہ سے ہوئی زیر و زبر نہ تھا
اتویا ہاتھ خفیفوں پہ لگے کرنے رواں بکریوں کو نہ رہی بھٹیروں سے بجائے ماں
تیز و نہراں ہوئے جنگل میں غزالوں پر لنگ
چھیلیوں پر لگے منہ کھولنے وریا میں نہنگ

حق نے شاکستہ ہر باب بنایا تھا ہمیں ایک ہی دام میں پھنسا نہ سکھا یا تھا ہمیں
رستہ ہر کوچہ و منزل کا بنایا تھا ہمیں زینہ ہر بام پہ چڑھنے کا دکھایا تھا ہمیں
ایسا کچھ بادۂ غفلت سے کیا متوا لا
طوق خاست کا لیا اور گلے میں ڈالا

در مخلوق کو ہم لمجاؤ ماویٰ سمجھے طاعتِ خلق کو عسز کا تمغہ سمجھے
پیشہ و حرفہ کو اجلانہ کا شیوا سمجھے ننگِ خدمت کو شرافت کا تفاضل سمجھے

عیب گننے لگے بخاری و حدادی کو

بیچتے پھرنے لگے جو ہر آزادی کو

نوکری ٹھہری ہے دیکے اوقات اپنی پیشہ سمجھے تھے جسے ہو گئی وہ ذات اپنی
اب ندون اپنا راہ اور نہ رہی رات اپنی جا پڑی غیر کے ماتحتوں میں ہر اک بات اپنی

ہاتھ اپنے دل آزاد سے ہم دھو بیٹھے
ایک دولت تھی ہماری سوائے کھو بیٹھے

کرتے ہیں قصد تجارت تو گرہ میں نہیں نام دست کاری کو سمجھتے ہیں کہ ہے کارِ عوام
نہیں بل جوتے ہیں راحتِ آرام کا نام بننے پھرتے ہیں اسی واسطے اک اک کے غلام

نظر آتی نہیں مطلب کی کوئی گھات ہمیں

وہ پڑا نقشہ کہ ہر چال میں ہے مات ہمیں

ایک آقا ہو تو خدمت کا ہوتی اسکی ادا ایک افسر ہو تو حکم اس کا کوئی لائے سجا
زید کی رائے خدا عمر کی تجویز جدا ایک بندہ کو بھگتنے کوئی پڑتے ہیں خدا
بھاگو خدمت سے کہ اچھا نہیں انجام اس کا

جس کا پتھر کا کلچہ ہو وہ سے نام اس کا

کہیں بہتان کا اندیشہ کہیں نیم گناہ کہیں غماز کا دھڑکا کہیں غوثِ بخواہ
چھیلے روز وہ افسر کہ نہو جن سے نباہ خدمت اک بار گراں ہے کہ عیاذُ باللہ

پڑے پتھر پہ تو پتھر میں گرائی نہ رہے
 گزرے دریائے تو دریا میں روانی نہ رہے
 آتی ہیں نوکروں کے سر پہ بلائیں اکثر
 بے سبب اُن پر گزرتی ہیں جنائیں اکثر
 ماننی پڑتی ہیں ناکردہ خطائیں اکثر
 سامنے جاتے ہیں پڑھ پڑھ کے دعائیں اکثر
 غیرت آئی جنہیں وہ ٹھہرنے پاتے نہیں یہاں
 جو کہ عاقل ہیں کبھی کان ہلاتے نہیں یہاں
 کیجئے فرض کہ ہے زید بڑا منصب دار
 اور عمرو اُس کا ہے اک بندہ فرمانبردار
 فرق دونوں میں نہیں اسکے سوا کچھ زہار
 کہ یہ سیلا ہے وہ اُجلا یہ پیادہ وہ سوار
 ورنہ انصاف سے دیکھو تو ہیں نوکروں و نول
 قید میں عجز میں ذلت میں برابر دونوں
 عمر و کرتا ہے اگر اُس کا ادب اور تنظیم
 کرنی پڑتی ہے اُسے بھی کمین چھب کر تسلیم
 زید کی جھڑکیوں سے گر ہے دل عمرو دینم
 جا کے سنتا ہے کہیں زید بھی الفاظِ یقیم
 باجی احمق اُسے کہنے کا اگر ہے دستور
 ڈام فول اُس کو بھی سُنا کہیں پڑتا ہے ضرور
 رکھتے ہیں حضرت المناں جو بڑائی میں قدم
 گاؤ خزان سے ہیں کیا جانے کس بات میں کم
 مالکوں کے اُنھیں گر جھیلنے پڑتے ہیں ستم
 ذلتیں اُن کے لئے بھی ہیں مہیا ہر دم
 ننگِ خدمت کی حقیقت کو بٹ کر سمجھ
 چاکروں کو گدھے اور بیل سے بدتر سمجھ

کھیت سے اپنے بچھڑنے کا ہے گرا نکو ملال مدتیں گزریں کہ لوٹا گیا یہاں عیش وصال
 نوکری نے جو ہیں دکھلایا طلسم اقبال چھوڑ کر شہر و وطن کو ہوئے جو یائے محال
 گھر ٹھٹھایا راجھے خوبش و بیگانہ چھوٹا
 ایک ذلت ملی اور سارا زمانہ چھوٹا

اُن کی گردن ہیں اگر قید کی رسی ہے پڑی اپنے بے بال و پری کی بھی کہانی ہے پڑی
 تازہ حُکموں کی لگی رہتی ہے ہر وقت جھڑی نہیں خالی کوئی ساعت کوئی پل کوئی گھڑی
 مرغ بے پر کی طرح قیدی صیاد ہیں ہم
 کیے پھر کونسی حجت سے کہ آزاد ہیں ہم

ہوتے ہیں فرطِ شقت سے اگر وہ رنجور مالک اُن کی شکرانی میں نہیں کرتے قصور
 دیکھ لیتے نہیں جلتک کہ ہوئے روگ نے در رکھتے ہیں محنت و تکلیف سے اُن کو معذور

جاتے ہیں یہی دھن ہے یہی دولت اپنی

دم سے وابستہ انھیں کے ہے معیشت اپنی

اپنی گر جان پہنچائے شقت سے یہاں نہیں اُمید کہ گزرے کسی خاطر یہ گراں
 مطمئن ہیں کہ بے مزدوروں کا دنیا میں سماں نہ ہوا ایک توڑکتی نہیں تعمیرِ سماں
 پھرتے ہیں بیٹ کی یہاں دیتے دہائی لاکھوں
 گز نہیں آپ تو ہیں آپ کے بھائی لاکھوں

حق کسی کا نہیں ماتحت ہو یا ہوا فسر ایک سے کام لیا ایک کو سونپا دفتر
 یہی گھر بدایاں رہتی ہیں یہاں شام و صبح فی المثل ایک کرایہ کی دکان ہے نوکر

رہے جب تک کسی بنیاد میں آ یا نہ خلل
 لگی جب بیٹھنے لی جا سکے کہیں اور بدل
 نوکروں سے ہیں بہانہ کہیں رتبہ میں سوا کہ نہیں خدمت پہنچس کا ان پر وہ سب
 گائے ہوئیل ہو گھوڑا ہو کہ ہواس میں گھٹا ایک کو ایک کا تابع کہیں دیکھنا نہ سنا
 کسی مخلوق کو رتبہ نہ خدا نے سخت
 جو غلاموں کو شرف عجل رسائے بخشا
 اس سے بڑھ کر نہیں ذلت کہ کوئی شان یہاں کہ ہو جنس کی ہجنس کے قبضے میں عنان
 ایک گائے میں کوئی بھیڑ ہو اور کوئی شہ باں نسل آدم میں کوئی ڈھور ہو کوئی انسان
 نا آواں کھڑے کوئی کوئی تنو مند بنے
 ایک نوکر بنے اور ایک خاوند بنے
 ایک ہی تنم سے پہلو بھی ہو شمشاد بھی ہو ایک ہی اصل سے سرو بھی ہو مراد بھی ہو
 ایک ہی ڈار میں آہ بھی ہو تباہ بھی ہو ایک ہی نسل سے بندہ بھی ہو آزاد بھی ہو
 ایک ہی سبزہ کہ جوانہ بھی ہو خشک بھی ہو
 ایک ہی قطرہ خوں ریم بھی ہو مشک بھی ہو
 ایک وہ نہیں کہ نہیں غیر کے فرمانبردار اپنی ہر بات کے ہر کام کے خود ہیں مختار
 نہیں سرکار سے دربار سے ان کو سر و کار جس جگہ بیٹھ گئے ست وہی ان کا دربار
 گرد تو انگر ہیں تو دس میں ہیں ان کے محکوم
 ورنہ خدام ہیں کسی کے نہ کسی کے محذوم

حکم سے کوئی نہیں اُن کا بلانے والا جبر سے کوئی نہیں اُن کا دبانے والا
 بیٹھ جائیں تو نہیں کوئی اٹھانے والا سو رہیں جب تو نہیں کوئی جگانے والا
 اُٹھ کے جلدیں تو نہیں روکنے والا کوئی
 اُٹے پھر جائیں جو ہو ٹوکنے والا کوئی
 ایک وہ ہیں کہ زمانہ کرے انصاف اگر اور کھل جائیں کمالات بھی اُنکے سب پر
 جو ہری جو ہیں سب اُنکے پھولیں جو ہر کامیابی نہیں اُن کے لئے اس سے بڑھ کر
 کہ سدا قید رہیں مرغِ خوش الحان کی طرح
 جا کے باب جائیں کہیں پوسٹ کنگاں کی طرح
 دیکھ لیں جب اُنھیں بہ علم و ہنر میں یکتا شرفِ ذات میں اور اصل و گھر میں یکتا
 زور بازو میں بلند بی نظیر میں یکتا الغرض جملہ کمالات بشر میں یکتا
 اور پھر اُس پہ مددِ طالعِ سیدار کی ہو
 نسب، نصیب، اُن کو غلامی کسی سرکار کی ہو
 ورنہ رات بھر میں پتھر کر کے کھاتے در در سندیریا چٹھیاں پروانے دکھاتے در در
 چاہے سدا کی ایک اک کا قبضہ ہاتھ در در ذائقہ نفس کو ذلت کا چکھاتے در در
 تاکہ ذات سے بے سر کرے کی عادت ہو جائے
 نفس جس طرح بسنے لائقِ خدمت ہو جائے
 کوئی دفتر نہیں اور کوئی کچھری ایسی کہ جہاں گزری ہو ایک آدھ نہ عرضی آنکی
 سستے مشرق میں ہیں اگر کوئی اسامی خالی قافلے ہوتے ہیں مغرب سے اُسی دم راہی

برہوں اس پر بھی گزر جاتے ہیں بے نیل و ملام
 کوئی آقا نہیں ملتا کہ سنیں اُس کے غلام
 تنگ ہوتے ہیں تو تقدیر کا کرتے ہیں گلا کبھی پھرتے ہیں گردش کو زمانہ کی بُرا
 کبھی سکار کو کہتے ہیں کہ ہے بے پروا کبھی فراتے ہیں یہ ہو کے شیت سے خفا
 وعدہ رزق میں سنتے تھے کہ ہوتی نہیں دیر

پھر جو نوکر نہیں ہوتے تو یہ ہے کیا اندھیر
 جانتے ہیں کہ ہے جس رزق کا ہم سے وعدہ اُس کا حیلہ نہیں بیاں کوئی غلامی کے سوا
 اور دروازے ہوئے بند سب اُن پر گویا اب فلک پر لٹھیں لہجائے زمیں پر مادی
 کام ہوتا کوئی اور اُن سے سرانجام نہیں
 جس طرح ہیل کو جتنے کے سوا کام نہیں

جن کے اسلاف نے تھا قوم کا دیکھا اقبال یا کرتے ہیں جب اسلاف کا وہ جہاد و جلال
 پاتے ہیں اُن کو عنایات سے شاہنوی نہال مال و دولت سے انھیں دیکھتے ہیں بالمال
 ایک کی ایک سے پاتے ہیں فزوں تر تو قیر

کوئی بخشی کوئی دیوان کوئی صدر کسبیر
 دیکھتے جب ہیں کہ دم ساز تھے اُن سے آیام بادہ عیش سے لبریز تھا جام اُن کا نام
 کہتے ہیں خدمت سلطان میں ہے اعزاز نام اس لئے ہم نے لیا پیشہ آبا کے کرم
 دیکھیں ہونہ ڈال کے گرا اپنے گریبان میں وہ
 عمر برباد کریں پھر نہ اس ارمان میں وہ

ہنس کی چال حماقت سے چلا جو کوا اپنی بھی چال گیا بھول بقول حکما
 بیرونی کرتے ہیں اسلام کی اب جو حقا وہ نہیں جانتے رنگ آج زمانہ کا ہے کیا
 اپنا کیا حال ہے اسلاف کی حالت کیا تھی
 اپنی توقیر ہے کیا اُن کی وجاہت کیا تھی
 سلطنت کے وہی اعضا تھے وہی تھار کا اُن سے ہر حال میں دربار کو تھا اطمینان
 رقی اور رقی کی ہاتھوں میں انھیں کتنی غلغلہ طبل و نثارہ انھیں کا تھا انھیں کا تھا نشان
 تھے وہی قائد شکر وہی دفتر کے دبیر
 تھے وہی شرع کے مفتی وہی دولت کے مشیر
 مشورت اُن سے ہر اک بات میں لیا جاتی تھی جستجو اُن کی تہات میں کی جاتی تھی
 رخصت خلوت و جلوت انھیں دیا جاتی تھی سب بھی اور بھلی اُن سے کسی جاتی تھی
 ڈھونڈ ڈھونڈ اُن کو بلاتے تھے حکومت کے لئے
 خدمت اُن کے لئے تھی اور وہ خدمت کے لئے
 اُن کی نسلوں کی بھی کیا آج یہی ہے توقیر نوکری کے لئے پھرتے ہیں جو کرتے تدبیر
 کاش سوچے انھیں جو بیٹا رہے ہیں وہ کبیر کاش سمجھیں کہ ہر کس دہم کے چھندے ہیں آسیر
 بجا گواں آیا تھا جو قوم یہ وہ سال گیا
 گئے منصب بھی جہاں قوم کا اقبال گیا
 اب جب ارنسب پر نہیں نازش کا محل گردش دھرنے دی صورت احوال بدل
 خاندانوں کی خدیووں کے گڑھ ٹھیک نکل کسی قابل نہ رہے شیخ نہ سید نہ مغل

گر گئے جوئے پندار کے تھے متوالے
 بڑھ گئے پیشہ و مزدوری و محنت والے
 جن کو منظور ہے شکل کو نہ دشوار کریں چاہئے سعی و مشقت سے نہ وہ عمار کریں
 ہو پیشہ جس سے وہ خدمت سرکار کریں ورنہ مزدوری و محنت سر بازار کریں
 آبرو اس میں ہے شان اس میں ہے عزت اس میں
 فخر اس میں ہے شرف اس میں شرافت اس میں
 پیشہ سیکھیں کوئی فن سیکھیں کشتکاری کریں آئین فلاحت سیکھیں
 گھر سے نکلیں کہیں آداب سیاحت سیکھیں الغرض مزین جرات و قہمت سیکھیں
 کہیں تسلیم کریں جا کے نہ آداب کریں
 خود وسیلہ بنیں اور اپنی مدد آپ کریں
 بیٹا عمران کا وہ مخمس زنی اسرار میں ہم سخن جس سے ہوا طور پر خود رستہ میں
 جس سے فرعون کے لشکر کو کیا نوار و زل جسکے خود دہشت و عصا میں تھی رسالت کی لیل
 گاہ بانی کے لئے پایا جو ایسا کسے شفیق
 بکریاں اتنے نے چرا لئے ہیں نہ سمجھا کچھ عید
 انبیاء پریشہ پر گزراں سرا کرتے رہے ادراہ خلق کی طاعت سے باکرتے رہے
 خدا پرست جنس سے نفرت کما کرتے رہے عاتقیں آپ ہی سب اپنی روا کرتے رہے
 اپنے ہاتھوں سے ہر اک کام بیڑا اپنا
 کھینچ کر لے گئے خود موج سے بیڑا اپنا

کی ہے مردوں نے اسی طرح سے دنیا پر گزند ہوئی تکلیف سے یا چین سے اوقات بسر
 نہ ہوئے غیر کے تازہ نیست کبھی دست نگر جب پڑی اپنے ہی بازو پر پڑی جا کے نظر
 گئے دل جمع یہاں سے کہ پریشان گئے
 پرز مانے کے نہ شرمندہ احسان گئے
 ہوئے کھالی سے نہ دنیا میں کہیں ہرزہ سرا خود ہیں گمراہ مگر قوم کے ہیں راہ نسا
 جھکے جھکے ہوئی پشت کی خدمت میں قوما اس پہ پہنچے پیر سے آزادہ روی کا دعویٰ
 بات کہتی وہی زیبا ہے کہ جس میں اثر
 ورنہ سبے ہر نہ نصیحت سے خموشی ہستہ

تکریم پیر و مرسلہ مسلمانان واقع علی گڑھ

ترجمہ ۱۸۸۰ء

جھڑ پھٹے کے وقت گھر سے ایک ٹٹی کا ریا ایک بڑھیا نے سر راہ لاکے روشن کر دیا
 تاکہ رگھیرا در پردیسی کہیں ٹھوکر نہ کھائیں راہ سے آساں گزرجائے ہر گسچھوٹا بڑا
 یہ دیا ہستہ ہے ان جھاڑوں سے اور اس پیک روشنی محلوں کے اندر ہی رہی جن کی سدا
 گزرتی کہ ایک ذرا محلوں سے باہر دیکھئے ہے اندھیرا گھپ در دیوار پر چھایا ہے
 ستر خروا فاق میں وہ رہا میسنہاڑیں
 روشنی سے جن کی ملاحوں کے ٹپے پار ہیں

ہم نے اُن عالی بناؤں سے کیا انشروٹل انکاراجن سے اُن کے بانیوں کا ہے جلال
 شان و شوکت کی تمھاری مہم ہے آفاق میں دور سے آ کے تم کو دیکھتے ہیں بالکمال
 قوم کو اُس شان و شوکت سے تمھاری کیللا دو جواب اس کا اگر لکھتے ہو یار کئے مقال
 سزگوں ہو کر وہ سب بولیں زبانِ حال سے ہو سکا ہم سے نہ کچھ الانفعال الانفعال
 بانیوں نے تمھارا بنایا اس لئے گویا ہمیں

ہم کو جو دیکھیں خلف اسلاف کو رو یا کریں
 شوق سے اُس نے بنایا مقبرہ اک شاندار اور چھوڑا اُس نے اک ایوانِ عالی یادگار
 ایک نے دنیا کے پودے باغ میں اپنے لگائے ایک نے چھوڑے دیئے سیم و زر کے بیشمار
 ایک محبت قوم نے لیے مبارک ہاتھ سے قوم کی تعلیم کی بنیاد ڈالی استوار
 ہو گی عالم میں کہو سرسبز یہ پھلی مراد یا وہ اگلوں کی امیدیں لائیں گی کچھ برگ بار

چشمہ سر جیوں ہے جو بہتا رہ گیا یہاں وہی
 سب اتر جائیں گی چڑھ چڑھ ندیاں برسات کی
 دور سے اُمید نے جھلکی سی اک کھلائی ہے ایک کشتی ڈوبتے بیڑے کو لینے آئی ہے
 قوم کے پیرو جواں سب ہو گئے تھے مردہ دل دردمندی جوش میں چند اہل دل کو لائی ہے
 پاؤ گے تاریخ میں ہرگز نہ تم اسکی مثال سلطنت نے قوم کی جو بیاں مدد فرمائی ہے
 غیر قوموں نے بھی کی ہے شرطِ ہرودی ادا یہ بنا چلتی ہو آناک کو بھی دل سے بھائی ہے

آؤ ہم بھی اسے عزیز و مقنن سمجھیں اسے
 اک ضروری کام اپنا کم سے کم سمجھیں اسے

یہ مبارک گھر نزولِ خیر و برکت ہے جہاں جس کی پیشانی سے ظاہر ہیں سعادت کے نشان
یہ نہالِ تازہ جس کو اک زمینِ شور میں خرم و سرسبز کرنا چاہتے ہیں باغبان
یہ میحانی علاج اُس درد بے درداں کا ہے لادوا ٹھہرا چکے جس کو اطباء نے زماں
یہ نمونہ اُس عزیزِ مہر کا جس نے ستم جن کے ہاتھوں سے دی تخت سے اُٹھوا
عمدہ پہاں لے عزیزِ وقتم سے کچھ کرنے کو ہے

قوم کو پھر برکتیں بے انتہا دینے کو ہے
آرہی ہے اُس مکاں کے گوشہ گوشہ سے صدا
ہے کوئی اکسیرِ نیا میں تو ہوں اکسیر میں اور اہلِ کیمیا کچھ ہے تو میں ہوں کیمیا
ہات آجاتا سکندر کو اگر میرا سراغ چھوڑ دیتا جستجوئے چشمہ آبِ بقا
میرے جو حامی ہیں انکی یوں تھیلکی کوشش ایک دانے سے ہوں غشے جس طرح بے انتہا
ہے عبث اگر قوم نے بے وقت پہچانا مجھے

برکتیں اُن پر جنہوں نے وقت پر جانا مجھے

اُن سے کہڑ قوم میں ہیں جو کہ عالی خاندان یا جنہیں جاگیر و منصب پر ہے ناز و بیکراں
کیا لئے بیٹھے ہو فخرِ منصب و جاگیر کو منصبِ جاگیر میں سب کوئی دیکھے میہاں
تم نہیں تمہیں بڑھکر تعلق و تیسور سے تنگ ہیں آج انکی نسلوں پر زمین و آسماں
چھوڑ جاؤ واسطے اولاد کے کوئی سپر درندہ دار اپنا کرے گی گردشِ دورِ زماں

آؤ باندھو عہدِ مجھ سے اور میرا ساتھ دو

میرا سودا نقد ہے اس بات دد اس بات لو

میں تمہیں ملتی سے پہنچاؤنگا تاہم کمال
میں بناؤنگا تمہارے کام سب بگڑے ہوئے
میں تمہیں دیکھونگا جب کہ تمام لوگ اسنیہال
میں جھکاؤنگا زمانہ کی تمہیں سب جھال ڈھال
میں سدا کرتا رہونگا ان کی نسلوں کو نہال
چاہو دارالکفر سمجھو مجھ کو یا دارالضلال
میں دکھاؤنگا کہ جو دشمن تھے میرے نام کے
تھے حقیقت میں وہ دشمن قوم اور اسلام کے

ملک میں عزت سے رہنا میں کھاؤنگا تمہیں
قابلیت تم میں بڑھنے کی ہے دیکھو کہ قدر
تیب یہ سمجھو گئے کہ ہم ہوتے تھے کب کے جینر
یا دھوکا تم کو وہ کھویا ہوا اپنا خطاب
مجھ کو دیکھو گر مرے دشمنوں میں ہو کچھ اشتباہ
روز روشن آپ اپنی روشنی پر رہے گواہ

بارک اللہ علیہ ریاض علم لے عین الحیات
ہو افروز اب روشنی تیری دلیل کاروں
تو ہم سے تو بھی یوں جہل اور تعصب کو مٹا
چھوڑ دیا میں گے جہاں میں جو کہ تجھے جیسے نہال
ہے ہر اس تختہ دولت کی خدائیں تیرے ہاتھ
چار سو کالی گھٹا چھائی ہے اور کالی ہے رات
جس طرح دین جہنم سے مٹے لائے منات
چھوڑ جائیگے وہی کچھ باقیات الصالحات

ایک باہمت جماعت جب سے تیرے ساتھ ہے

ہم سمجھتے ہیں تیرے سر پر خدا کا ہات ہے

تو سرا آ بارہ اے قوم کی اُمید گاہ اے یگانوں اور بیگانوں کے یکساں خواہ
 دیکھتے ہیں غیر حیرت اور تعجب سے تجھے قوم نے اب بھی اگر سمجھا نہ تجھ کو آہ آہ !
 اپنے حامی آپ پیدا کر کہ کوہ سر بلند اپنی یونجی سے ہے آپ اپنے لئے پشت پناہ
 خیر کی اُمید رکھنی۔ ہے عبث اُس قوم سے آپ کو جس نے کیا ہوا اپنے ہاتھوں سے تباہ
 چارہ آخر کچھ نہیں حالی بخیر صبر و سکون
 کر دعا اب اھل قومِ الْفُحْشِ لَا یُؤْمِنُوْا

تَصَبُّعُ الصَّافِ

مرتبہ ۱۸۸۲ء

یا وہ ہے ہم کو وہ عالم اپنا
 اپنی جو بات تھی خوش آتی تھی
 اپنی ہر آن پہ ہم مرتے تھے
 اسے انداز کے سودا کی تھے
 کان کو اپنی ہی بھاتی تھی الاپ
 آپ خوبی پہ تھے اپنی ہفتوں
 جس جزیرہ میں ہوئے تھے پیدا
 روم کی تھی نہ خبر شام کی تھی
 جب کہ ہم آپ تھے اپنے یہ قدر
 اپنی ایک ایک ادا بھاتی تھی
 اپنی رعنائی کا دم بھرتے تھے
 اپنے جلوے کے تماشائی تھے
 سر دھنا کرتے تھے ہم آپ ہی آپ
 خود ہی لیلیٰ تھے ہم اور خود محبوبوں
 اپنی لے دے کے وہی تھی دنیا
 آگہی طوس نہ بسطام کی تھی

تھے تماشا ئی و شیت پڑ خا ر
پی کے شور آب ہی ہوتے تھے بحال
نالہ زلغ و زعن پر تھے صدا
سیرو انگوزہ کی بو پر تھے نثار
پرنیاں جانتے تھے کنبل کو
او پری تھی نہ سنی بات کبھی
ہم بسر کرتے تھے جس عالم میں
رُخ ہوا کا نہ بدلتا تھا کبھی
ایک ہی فصل پہ تھا دار و مدار
ایک سے رہتے تھے دن رات صدا
تھی سمجھ پیر و جواں کی یکساں
رکھتے تھے ایک سبق از برباد
واں نہ تھی حد بلوغ صبیاں
نئی بولی کا وہاں صرف نہ تھا
تھے خدا کے وہی ننانوے نام
اہل دولت کی نہ تھی عام عطا
تھا نہ دینداروں کو غیروں سے لگاؤ
دعوت غیروں کے تھے سب بے صرفہ

کبھی گلشن کی نہ دیکھی تھی بہار
کہ نہ چکھا تھا کبھی آب زلال
نہ سنی تھی کبھی ببل کی صدا
کہ نہ برتا تھا کبھی مشک تثار
کہ نہ برتا تھا کبھی محفل کو
بدلے دیکھے تھے نہ دن رات کبھی
واں سماں ایک تھا ہر موسم میں
موسم آکر نہ نکلتا تھا کبھی
واں خزاں جا کے نہ آتی تھی بہار
آسماں کو تھی نہ گردش اصلا
عقل تھی خرد و کلاں کی یکساں
بتدی منتی شاگرد استاد
پیر بالغ تھے نہ بالغ تھے جواں
تیس حرفوں کے سوا حرف نہ تھا
اور لبنا تھا وہاں نام حرام
ایک ہی سمت برتی تھی گھٹا
ایک ہی سمت تھا رحمت کا جھکاؤ
فیصلے ہوتے تھے نہ یک طرفہ

راستی کا تھنا نہ غیروں پہ گماں
 تھا عناصر میں نہ وہاں آگ نہ بار
 جس و حرکت کے کوئی پاس نہ تھا
 تھی دھڑوں کو نہ وہاں نشو و نما
 گل شکستہ تھے نہ پودے شاداب
 وہی مرغوب تھی وہاں پوشش تن
 تھے پسندیدہ اُسی شان کے گھر
 اُسی انداز کے چلتے تھے جہاز
 تھی اُسی نسخہ پہ موقوف شفا
 ٹوٹ سکتی تھی نہ وہاں راے قدیم
 وہاں کسی طرح نہ ممکن تھا خلا
 گھوڑے دوڑائے تھے اُکلوں نے کہا
 کی تھی جس جاذبہ نے منزل
 علم و فن، تھے نئے سارے مردود
 نئی لذت سے تھی ہر طبع نفور
 سب کی گدڑی پہ لگی تھیں آنکھیں
 پیچھے گرد دیکھتے تھے ریگستان
 آگے ہوتا تھا اگر چشمہ آب
 حق نہ دائر تھا فریقین میں وہاں
 خلق سے ایک سوئی مٹی تھی مراد
 وہاں کا حیوان بھی حساس نہ تھا
 چلنے پائی تھی نہ ٹکشن میں ہوا
 وہاں زمانہ پہ نہ آتا تھا شباب
 جس سے آدم نے چھپایا تھا بدن
 کی تھی حوائے جہاں عمر بسر
 کشتی نوح کا جو تھا انداز
 جو تھا بقراط نے ترتیب دیا
 تھا ایٹ لکھ گئے جوا گلے حکیم
 وہاں نہ پانی تھا مرگب نہ ہوا
 وہی جولا نکہ مردم تھی وہاں
 بڑھنے پاتے تھے نہ وہاں سے محل
 عیب کے وہاں تھے خزانے محدود
 نعمتیں حق کی وہاں تھی محصور
 کچھ نہ آگے نظر آتا تھا آنکھیں
 سو جھٹا تھا آنکھیں وہ آب رواں
 وہ سراسر نظر آتا تھا سراسر آب

روشنی رکھتی تھی اُن سے اُن بن
 تھا لکیر اپنی پہ ایک ایک فقیر
 رسم و عادت نہ بدلتی تھی وہاں
 آگ وہاں بجھ کے شگفتی کم تھی
 شان میں وہاں نہ سنا تھا حق کی
 وضع میں تھا نہ تنیستہ خو میں
 سمجھا جاتا وہ دل بے فرماں
 بات مشکل تھی دلوں سے جانی
 غیر کی بات خطا اپنی معواہ
 چڑھ کے گرسخت کو جاتے تھے کہیں
 تھی وہاں حق کی یہی ڈفینیشن
 اُسی عالم میں پلے تھے ہم بھی
 جیسے خفاش سے سورج کی کرن
 دل پہ ہر نقش تھا پتھر کی لکیر
 برف جم کر نہ پگھلتی تھی وہاں
 اور سلگتی تھی تو لگتی کم تھی
 کل یوم ہونی شان کبھی
 جاے دل نہ تھا ہر پہلوں
 مہر جس دل پہ نہ ہوتی تھی وہاں
 نقش تھے دل کے خط پیشانی
 سب سوالوں کا تھا وہاں ایک جواب
 فتح کا پہلے سے ہوتا تھا یقین
 موند سے جو اپنے نکل جائے سخن
 اُسی ساون کے تھے اندھے ہم بھی

جانتے تھے کہ کہاں میں ہم پر
 حق نے جو ہم پہ کئے ہیں احسان
 سب سے ہر بات میں ہم ہیں افضل
 اپنے حصّہ میں ہے ساری تہذیب
 جو قدیم اپنا چلن ہے اور چال
 ختم ہیں سارے کمالات بشر
 اُن سے محروم ہے نوع انساں
 اب نہیں کوئی ترقی کا محل
 خانہ پرور ہے ہماری تہذیب
 خرد گیسری کی نہیں اُس میں مجال

پہلے بری عیب سے خوراک اپنی
 رسم اپنی نہیں سچا کوئی
 آدمیت کے ہمیں ہیں مصداق
 سب سے عالی ہیں خیالات اپنے
 ہم چلے جاتے ہیں جس رستے پر
 تھے سمائے ہوئے جو دل میں خیال
 جس کو اک بار بُرا جان لیا
 ٹوٹی تھی نہ کبھی اپنی دلیل
 وہم و شک کی کوئی صورت ہی نہ تھی
 جو بدلتی تھی نہ بدلی تھی کبھی
 ہم سمجھتے تھے نہ سمجھانے سے
 سچ وہی تھا جسے سچ جان لیا
 حق و باطل کی یہی تھی میزان
 ذات باری کو نہیں جیسے زوال
 کو ہٹ جائے تو یہ تھا مسکن
 حُسن ظن تھا یہ سمجھ پر اپنی
 تھے لڑکپن کے خیالات تمام
 دیکھتے سنتے تھے جو اس کے خلاف

پاک دھتے سے پہلے پوشاک اپنی
 طور اپنا نہیں بھونڈا کوئی
 ہم سے سیکھے کوئی حُسنِ اخلاق
 سب مسلم ہیں کسالات اپنے
 واں نہ کھٹکا ہے کہیں کا نہ خطر
 تھا قصور بھی خلاف اُن کے محال
 عمر بھر پھر اُسے اچھا نہ کہا
 وہی دعویٰ تھا وہی اپنی دلیل
 ہم کو تحقیق کی حاجت ہی نہ تھی
 رائے ایسی تھی پسند ایسی تھی
 اور الجھ جاتے تھے سلجھانے سے
 جھوٹ تھا جھوٹ، جسے مان لیا
 جھوٹ اور سچ کی یہی تھی پہچان
 رائے اپنی بھی بدلنی تھی محال
 ہم نہ ہٹتے تھے جگہ سے لیکن
 غلطی کا تھا گماں تک نہ کبھی
 دل میں اُترے ہوئے شکل الہام
 نظر آتا تھا وہ سب لاف و گراف

تھی نئی بات سے یہاں تک نفرت
 ہوئی تھی کہ جو پا لیتے تھے
 عقل کی کھیں نہ صلاحیں مقبول
 فکر پر زور نہ ڈالا تھا کبھی
 جو کہ تھا اپنی کت ابوں میں لکھا
 جو کہانی تھی بزرگوں نے کہی
 تھا لباسوں میں لباس اپنا لباس
 تھی زباں اپنی زباں پا کاں
 جلوہ دہر کا باقی تھا نہ ہوش
 کان میں پڑتی تھی جب بات نئی
 خرق عادت بھی اگر دیکھتے تھے
 نئی آواز سے چونکا اٹھتے تھے
 ساری دنیا سے نرالا تھا مذاق
 اپنی حجت کو قوی جانتے تھے
 تھا نہ قصہ حق و باطل مطلق
 خصم سے بحث اگر کرتے تھے
 کاٹ دی خصم نے جو بات کہی
 خصم کی بات کو کرنا تسلیم
 ہوتی تھی سننے سے پہلے وحشت
 باک بن دیکھے چڑھا لیتے تھے
 تھی وہ سرکار میں اپنی مغزول
 ہوش ہم نے نہ سنبھالا تھا کبھی
 کوئی حرف اُس میں خیر الہام نہ تھا
 تھا وہی فلسفہ اور غم وہی
 اور سب سوختی بے وسواس
 ماسوا اہل حبس کی زباں
 تھے نشے میں یہ خودی کے مدہوش
 غیر ہو جاتی تھی حالت دل کی
 آنکھ اٹھا کر نہ اُدھر دیکھتے تھے
 اوپری شکل پہ بھونکا اٹھتے تھے
 ہم کو تھا زہر بھی اپنا تر یاق
 بات ہر پھر کے وہی مانتے تھے
 جو پڑھا تھا وہی ازبر تھا سبق
 حق سے ہم قطع نظر کرتے تھے
 بحث و تکرار کی غایت تھی یہی
 اپنے نزدیک ہر میت تھی عظیم

حق کا خطرہ جو کبھی آتا تھا
 دشمنی کے ہی خفی تھے کہ جو
 ہم اندھیرے کو اگر کہتے تھے نور
 گر خلافت اپنے کوئی بول اُٹھا
 ذکر غیروں کا نہ تھا بے نفرتیں
 غیر کے واسطے تھی نارِ سعید
 اور تھے حرص و ہوا کے بندے
 بخشنشیں ختم تھیں ساری ہم پر
 نیک اعمال تھے غیروں کے تباہ
 عین تحقیق تھی اپنی تقامید
 تھا بدی کا نہ گناہ کچھ ڈر
 سب دعا گو تھے ہمارے ملکوت
 حوض کوثر پہ تھا قبضہ اپنا
 اپنی ظلمت تھی سراسر تنویر
 رکھتے جنت میں نہ تھے ہم سا بھی
 تھے قضا اور قدر کے مالک

نفس آپ اپنے کو جھٹلاتا تھا
 ہم کہیں بات وہ تسلیم نہ ہو
 دوستوں کو یہی کہنا تھا ضرور
 اُس سے بڑھ کر کوئی بدخواہ نہ تھا
 کوئی مردود تھا اور کوئی لیس
 باغِ فردوس تھی اپنی جاگیر
 ہم تھے مخصوص خدا کے بندے
 وقف تھی رحمت باری ہم پر
 اور مغفور تھے سب اپنے گناہ
 شکر اپنا تھا سراسر توحید
 پاس ایسی کوئی رکھتے تھے سیر
 تھے ہمیں آدم و حوا کے سپوت
 سلسیل اپنی تھی طوبیٰ اپنا
 اپنے اندیشوں کو بھی کہتے تھے بصیر
 غیر ناری تھے سب اور ہم ناجی
 ہم تھے اللہ کے فکر کے مالک

عصیت میں رہے جب تک چوڑ
 کھینچنے یوں ہی رہے آپ کو دُور

نظر آتا تھا نہ کچھ پست و بلند
 دی جب انصاف نے دھنک آکر
 جلوہ علم و لقیس کو دکھا
 رخ حقیقت نے دکھا یا ہر سو
 کی تعصب سے جو ہیں قطع نظر
 علم پر تھا نہ جہاں کوئی تباب
 جھوٹ سے سج نہ تھا آتما تھا الگ
 نکتہ ہیں یا رستے واں یاروں کے
 دور بیگانہ نہ تھا خویش سے وہاں
 عیب سب کہتے تھے اپنے خوش خوش
 تھی شخص کوئی نہ انساں کی زباں
 حق کی پہچان جس نے اخلاص نہ تھی
 ساتھ اغیار کے کھاتے تھے اگر
 صلی الیمپ جلاتے تھے وہاں
 نہ سمجھتا تھا وہاں کوئی بشر
 بھائی انساں تھے سب انسانوں کے
 ایک سعدن کے تھے سب بعل و گھر
 اشعری - معتزلی - لامذہب

تھے ہم ایک کلبہ تار یک میں بند
 حجرہ تنگ سے نکلے باہر
 آسمان اور زمیں کو دکھا
 چاند ناسا نظر آیا ہر سو
 ہوا ایک اور ہی عالم میں گزر
 وضو کا پانی کانہ دیتا تھا سرباب
 دودھ پانی نظر آتا تھا الگ
 قدر واں غیر تھے اغیاروں کے
 خویش اول تھا نہ درویش سے واں
 دودھ وہاں اپنی بھی ہوتی تھی ترش
 گاڑ بھی کہتے تھے اللہ کو وہاں
 حق کی پوشش کوئی وہاں خاص نہ تھی
 کبھی ایساں کانہ ہوتا تھا ضرر
 اتقیا میز پر کھاتے تھے وہاں
 آپ کو نوع بشر سے بہتر
 میت ہندو تھے مسلمانوں کے
 ایک ڈالی کے تھے سب برگ و ثمر
 ایک ماں باپ کی اولاد تھے سب

اپنی ہر رائے پہ کرنا اصرار
 ہٹ سے باز آتے نہ تھے جو نہار
 پاؤں وہاں جن کے پھسل جاتے تھے
 ٹیڑھ وہاں دل کی ٹکسکتی تھی
 دیکھ حجت کو قوی پیر و جواں
 حق کی آواز جہاں آتی تھی
 پاک عقلیں تھیں خطا سے نہ علوم
 غور ہر بات میں کی جاتی تھی
 تھی وہاں عقل معطل نہ حواس
 آنکھ رہ سکتی نہ تھی بن دیکھ
 سو جھتی تھی جو انوکھی کوئی چیز
 سنتے تھے بات نزالی جس دم
 کڑوے اور میٹھے کو چکھ لیتے تھے
 پھول ہر خار سے جن لیتے تھے
 عادتیں سب کی بدلتی تھیں سدا
 عیب جس رسم میں پا لیتے تھے
 اُٹھتی پوشاک جو مل جاتی تھی
 دیکھ لی جس نے کہ شمع کافور

کفر وہاں بس یہی پایا تھا قرار
 تھے وہ بوجہل کی امت میں شمار
 خود پھسل کر وہ سنبھل جاتے تھے
 رائے اپنی بھی بدل سکتی تھی
 بند ہو جاتے تھے بچوں سے وہاں
 مت کروڑوں کی بدل جاتی تھی
 جز نہی کوئی نہ تھا وہاں معصوم
 مشورت عقل سے لی جاتی تھی
 سب توئی کام میں تھے بے وسوس
 کان سننے سے نہ باز آتے تھے
 جانچتی تھی اُسے وہاں حتم تیز
 کتے تھے اُس کو محاک پر بہیم
 کھڑے کھوٹے کو پرکھ لیتے تھے
 بھوک بچوں کے بھی سن لیتے تھے
 ایک اللہ کی عادت کے سوا
 دل وہیں اُس سے ہٹا لیتے تھے
 مل گئے کپڑوں سے شرم آتی تھی
 تھا وہ چکیٹ بھرے ڈپوٹ سے نفور

ہاتھ آجاتا تھا جب مال نسیا
 گر کے ہو جاتے تھے گھر جن کے کلنڈر
 ریت نئی ریت نکلتی تھی وہاں
 قانسے چلتے تھے دن رات تمام
 قبلہ تھا علم الہی اُن کا
 تشریح علم تھے وہاں سب ایسے
 نہ مجبلی یہ قناعت تھی اُنہیں
 عرش تحقیق تھا استعان اُن کا
 دیکھا جب عالم انصاف کا رنگ
 خوبیاں اپنی تھیں جو ذہن نشیں
 عیب سب اپنے نظر آنے لگے
 ہوئی وہ بزم خیالی برہم
 جس کو سمجھتے تھے غلط ہم دریا
 تھا کیا جس کو یقین چشمہ آب
 قنویاں اُن کا گمان تھا جن پر
 تھا سبک دانہ خردل سے سوا
 جب ہر اک قوم کا سماں دیکھا
 نکلا سب ہیچ خیالات اپنے
 آپ کو اونٹ سمجھتا تھا بڑا

پھینک سب دیتے تھے غبارِ دوا
 گھر کی واجب تھی مرمت اُن پر
 رُت سماں روز بدلتی تھی وہاں
 کئی منزل پہ نہ کرتے تھے مقام
 تھا سفرِ ناستنا ہی اُن کا
 پیاسے پانی کے ہوں طالب جیسے
 نہ اشارت کفایت تھی اُنہیں
 مصر تیر تھے قنارہ یونان اُن کا
 ہم کو خود آئے لگا آپ سے رنگ
 اُن چہو کرنے لگے خود دلفنیں
 آپ ہم اپنے سے شرمائے لگے
 تھا طلسمات کا گویا عالم
 اک وہ ناچیسہ سرائطِ نکلا
 وہ نائش تھی حقیقت میں سراب
 نکلا آخر وہ گڑھے اور کلنڈر
 کوہ الوند جسے سمجھا تھا
 ہم نے وہاں آپ کو عریاں دیکھا
 ٹھہرے سب بوج کمالات اپنے
 نکلا جب تک کسی گناہ سے نہ تھا

چوٹیاں آئیں جو پرست کی نظر
 بھٹکا جب تک رہا گول میں نہاں
 پر وہ گول سے جو باہر آیا
 پر وہ جب تک رہا آنکھوں پہ پڑا
 مونہ جب آئینہ میں دیکھا جا کر
 ہوا حیرت سے دگرگوں احوال
 دیکھا جب آپ کو بالکل معیوب
 یک قلم ہو گئی سخوت کا فور
 ناخن فکر نے کی دل میں خراش
 جن کے طغیوں کی تھی ہم پر بھرمار
 ہم نے جانا کہ یہی ہیں دل سوز
 ان کا غصہ ہے سہرا سرِ حمت
 اچھیں بندوں کے ہیں ایاں سچے
 قائم انصاف کا جب ہو گا نشان
 بے خبر کب کے بڑے سوتے تھے
 ان کے طغیوں نے جگایا ہم کو
 یار و انبیار کے عیب اور ہنر
 حق کے جلوے نظر آئے ہر جا

پھر اٹھایا نہ کبھی اونٹ نے سر
 تھا وہی اُس کے تصور میں جہاں
 اپنی ہستی سے بہت شرمایا
 حسن پر اپنے گماں تھے کیا کیا
 ہم کو اک شکل مُہیب آئی نظر
 ڈر گئے دیکھ کے اپنے خط و خال
 چھپ گئے غیروں کے آنکھوں سے عیوب
 بن گیا رشک ہمارا وہ غم و ر
 عیب جو یوں کی لگے کرنے تلاش
 اُن کے ہم دل سے ہوئے شکر گزار
 چل رہے تیریں جن کے دل دوز
 زہر ہیں ان کے بھرا ہے امرت
 یہی کافر ہیں مسلمان سپہ
 مانے جائیں گے انھیں کے احسان
 ان کی آواز سے ہم چونک اُٹھے
 زہر نے ان کے جب لایا ہم کو
 آشکارا ہوئے ایک ایک ہم پر
 اہل باطل میں بھی اک پائی ادا

ملاہر راہ میں باطل کا سراغ
 اہل تقویٰ کی ریائیں دیکھیں
 زشتیاں دیکھیں نکو کاروں میں
 کلمہ کی پاک سرشتی دیکھی
 عیب بھی دیکھے ہنر بھی دیکھے
 ہنر اغیار میں پائے اکشر
 دفترِ علم کو ابتر پایا
 مجالسِ غیبت و ہمتان سے پُتر
 منقطع بھائی کی بھائی سے امید
 پاک بندوں کی زباں پر دُشنام
 فقر و ریا کے پتیلے
 شیخِ عسکار تو زاہد پُرفن
 پیاز کی طرح نرے پوست ہی پوست
 حالتِ القصہ جو دیکھی اپنی
 سارے آوے کو ٹٹولا جا کر
 پایا اک دین کا محکم قانون
 دیکھی آنکھوں سے جو یہ حالتِ زار
 نگو نہ تھا تلخ نوائی کا محسوس

اہل حق کو بھی نہ پایا بے داغ
 اہل حکمت کی خطائیں دیکھیں
 خوبیاں پائیں گنہگاروں میں
 پائے طاؤس کی زشتی دیکھی
 خار دیکھے تو شہر بھی دیکھے
 عیب اپنے نظر آئے اکشر
 علم کو جہل سے بتر پایا
 صحبتیں جھوٹ سے طوفان سے پُتر
 اپنا بیگانہ لہو سب کے سفید
 نہ ثقافت اس سے بری اور نہ کرام
 اغنیاء حرص و ہوا کے پتیلے
 مولوی عقل کے سارے دشمن
 قوم کے دوست مگر ناداں دوست
 کوئی گل پائی نہ سیدی اپنی
 کوئی برتن نہ سڈول آیا نظر
 وہ بھی یاروں کی بدولت مطعون
 جی بھر آیا نہ رہا صبر و قرار
 آپس دو چار گئیں دل سے نکل

تلخ گزرے جو کسی کو یہ صدا
حق میں تلخی کے سوا اور ہے کیا

کلمۃ الحق

رتبہ ۱۳۳۳ھ

اے راست گوئی کیا قہر ہے تو
شے کوئی تجھ سے کڑوی نہ ہوگی
ہے ناگواری پہچان تیری
یاروں کو کرتی اغیار تو ہے
رشتے ہزاروں تو نے توڑے
سقراط کو زہر تو نے دلایا
بے جرم مسموم تو نے کرائے
رنخے عرب میں تو نے نکالے
موسیٰ کو مدین تو نے بھگا یا
تو نے بیٹے میں بخشے ہیں اکشر
مظلوم کتنے تیرے سہارے
غوغخوار لشکر ہیں ساتھ تیرے
تیرے جلو میں رسوائیاں ہیں

اے حق کی تلخی کیا زہر ہے تو
حفظ میں ایسی تلخی نہ ہوگی
الحق مگر ہے شان تیری
چلو اتنی گھر گھر تلوار تو ہے
باپوں سے بیٹے تو نے چھڑائے
شعبہ کو قتل تو نے کرایا
سولی پہ معصوم تو نے چڑھائے
بدرواح میں رن تو نے ڈالے
احمد سے مکہ تو نے چھڑایا
سولی کے اور رنگ کانٹوں کے انہر
ایلی ہی ایلی کہتے سدھارے
رنگیں لہو میں ہیں ہات تیرے
سنگت میں تیری تنہائیاں ہیں

تدبیر ہے تو ناکامیوں کی
 تو آشتی کی رہتی ہے دشمن
 قطع و برش ہے تاثیر تیری
 ہوتی ہے جس جا تو جلوہ گستر
 بڑتی ہے اہل چل ہر مرتل میں
 حق معبود میں ہوتا ہے داخل
 اٹھتا ہے علمہ لات اور صفا کا
 غبار نیوں کا اڑتا ہے ہر جم
 ہوتے ہیں اغیار احمد کے ساقی

تقریب ہے تو بدنامیوں کی
 تو مصلحت سے رکھتی ہے اُن بن
 رہتی ہے تنگی شمشیر تیری
 دفتر بہت سے ہوتے ہیں ابتر
 آتی ہے دنیا اک زلزلے میں
 ہوتے ہیں جھوٹے معبود باطل
 ہوتا ہے گھر پر قبضہ خدا کا
 صفت قطیوں کی ہوتی ہے بہم
 بوجہل کے سب چھٹتے ہیں نانی

اسے راست گوئی اسے تیغ بڑاں
 سب جوشن آگیں مضروب تیرے
 گن تیرے بن پر ناچ رہے ہیں
 اٹھا جہاں سے سیلاب تیرا
 اٹھتی ہیں دل سے جب تیری جلیں
 رہتی ہے بہت اُن کو سہارے
 خرم اُن کی شکل کرتا ہے آساں
 چھا جائے ظلمت کو بھرو بریں

تیرا مخالف کیوں ہو نہ دوراں
 نہ مصلحت پر شب خون ہیں تیرے
 وہ تیری دشمن ہیں آخر ہوئے ہیں
 پھر وہاں کشتی ٹھہرے نہ بیٹرا
 ہوتی ہیں نازل وہاں حق کی فوجیں
 کرتی ہے آسیر پنہاں اشارے
 دل اُن سے لاکھوں کرتا ہے سہماں
 ہے روز روشن اُن کی نظریں

زور اُن پہ تیرے ہیں آشکارا
 غنمت جہاں ہے تیری سہائی
 شاہوں سے گردن جھکتی نہیں وہاں
 اے راست گوئی تو ہے وہ افسوں
 تلخی میں تیری طسرفہ مزا ہے
 تو نے جہاں دی آواز جا کر
 ہوتی ہے دھیمی پرواز تیری
 پھر دوڑتی ہے یوں مردوزن میں
 بنتے ہیں دشمن انصار تیرے
 پطرس نے چھوڑے یا آشنا سب
 ڈالا عمر پر جب تو نے سایہ
 آہٹ سے تیری کرتے ہیں جو رم
 جوں جوں وہ زد سے کرتے ہیں وری
 جانا ہے آہو جب چوٹ کھا کر
 تجھ سے بھی جو ہیں وحشی بد کتے
 گو حق کی تلخی پائے ہوئے ہیں
 بھاگے ہیں کھا کر زخم نہاں وہ
 دل دوزن ہیں سب تیری او ایس
 مستحی میں اُن کی عالم ہے سارا
 پرست وہاں ہیں نظروں میں رائی
 طوفان میں کشتی ترکتی نہیں وہاں
 منکر بھی دل سے ہیں جس پھفتوں
 ہر دل میں چھپتی تیری ادا ہے
 لاکھوں سر اٹھتے تیری صدا پر
 بڑھتی ہے کم کم آواز تیری
 جس طرح آتش لگتی ہے بن میں
 ہوتے ہیں قیدی احرار تیرے
 یروں پہ دیکھی تیری ادا جب
 از قلم کے گھر میں آہر جھکا یا
 ہیں گد گداتے دل اُن کے ہر دم
 ضرب اُن پہ تیری پڑتی ہے پوری
 گرتا ہے آخر کچھ دوجب اکر
 پھر پھر کے منجھ کو جاتے ہیں تکتے
 پر چوٹ دل پر کھائے ہوئے ہیں
 جائیں گے بچ کر تجھ سے کہاں وہ
 کڑوی ہیں تیری ساری دوا یمن

زہر لاپل برسوں پئیں جب
 دیتی ہے اول تو زخم کاری
 کل ہے مسرت ہے آج غم تو
 ہوتی ہے سچ سے جب سب کو نفرت
 جس جا تعصب ہے عین ایماں
 رسم سلف پر مرتے جہاں ہیں
 تقلید جس جا ہے طوق گردن
 کرتی ہے وہاں تو واعظ کو رسوا
 وہاں مفتیوں پر ہیں تیرے دھاکے
 پہنچتی ہیں قبریں جب اولیا کی
 جس مکہ میں ہے تیری غلامی
 غل بھٹیڑیوں کا پڑتا جہاں ہے
 زہر اس غسل کو تو ہے بتاتی
 اس نیش میں تو کہتی شفا ہے
 ہندی میں تیری تازی کی بو ہے
 جس سرزمین میں پانی ہے عنقا
 ہر سو جہاں ہے طغیان باراں
 سانپوں کا خطرہ پاتی جہاں ہے
 بیمار تیرے پائیں شفا تب
 مرہم کی آخر آتی ہے باری
 دیتی ہے امرت کہتی ہے سم تو
 تو جھوٹ پروہاں کرتی ہے لعنت
 انصاف کا غل کرتی ہے تو وہاں
 رسموں پہ سحے تیرے وہاں ہیں
 تقلید یوں سے ہے تیری آن بن
 ہے وحی منزل قول اس کا جس جا
 ہیں مثل تیراں جس جا فتا ہے
 تو ہے ڈہائی دیتی خدا کی
 ہوتی ہے تو وہاں بردوں کی حامی
 تو بکریوں کی وہاں پاسباں ہے
 جس میں حلاوت ہے سب کو آتی
 نیش اجل کا جس میں مزا ہے
 مشرق میں کہتی مغرب کی تو ہے
 تو چھٹیڑتی ہے وہاں ذکر دریا
 شور العطش کا کرتی ہے تو وہاں
 اندھوں کے آگے کرتی فغاں ہے

طوفان کی آہٹ پہلے سے پا کر
 ڈاکے کی آمد ڈاکے سے پہلے
 بلبُل ہے گل پر جب چھپاتی
 پاتی ہے گھڑیوں جب کچھ دھواں تو
 جب دیکھتی ہے قومیں بگڑتی
 کرتی ہے ظاہر ان کی خطائیں
 گہ منعموں پر تو ہے برستی
 دیتی ہے طعنے بے غیرتوں کو
 للکارتی ہے تو کا ہلوں کو
 جھڑکی ہے تیری عادت میں داخل
 بگڑے ہیں تجھ سے دل بے نہایت
 یہاں نام تیرا جس نے لیا ہے
 احکام تیرے طلعے رہے ہیں
 پہنچا یا جس نے پیغام تیرا
 کتنوں نے جانا ساحرِ نبی کو
 طوفان اُٹھائے اہل ہری پر
 نعمان کو دمی بعثت سے نسبت
 مالک پہ لائے آفت جھا جو
 بیڑوں میں چر چا کرتی ہے جا کر
 کہتی ہے جا کر تو کارواں سے
 اُس دم خزاں سے تو ہے ڈراتی
 آگ آگ کا غل کرتی ہے وہاں تو
 ہے آگ میں تو قوموں کی پڑتی
 دیتی ہے اُن کو چیمپیدہ رائیں
 گہ جھاڑتی ہے مفلس کی تہمتی
 کرتی ہے رسوا بے عزتوں کو
 پھٹکارتی ہے تو جاہلوں کو
 ترشی ہے تیری طینت میں داخل
 لاکھوں نے کی ہے تیری شکایت
 عالم کو اپنا دشمن کیا ہے
 تیرے نوشتے جلتے رہے ہیں
 جمہور میں وہ بدنام ٹھہرا
 کتنوں نے مانا کافر علیؑ کو
 بہتان باندھے زین العبا پر
 کی شافعی پر برپا تباہی
 یہاں تک کہ اکھڑا مفصل سے بازو

کی اپن غنبل کی یہ مدارا
چہرہ پہ تھوکا کوڑوں سے مارا
نکلے آئہ اکشر وطن سے
خالی ہوا رے ابن حسن سے
کتنوں کی باندھیں ذلت سے شکیں
کتنوں کے رسی ڈالی گلے میں
مرد بتایا اہل یقتیں کو
ٹھہرایا زندیق ارباب دین کو

اے کلہ حق تیسری بدولت
مردوں پہ گزری کیا کیا مصیبت
ٹھہرے جہاں میں بیگانے سب سے
تجھ پر ہوئے وہ دیوانے جب سے
دنیا نے اُن پر گولہ سلم توڑا
دامن اُنہوں نے تیرا نہ چھوڑا
ہے تلخ و شیریں ہر بات تیری
سننے میں کڑوی کٹنے میں ٹھٹی
کانوں کو تو ہے گونا گوارا
موند سے نکلتا تیرا ہے پیارا
جو حرف حق سے بھاگے بگڑ کر
حق اُن کو لایا گردن پہ بگڑ کر
حق کے سب آخر طالب ہوئے ہیں
نہت حق کے دعویٰ غالب ہوئے ہیں
ہوتا نہ ہرگز جاک میں اُجالا
حق کا نہ ہوتا گر بول بالا

اے راست گوئی لئے ابر حجت
ہے اس جہن میں سب تیری کبریت
گر تو نہ ہوتی یہاں سایہ افکن
بر باد ہو تا کلب کا یہ گلشن
عالم ہے سرسبز تیرے قدم سے
آباد یہ گھر ہے تیرے دم سے
بارغ جہاں کو چھانٹا ہے تو نے
اکثر خزاں کو ڈانٹا ہے تو نے

تو گر ہوں کی رہبر رہی ہے
 کھیتی اُنھیں کی یہاں اہل سائی
 نکبت نے منزل آکروہاں کی
 یوناں میں ہوتا ہر سو اندھیرا
 مصری نہ ہوتے عالم میں نامی
 سایہ آکروہاں تیرا نہ پڑتا
 قبلہ نہ کرتے خاکِ عرب کو
 سرسبز تجھ سے نوبت بہ نوبت
 چھائی ہوئی تھی مغرب میں ظلمت
 مغرب کو تو نے مشرق بنا یا
 مہکی ہے اکثر یہاں تیری خوشبو
 پر تیری دار و صحت فزا ہے
 ہے حق کی آواز راہِ طلب میں
 پر جہل یہ سارا دشمن ہے جانی
 نادان ہزاروں تجھ سے اڑے ہیں
 اکثر گھٹائیں چھائی ہیں تجھ پر
 قوموں نے تجھ سے بدلے لئے ہیں

تو بے کسوں کی یاور رہی ہے
 جن بستیوں میں تو چھپائی
 بند اپنی جس جا تو نے زباں کی
 رہبر نہ ہوتا گر نور تیرا
 گر مصر کی تو کھوتی نہ حسامی
 ہر یاس حق کا جھنڈا نہ گڑتا
 جنبش نہ ہوئی گر تیرے لب کو
 ہوتے رہے ہیں سب ملکِ ملت
 مشرق میں جب تھی تیری حکومت
 جب دور تیرا مغرب میں آیا
 کھلتے رہے ہیں گل تیرے ہر سو
 گو تجھ میں تلخی حد سے سوا ہے
 ہر بول تیرا جو ششِ غضب میں
 گو علم کی تو ہے زند گانی
 جاہل ہمیشہ تجھ سے لڑے ہیں
 لاکھوں بلائیں آئی ہیں تجھ پر
 ملکوں نے تجھ پر حملے کئے ہیں

اے کلیم حق اے ستریزداں جس وقت ہو تو پردہ سے عریاں
 ہوں تیرے جس دم انصار تھوڑے دشمن بہت ہوں اور یار تھوڑے
 عالم ہوتا ہے راجب نا شناسا
 حاکمی کو رکھو اپنا شناسا

مناظرہ واعظ و شاعر

مرتبہ ۱۱۳ء

کل جو میں نے بستر راحت پہ جا کر دم لیا
 کی تصور نے وہیں اک بزم نگین آشکار
 گرم تھاواں ہر طرف ہنگامہ بحث و نظر
 شمع استدلال میں روشن تھا فانوس ہیاں
 تھے فراہم جس قدر اس بزم میں اہل کمال
 مولوی کہتے تھے غیر از علم دیں سب ہیچ ہے
 صوفی صافی ادھر کچھ کہ رہا تھا زیر تب
 خود فروشی کا غرض تھا ہر طرف بازار گرم
 شاعر مغرور بھی ایک سمت خنداں زیر لب
 جا کے پہنچا جب وہاں نکات و جہائے سخن
 دعویٰ افضل و براعت اس کو نریز باہتہاں
 دل کو اک وقفہ غم دنیا سے فرصت کا ملا
 مجلس ارباب معنی جس کو کہنا ہے بجا
 سرخرو گلگونہ حجت سے تھا ہر مدعا
 چار سو ہنگامہ آرا تھی لم ولا کی صدا
 تھا شرف کا اپنے اپنے فن کے سب کو اتنا
 فلسفی کہتے تھے ہر فن کی ہے حکمت پر بنا
 واعظ معجب ادھر کچھ باب رہا تھا برملا
 ساز گونا گوں تھے لیکن ایک تھی سب کی ملہ
 سن رہا تھا لاٹ اہل فضل اور خاموش تھا
 دفعۃً مجلس سے اٹھا اور جویوں خود بنا
 جو کوئی تلمیذ حُسن تم میں ہو میرے سوا

ہے تصرف میں ہمارے عرصہ نشیہ خیال
 رہ روی میں ہم کو چشم و گوش پر تکیہ نہیں
 صائب ہوتا ہے بیاں اپنا سخنِ خاشاک سے
 اتفاقاً کسی کی وجہ پر آجبا میں ہم
 خاک کو چرخ بریں پردیں اگر ترجیح ہم
 وصفِ خواباں ہم سے گزرتے پائے ساکسا یکبار
 گر کریں ہم فکرِ خوں کی بیوفائی کا بیاں
 کھینچ دیں گر خاطرِ شتاق کی تصویرِ شوق
 ہیں ہماری طرح کے پیر و حواں اُمیدوار
 گرمیِ بزمِ حریفان ہے ہماری ذات سے
 فکرِ اپنی بغیرِ شش اہلِ نظر سے پاک ہے
 کچھ نہیں اپنا حشرِ گرہورِ روایت میں خلل
 دی نہیں گویا شریعت نے ہمیں تکلیف کچھ
 خود شاکِ جو کسی کو جزِ خدا چھبتی نہیں
 فحش اور دشنام کو ملتا ہے یہاں ننگِ قبول
 کچھ نہیں معلوم جس کی ابتدا اور انتہا
 ہیں ہمارے بال و پیر اندیشہ و فکرِ سرا
 پاک ہو جیسے وساوس سے نل اہلِ صفا
 خاطرِ دشمن میں اس کا نقشِ آفت میں بٹھا
 ماند ہو دڑے کے آگے مہرِ تاباں کی ضیا
 ہو نہ ہرگز بچہ و عشقِ مجازی سے رہا
 ہو نہ بلبلِ پھر چمن میں روے گل پر مبتلا
 قیس کی کرنی چڑے لیلیٰ کو جا کر التجا
 اور ہماری ہجو سے بھڑکتے ہیں شاہ و گدا
 بادہ گلوں کا ہے ہر بات میں اپنی مزا
 ہم جہاں چلتے ہیں وہاں سود دہے راہِ خطا
 جھوٹ سے ہوتی ہے یہاں رونقِ عبارتِ کوسا
 جو نہیں جا بڑ کسی کو ہے وہ سب ہم کو روا
 آگے ہو جاتی ہے شاعر کی زباں پر خوشنما
 گالیاں دیدے کے ہم سنتے ہیں اکثر مر جبا

جب یہ بالا خوانیاں شاعر کی واعظے سنیں
 شیعہ تیرا بوالہ فصولی اور یہ لاف و گراف
 مسکرایا اور یہ فرمایا کہ اسے ہڈیاں سرا
 پیشہ تیرا بادِ خوانی اور اتنا ادعا

اُمتِ برحق کے عالم جو ہیں از روئے خبر
کیا ادب جاتا رہا ان کا بھی تجھ کو اے سفیہ
گو نہیں گنتی میں اہل علم کی یہ خاکسار
ہر سخن کا اک جُدا ہوتا ہے موقع اور محل
علم اور حکمت کے ہوں جس بزم میں فتر کھلے
شعر مستحسن اگر ہوتا تو قرآن میں اُسے
شان میں اہل علم بزمی جس کی آیا ہے صریح
چاہئے الفاس اہل الذکر سے ہو مستفید
خود ہو تو مے علم اور صحبت سے اہل علم کی
ہے ہی باعث کہ کب اُٹھتے ہو تم بے اختیار
اُس زبان یا وہ گو کو اپنی کیا سمجھا ہے تو
بے حقیقت میں ترے سارے خیالات بلند
ہے جہاں خاصے کو تیرے خدمتِ مشاطگی
بال سے باریک تر مشوق کی تیرے کمر
شش جہت میں تو کرے ہر پا قیامت بار بار
تیغ چوہیں کی ہو گر بزش میاں کرنی سمجھے

۱۱۔ عرب میں یہ مقولہ مشہور ہے کہ الشعر بزمی بالعلم یعنی شاعر ہی عیب لگاتی ہے علم کو۔ ۱۲۔

۱۳۔ اہل الذکر سے مراد علمائے دین ہیں۔ ۱۴۔

ہو جہاں لکھنی تجھے سب گلی کی حسبت و خیز
 تو ہوا مدح و ثنا میں جس کی سرگرم غلو
 پرے درجے کا منزل ہے اگر ٹھہراے تو
 بہمن و حبشہ یہاں پیچا کے گنتی میں ہیں
 لکھے تو اک گر بُرے مسکین کو سارا منزلت
 فی الملک گر ہو ترا مدح اک برگ گیاہ
 باد خوانوں سے سوا ہو تجھ کو فکر تہنیت
 ہند میں غل ڈال دے تو ناہمائے شوق سے
 شعر کو الہام تجھے گر نصیبوں سے کبھی
 مذہب شاعر میں جس کا دین باطل نام ہے
 سرسبز اقوال تیرے کچھ میں اور انحال کچھ
 شان میں آیا ہے جن کی قول مالا لعلیون
 ایسے دروازے بہت کم پائینگے آفاق میں
 ہے زبان خامہ تیری تابع فرمان حرص
 مدح میں حد سے زیادہ جن کی کرتا ہے غلو
 جیسے دروازوں سے پھر تہیں غا کر فقیر
 لہ قرآن میں شعر کے جاہلیت کی نسبت فرمایا ہے کہ انہم یقولون مالا یعلمون
 یعنی وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے۔ ۱۲۔

اک ترارے میں اُسے پہچائے توفیق الہا
 اور اٹھا خوبیوں پر اُس کے پر وہ پڑ گیا
 جم کو اُس کے در کا دریاں اور زمین کو گدا
 تنگ ہیں ہاتھوں سے تیرے نبیا اور اولیا
 اور کہ اک محبت سنگیں کو تو یوں مسقت لقا
 اُس میں ثابت کر کے چھوڑے تو صفات کیا
 خواب میں تیں پائے تو گر کوس شادی کی حد
 چین میں شہر ہو گر اک شاہد نو خیز کا
 کان میں پڑ جائے تیرے ایک جھوٹی واہ
 راستی اور صدق سے بڑھ کر نہیں کوئی خطا
 ہے زبان گوہر افشاں پر نعم اور دل میں لا
 چشم بد و ور آپ کے ہادی ہیں وہ اور مقتدا
 جن پہ صبح و شام تو نے دی نہ ہو جا کوصدا
 کام تجھ کو کچھ نہیں جڑ مدح و قدح اغنیا
 گالیاں دیتا ہے تو اکثر انھیں کو بر ملا
 مدح تو بھی ختم کرتا ہے بوس دیکر دعا
 لہ قرآن میں شعر کے جاہلیت کی نسبت فرمایا ہے کہ انہم یقولون مالا یعلمون

ہر دعا میں ہے مقدر شرط ان عظیمی صاف لعنت کا دعائیں تیری آتا ہے نرا
پر وہ عرض بہتر میں مانگتا ہے بھیکس تو گر ہی ہے شاعری تو تجھ سے بہتر ہے گدا

نہر دل کا جب کہ واعظ نے لیا سارا گل
سُن کے شاعر نے کہا بس اے خدا کیا نذر کیا
چوٹ تھی تیری سخن پر جا پڑی اخلاق پر
خردہ گیری کے لئے حاضر ہے شاعر کا کلام
تو اگر معصوم ہو تو کچھ کہی جساتی نہیں
کھیلنے پھرتے ہیں میدانِ جہاں میں سب نکار
حرص ہوتی جسم میں انسان کے گر جائے خون
میں نے ان نکمہوں سے اے واعظ لباں نہ عطا
خطبہ ہے اک تم کو کہہ دوں اگر بڑا مانو نہ تم
آپ میں سیج و ذکر و طاعت و زہد و ورع
میں بتاؤں آپ کو اچھوں کی کیا چھان ہے
بات حق ہو یا کہ باطل تیری مرضی کے خلاف
ترک اوسے پڑنے رحمت جس قدر کرتا ہے تو
ہے فقط دوزخ تری سرکاوچت نہیں
عاصیوں کی منفرت ہنسنے نکلتی ہے صریح

اور نہ کوئی تیرا باقی اُس کے ترکش میں رہا
ہے زباں تیرے ذہن میں یا سنانِ جانگذا
تو نے چاک پیر میں کو تا جگر پہنچا دیا
اس سے کیا مطلب کہ ہے وہ بندہ حرص ہوا
پھنس رہا ہے ورنہ اس بچہ میں ہر شاہ و گدا
آڑیں ٹہلی کے لاکھوں اور ہزاروں برلا
شاعروں سے تیرے چہرے کی داکا ہوتی ہو
جو فروشی کرتے دیکھے ہیں بہت گندم نما
آپ ہو بیمار اور اوروں کو دیتے ہو دوا
خوبیاں سب کچھ سی بچاں کا مالک ہے خدا
جو ہیں خواہتھے وہ اوروں کو نہیں کہتے ترا
موکھ سے نکلی اور سمجھے تکفیر کا پہلو ملا
قتلِ انساں پر نہیں ملتی کہیں ایسی سزا
چوک جس سے ہو گئی کچھ بچہ نہیں تو بختا
ایسی آیات اور حدیثوں سے ہے توجہ میں خلا

گر خدا بھی واغلو ہوتا تمہیں ساختہ گیر
 گرم بازاری کی میں اپنی بس سمجھ ہوم
 چاہتے ہو تم یہاں کثرت معاشی کی نہیں
 آپ اُن باتوں کو اک نہتاں سمجھیں مگر
 جو کہوں میں اُس کو باور نہیں اس میں خلأ
 یہ بھی کوئی جھوٹ ہے ہم جبکہ خود ہوں حریف
 دعوتوں میں سچ بتا جس شوق سے جالتے تو
 یاد ہے وہ تیرا کنا دیکھ کر کھانے جنے
 مدرسے کوشش سے تیری گوبنے میں شہر
 پر یہ حیرت ہے کہ ان کاموں میں جو لگتے لگے
 مجرموں کے جرم شاید ہوں نہ اتنے غوث پاک
 ہے یقین اتنا ہی ہو گا اپنے دل میں تو حقیر
 کر دیا زواتری تزیویر نے تذکیر کو
 لطف ہے تو دلربا اور قمر ہے تو دلفریب
 گر جہنم سے ڈر کر بپتا رشوت ہے تو
 گوشتنا ممبر ہے یہ یوں مٹھ کر گویا کہ آپ
 لے یعنی علما کی رعوت ہیں ایسے ایسے خلفات کرنے سے ثبات ہوتا ہے کہ دنیا میں دیندار
 لوگ ابھی موجود ہیں اور دین قائم ہے - ۱۲

اس چین کو دیکھتا کوئی نہ پھر بھولا پھلا
 لوگ ہوں بدراہ - اور ان کے بنو تم رہنا
 ہیں اطبا پلٹے جس طرح امراض اور وبا
 سو جھتی اکثر نہیں انسان کو اپنی خطا
 شاعروں کے کذب سے بدتر ہے واعظ کی سیا
 جھوٹ وہ ہے جو ہر پھسے میں تھکس کے تھپا
 ایک بھی کی ہے ناز اس شوق سے تونے ادا
 دین قائم ہے ابھی یارو کرو شکر خدا
 مسجدیں بھی تونے بنوائی ہیں اکثر جا بجا
 اُس سے وہ چند کپ کے دیوان خانہ میں لگا
 نیکیاں تیری ہی عیسیٰ پر خطر روزِ حسنا
 جس قدر مانا ہے زید و عمر نے تجھ کو بڑا
 ورنہ اک منصب تقایہ شایان شان انبیا
 سحر ہے انوں ہے جادو ہے تری جو ہے ادا
 گاہ حوروں پر لہجا کرنا لگتا ہے رو نما
 آسمان سے لے کے اترے ہیں ابھی حکم خدا

بات میں تیرے ہے گویا نار و جنت کی کلید
 نیکیاں بر باہن ساری تری خدمت بغیر
 اپنی اک امت الگ سب سے بنانے کے لئے
 تیرے گھر میں مسلمانوں میں ہے جگہ نزع
 جس طرح جھگڑوں کے خواہاں ہیں عدالت کیلئے
 چاہتا ہے قوم میں جو قی سدا چلتی رہے
 شاعروں کو بس اسی موندھے سے لگا کر لکھتا ہے تو
 کچھ گدا کہنے سے تیرے ہم گدا ہوتے نہیں
 شاعری پر ہے بڑا طبع حضرت کا کہ ہم
 طعن کچھ بیجا نہیں رکھتے ہیں پر اک عذر ہم
 سب پر روشن ہے کہ ہم لوگوں کا پیشہ ہے سچ
 اپنے اپنے کام اور پیشہ میں ہم ہوں یا کہ تم
 وعظ میں دیتے ہو آخر داستان کی چاٹ تم
 لوح میں ہم بھی یونہی کرتے ہیں نگ آئینہ زیاں
 بچوں پہل سے سر کو بے بہرہ جب پاتے ہیں ہم
 سوسن نسرین و گل میں جب دفنایا ہے نہیں
 برہم اس پر ہے میں خدا پناہ کھاتا ہوں کمال
 سلاہ پوجنا اور محاورے میں نذر کرنے کو کہتے ہیں۔

جس نے پوجا تجھ کو وہ فردوس میں داخل ہوا
 فرقہ ناجی ہے بس اک پوجنے والا ترا
 تفرقے ڈالے ہیں دین حق میں تو نے جا بجا
 اختلاف امت کا حق میں تیری حرمت ہو گیا
 مانگتا ہے تو یونہی باہم خدمت کی دعا
 کشتی اسلام کا پھر کیوں نہ ہو تو نا خدا
 اے اسیر و ام نفس لے بندہ حرص و ہوا
 ورنہ ہم بھی یوں تو لہ ٹھٹھے ہیں لبضوں کو گدھا
 حد سے طرحہ جاتے ہیں جب کہتے ہیں موج اغنیا
 غور کرنا عذر پر ہے شعیوہ اہل صفا
 جیسے تم لوگوں کا پیشہ ہے یہی مکر و دیا
 کرتے ہیں ہوتا ہے جو کچھ مسلمانیت کا مقتضا
 راستی سے کام جب چلتا نہیں تسخیر کا
 جب تن مدوح پر کھلتی نہیں سادی قبا
 ایک طرہ اس میں آزادی کا دیتے ہیں لگا
 وصف رنگ بو سے ہم لیتے ہیں عیب انکا بھیجا
 ورنہ ایسی مدح بہت مدوح کے حق میں حبا

اس سے بڑھ کر جو ہو سکتی ہے کیا انسان کی
 عدل میں لکھتے ہیں ہم نوشیرواں عہد انھیں
 حاتم وقت اُن کو ٹھہراتے ہیں جن کا بدلہ جو
 زیر کی میں اُن کو کہتے ہیں ارسطو نے زماں
 کہتے ہیں کس شد و مد سے ہم انھیں بیدار مغز
 جو غلامانہ خوشامد کہتے ہیں حکام کی
 اُن میں ثابت کرتے ہیں ہمدردی نوع بشر
 حامی اسلام دیتے ہیں خطاب اُن کو کہ جو
 یادِ خلق اُن کو کہتے ہیں جنھیں اے واعظ
 مدح کی جاتی ہے یہاں اکثر اسی انداز سے
 قطبِ دوراں اُن ریاکاروں کو ٹھہرتے ہیں ہم
 اُن قسوں سازوں کو ہم لکھتے ہیں ذوالقونین
 آپ چھٹا اُس کو کہے جو بیاد مغز ہے
 چبھتی اور دکھتی سخنور نے یہ کی تقریر جب
 دل میں داخلے پڑھی لاول اور سمجھا کہیں
 پر لبظاہر داغ یہ دامن سے دھونے کے لئے
 ہو چلیں باتیں ہنسی کی اب کرو کچھ اور ذکر
 کہئے فکر شعرا ہوتا ہے اب بھی اتفاق

لکھیں اعلیٰ کو بصیر اور راہزن کو رہنما
 ایک منکوہ کا حق ہوتا نہیں جن سے ادا
 اس لئے ہے تاکہ مائل حاکموں کی ہو رضا
 ہمنشینِ احمق بناتے ہیں جنھیں صبح و مسا
 جو نہیں واقف کہ آمد کیا ہے اور ہے خد کیا
 اُن کی آزادی یہ ہم کہتے ہیں سو موحیا
 آپ کو کہتے ہیں جو نوعِ بشر سے ماوری
 کرتے ہیں سوا چلن سے اپنے نام اسلام کا
 تم کسی کے کام کار کہتے نہیں اپنے سوا
 شیخِ نہ ممدوح یا واعظ غنی ہو یا گدا
 آپ کو بھی جو سکھائیں مدتوں کرو دغا
 بیٹھ کر مبر یہ جو آنکھوں کا کابل میں اڑا
 نام اسی کا مدح ہے تو اچھو ہے پھر چیز کیا
 اور لگے سب کمرانے دیکھ کر یہ ماجرا
 چھیر کر اک بے ادب کو مفت میں رسوا ہوا
 ہنس کے اُل بخید گی سے اور شانت سے کہا
 ہزل و استعزا زیادہ حد سے ہونا ہے بے
 آپ نے دیاواں مرتب کیوں نہیں اتنا کیا

ہیں منی کی اور باتیں کیجئے انصاف اگر
عرض کی شاعر نے حضرت کا ہے یہ جُنْطُنْ
قبلا اب وہ دن گئے جو شاعروں کی قدرتی
شعر اگر کہئے تو روٹی جا کے کس گھر کھائے
اب تو یہ کہتا ہوں شعر و شاعری کو چھوڑ کر
اس گئے گزریے زمانہ میں بھی یہ فنِ شریف
آپ لوگوں کی تو اس میں یں کرنی ہے محال
روڈ گزروں کے کھڑیا گرنہ بات آئی نہ آئے
کی سخن پر داز نے داعط سے جب یہ گفتگو
خواب کا سا وہ سماں جہاں رہا سب یکنیک
اور دی پہلو سے نل نے کان میں میرے صدا

بہل ہو یا جذبیعت لیجئے ہر بات سے
کہہ گئے ہیں اہل دل دع ماکہ رخِ خدا صفا

جشنِ جوبلی

مرتبہ ۱۸۸۷ء

ہے عید یہ کس جشن کی پارب کہ سراسر
یہ عہد کہ گزریے ہیں برس جس کو پچاس اب
ہے جوبلی ہے جوبلی ایک ایک کی زباں پہ
ست جُگ سے ہے یہ بند کے جس کی تہ

وہ دور تعصب تھا یہ ہے دورہ انصاف
 جمشید بہ جب آگ ہوئی سنگ سے ظاہر
 اس عہد ہالیوں میں ہزار ایسے کرشمے
 بہ جشن مبارک ہے بہت جشن سدا سے
 اس دور خجستہ میں وہ سب مجھ گئے شعلے
 اب عہد نے وہ خون بھرے ہاتھ کئے قطع
 بیٹوں کی طرح چاہتے ہیں بیٹیوں کو اب
 جب بیٹیوں نے زندگی اس طرح سے پائی
 اس عہد نے کی آ کے غلاموں کی حمایت
 دی اُس نے بڑا ہند سے یوں رسم سنی کی
 نابود کیا اُس نے زمانہ سے ٹھکلی کو
 اس عہد میں انسان ہی نہیں ظلم سے محفوظ

وہ جنگ کا موجد تھا یہ ہے صلح کا رہبر
 ایراں میں کیا جشن سدا اس نے مقرر
 ظاہر ہوئے اس طرح کہ عقلیں ہوئیں شذر
 وہ آگ نکلنے کا یہ مجھنے کا ہے نظم
 تھی جن کی جہان زلزلہ آگ سے بڑھ کر
 جو پھیرتے تھے بیٹیوں کے حلق پہ خنجر
 جو لوگ روار کہتے تھے خونریزی و خسر
 دی زندگی اک اور انھیں علم بڑھا کر
 انسان کو نہ سمجھا کسی انسان سے کمتر
 گویا وہ تھی ہو گئی خود عہد کائن پر
 اک قہر تھا اللہ کا جو نوع بشر پر
 مظلوم نہ اب بیل نہ گھوڑا ہے نہ خنجر

لے نائش برطانیہ لے فخر برنیزک
 سج یہ ہے کہ فاتح کوئی تھجہ سا نہیں گزرا
 لے ہند کے گلہ کی ثباں ہند کے قیصر
 محمود نہ تیمور نہ دارا نہ سکندر
 اور تو نے کیا ہے دل عالم کو مسخر
 یہ قصیدہ انجن اسلامیہ لاہور کے ایڈریس کے ساتھ انجن کی طرف سے حضور ملائے منظر
 قیصر ہند گزرا نا گیا تھا ۔

بنیاد پنے فرائض میں مسلمان ہیں نہ ہندو
معمور مساجد میں تو آباد ہیں مسند
بجائے فقط چرخ میں اتوار کو کھنٹا
سنگھ اور اڈاں گونجتے ہیں روزِ برابر

گوشتِ قیصر سے ہے ہر قوم گراں بار
احساں نگر اسلام پہ اُس کے گراں تر
معلوم ہے جو موروں پہ پین ہیں گزری
جس وقت از بلا ہوئی وہاں صاحبِ نیر
حالتِ ہی اس ملک میں پہنچی تھی ہماری
گر تاناہ اگر اُس کا نشان ہند میں آکر

اب ہند میں کشمیر سے تار اس کساری
ہر قوم کے ہیں پیر و جواں متفق اس پر
امید نہیں ہند کے راحت طلبوں کو
راحت کی کسی سایہ میں جزایہ قیصر

گر برکتیں اس نعمت کی سب کیجئے تحریر
کافی ہے نہ وقت اُس کے لئے اور نہ دفتر
ہے اب یہ دعا حق سے کہ آفاق میں بیتاب
آزادی انصاف حکومت کے ہیں جو ہر

قیصر کے گمراہے پر ہے سایہ یزداں
اور ہند کی نسلوں پر ہے سایہ قیصر

پھوٹ اور ایکے کا مناظرہ

پھوٹ اور ایکے نے کی یہ گفتگو
میرا ہے یا تیرا مبارک قدم
اپنی ستائش نہیں زیباً مگر
منزلِ اہتِی کا ہوں میں نہ ہمنوں
مجھ سے ہی اجسام کو سہا ہے استیام
میری بدولت ہے کچھ اترنا
میرا اگر ہو نہ قدم درمیاں
دانوں کو دیتا ہوں میں خرمین بنا
ڈھیلوں سے چنتا ہوں حصا حصین
میں ہوں اگر مورچوں کے درمیاں
مجھ سے ہے ہر قوم اعانت طلب
قوموں کے اقبال کی میں ہوں دلیل
مجھ سے گھرانوں کی ہے چھاتی پہاڑ
ملک ہیں آباد میری ذات سے
میں نے ہے جس قوم کو کشاد قار

میں ہوں جہاں کا چمن آرا کہ تو
مجھ سے ہے یا تجھ سے بقائے اشم
حق نہ جتاؤں تو سہا ہے خوف ضرر
کچھ نہ ہولے پھوٹ اگر میں نہ ہوں
مجھ سے ہی اجرام میں ہے انتظام
جال یہ سب ثابت و ستیار کا
زیر و زبر ہو ابھی نظم جہاں
قطروں سے دیتا ہوں میں دریا بہا
ریشوں کو کو دیتا ہوں جبل المستین
اُن کا سلیمان کو کروں میسمان
کرتے ہیں طاقت میری تسلیم سب
میں نہیں جس قوم میں وہ ہے ذلیل
میں نہیں جس گھر میں وہ گھر ہے اُجاڑ
میں ہے اک میری کرامات سے
قوم وہی قوم ہے باقی کھسار

بخت عدو مال ہے اُس قوم کا بندہ خود اقبال ہے اُس قوم کا
 نرغہ میں گھر جائے گر ایک اُنکا فرد لاکھ پہ بھاری ہے بوقتِ نبرد
 ڈال نہیں سکتا کوئی اُس پہ ہاتھ سو جھتی ہے قوم تمام اُس کے ساتھ
 میرا ہے جس ملک میں جاری عمل وہاں کبھی آنے نہیں پاتا حسل
 میرے تھرت میں ہے جو سرزمین وہاں کوئی بکیں کوئی تنہا نہیں
 ایک ہے زخمی تو ہیں سب دلفگار ایک ہے منکسوم تو حامی ہزار
 ایک کو گرد دیکھتے ہیں مضطرب پیٹ کو پاڑے ہوئے پھرتے ہیں سب
 آگ اگر گھر میں لگی ہے ایک کے قوم میں گھر گھر دھوئیں اُٹھنے لگے
 کل کی مصیبت میں ہیں کل مبتلا ایک پر آتی نہیں کوئی بلا
 ضعف و باتا نہیں اُن کو کبھی رکھتے ہیں کز و کبی وہاں دل قوی
 غم نہیں افلاس کا مفلس کو وہاں ایک کا افلاس ہے سب پر گراں
 ایک کی خواری سے ہیں ناوم ہزار ایک ہے رسوا تو ہیں سب شہسار
 ایک کی عزت ہو تو نازاں ہیں سب ایک ہو گر شاہ تو سلطان ہیں سب

سنتی ہے لے خانہ بر انداز پھوٹ سچ ہے یہ سب سیرایاں یا کچھ پھوٹ
 تجھ میں نہیں عیب کچھ اس کے سوا ساتھ میرے تیرا ہے کھٹکا لگا
 ذات ہے میری نہ کامل مگر دیتی ہے گنا مجھے تو آن کر
 ہوتی اگر تیری نہ یہاں ہست و بود میرا مبارک تھا جہاں میں وجود

چشمہ رحمت ہے جماعت وے کرتی ہے تو آکے مکدر اُسے
 چار جوہل بیٹھے ہیں یہاں کبھی سب نظر بد سے ہیں لرزاں تری
 صلح کار مہتی ہے بُرا نکلتی تو دو کو ہم دیکھ نہیں سکتی تو
 قطع و برش تیری جلی ہے خو گوشت جُدا کرتی ہے ناخن سے تو
 بھائیوں کو کرتی ہے اغیار تو یاروں کو کر دیتی ہے بے یار تو
 ڈالتی ہے اُن میں نزاع اور خلاف دو کے نہیں چھوڑتی دل اُن میں صاف
 قوم میں جو دیکھے چھوٹا بڑا جُنتا ہے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جُدا
 مضحکہ خود اپنا بناتے ہیں وہ اپنے پہ عالم کو ہنساتے ہیں وہ
 سو جھتی ملت کی نہیں کوئی بات یہ جو کہے دن تو وہ کتا ہے رات
 رہتا ہے ایک ایک کے درپے نہاں جس کسی کو دیکھے ہے بگساں
 دید کا ہے عروسے ظاہر ملاپ دل میں بھرا دونوں کے لیکن ہے باپ
 ایک یہ کتا ہے کہ مہری چلے دوسرا خواہاں کہ ترک اس کو ملے
 دیکھے جس کو وہ ہے اس تاک میں یاروں کے منصوبے میں خاک میں
 قوم کی قوم آتی ہے بیکس نظر جاتی ہیں جھاڑو کی سی سینکیں بکھر
 عیب ہیں جو تجھ میں وہ تجھ میں نہیں خوبیاں جو تجھ میں ہیں تجھ میں نہیں

پھوٹنے ایک سے سناجب یہ لاف بولی کہ تقصیر ہو میری معاف
 نام ہے بد نام مستر میرا ذکر بُرائی سے ہے گھر گھر میرا

پر کوئی انصاف سے دیکھے اگر
 عیب ہیں کچھ مجھ میں تو تجھ میں بھی ہیں
 خلق کے ہم دونوں مددگار ہیں
 اپنوں سے تو غیر کو کرتا ہے زیر
 میں کروں تائید نہ تیسری اگر
 کام رہیں سارے ادھر سے تیرے
 میرے ہی بل چلتی ہے گاڑی تیری
 میں جو نہ ایراں کو دلاتی شکست
 ڈالتی بغداد میں گرمیں نہ جال
 کام نہ آتا کوئی تیرا ہنر
 ہوتی بخارا میں نہ گرمیں محل
 غزنوی اس طرح نہ پاسے فروغ
 ہند میں میں کل نہ کھلاتی اگر
 غوریوں کو فتح دلاتا نہ تو
 لودیوں کے بڑھتے نہ آگے قدم
 ہند میں کرتی نہ اگر میں وطن
 میں ہوں وہی جو کہ تو ہے سرسبز
 خوبیاں تجھ میں بھی ہیں مجھ میں بھی ہیں
 دوست کا تو یار ہے دشمن کی یں
 میں ہوں کہ دل غیروں کے کھتی ہوں شیر
 ہو کوئی خوبی نہ تیسری جلوہ گر
 ہوں کبھی منصوبے نہ پورے تیرے
 مجھ سے ہی سر بہر ہے باطنی تیری
 رومیوں کے حوصلے ہو جاتے پست
 کرتی نہ عباسیوں کو پائے سال
 فتح نہ پاتی کبھی فوج تستر
 کرتی نہ سامانیوں کو مضجع
 ٹھہرتے دعویٰ ترے سائے دروغ
 رنگ نہ یہاں اپنا جاتی اگر
 خلیجیوں کے کام کچھ آتا نہ تو
 مغلوں کا یہاں آکے نہ گڑنا علم
 پھیلتے مغرب کے نہ یہاں علم و فن

یہ تو لیا تو نے سن لے اتفاق اب کہوں کچھ اور جو گزرے نہ شاق

تجھ سے سو اچھٹیں ہے سچ اسکو جان
 تو کبھی قوم کا ہوتا ہے یار
 اُس کو نہ بیش آئے کبھی روز بد
 حقہ میں اُس کے ہے عز و شرف
 آئے نہ اقبال کو اُس کے زوال
 تیرا تو یہ خاصیت تھرا۔ مگر
 آج کسی کو جو پست رہا تھا ہے وہ
 جو رہت و ریائیں ہیں اندر ضرور
 ختم جب اقبال کا ہوتا ہے دور
 خصلتیں اُن کی نہیں رہیں درست
 بھول کے بھی وہ نہیں لاتے سجا
 ہلٹی ہے ہر چیز کہ ٹھٹھٹا اُنھیں
 جب نہیں غفلت کا اترتا خار
 کرتے سزا سے نہیں پھر دگر گزر
 لیتے ہیں چین اُن سے حکومت بھی
 علم کبھی دیتے ہیں اُن کا میٹھا
 اس پکی ہوئے نہیں جب ہو شیار
 کوڑے یہ کھا کھا کے گئے مگر بھل

جلوہ گرا نضاف اُسی کی شان
 چاہتا ہے بگڑے نہ وہ زینار
 بات رہے اُس کی بنی تا ابد
 رشک سے قومیں تکیں اُس کی طرف
 دوست نہیں شاد عس و پا مال
 عادی حق کی نہیں تجھ کو خسر
 دوسرے دن اُس کو گرتا ہے وہ
 عزت و دولت کی ہے اک حد ضرور
 سارے بگڑ جاتے ہیں قوموں کے طو
 فرض ادا کر سکتے ہیں رہتے ہیں مست
 بندوں کے حق اور حقوق خدا
 پہ کبھی ہوتی نہیں جبر اُست و حق
 ہوش میں آتے نہیں وہ زینار
 کار گزارانِ قضا و قدر
 کرتے ہیں سلب اُنکی لیاقت کبھی
 دیتے ہیں دولت کبھی اُن کی کٹا
 بھیجتے ہیں قحط و وبا بار بار
 سر سے بلا قوم کے جاتی ہے ٹل

ورنہ مجھے کرتے ہیں مامور وہاں
 الحذر اسوقت سے اے اتفاق
 آگئے اُس قوم کے بس دن بُرے
 کوہ کو کرتی ہوں پر کاہ میں
 قدر وہا قوم کی لیتی ہوں جھین
 کرتے نہیں غیر انھیں آکے نسبت
 دیتے ہیں دھیان انکا بداندیش چھوڑ
 آگ پہ گویا کہ ہوں بارود میں
 ہو گیا جس ملک میں یہاں میرا راج
 قحط دوبار کرتے ہیں جانیں تلف
 دیتے ہیں وہ قوم کی گنتی گھٹا
 حکم یہی ہے مجھے اے اتفاق
 ہے مری تختی سر خلافت ادب
 تاکہ کروں قدرت باری عیاں
 آن کے جب کہتی ہوں میں الفراق
 حق لئے کیا جس پہ سلاط مجھے
 شیروں کو کر دیتی ہوں روباہ میں
 کوڑی کے کر دیتی ہوں میں تین تین
 پالنے ہیں وہ اپنے ہی ہاتھوں شکست
 آپ ہی مر جاتے ہیں سھر پوڑ پھوڑ
 قوموں کو کر دیتی ہوں نابود میں
 قحط و وبا کی نہیں وہاں اختیار
 کھوتی ہوں میں قوم کا عز و شرف
 کرتی ہوں میں قوم کو بالکل فنا
 ڈالتی ہوں اس لئے اُن میں نفاق
 میں ہوں فرستادہ درگاہ رب

سلسلہ تقریر کا جب بڑھ گیا
 ڈال دئے تو سنے دلوں میں شکاف
 کب تلک اے پھوٹ یہ لاف گرفت
 جھوٹ میں اور اتنا غلو شرم شرم
 تجھ میں حقیقت کی کہیں ہوں نہیں
 حد سے سوا بڑھ گئی تو شرم شرم
 چیز حقیقت میں کوئی تو نہیں

چیز وہی چیز حقیقت میں ہے
 فطرۃ انسان کے ہے جو کچھ خلاف
 طبع بشر میں ہے وہ دعیت وفاق
 روم ہوں یا ترک عجم یا عرب
 ایک کو ہے ایک کی جانب جھکاؤ
 ہوتی کچھ لے پھوٹ اگر تیری اہل
 تو وہ سر شہہ نہیں جس میں ہو آب
 ایسے بہت کرتی ہیں جلوئے عیاں
 جیسے کہ بے اہل حب رگاہ گاہ
 تجھ سے بھی پڑ جاتے ہیں اکثر بگاڑ
 ہے یہ نمائش تری اسے خود نسا
 سیکڑوں گھر جہل نے گھائے میں بیاں
 جہل کا چھایا ہے اندھیرا جہاں
 ٹھیک نہیں سوچتی وہاں کوئی چیز
 قوم کی تعریف نہیں جانتے
 کر نہیں سکتے وہ حقائق میں غور
 جانتے دریا کو ہیں اک شے جدا
 پر یہ عزیزوں کو نہیں سوچتا

تعبہ جو خلق کی فطرت میں ہے
 بیج ہے وہ اس میں نہیں اختلاف
 وہاں نہیں مطلوب عجز القناق
 مہر و محبت پہ ہیں مجبول سب
 ایک سے ہر ایک کے دل کو لگاؤ
 متحد انسان کی ہوتی نہ نسل
 تیری نمائش ہے برنگ سرب
 آدم خاکی کی غلط فہمیاں
 ملک کرا دیتی ہے دم میں تباہ
 رائی کے ہو جاتے ہیں بن کر ہیاڑ
 شعبہ اک وہ سم غلط کا کیا
 پر بے بہت عقلوں پہ ڈالے ہیں وہاں
 ملک کو ظلمت نے پیہ لکیرا جہاں
 نفع و ضرر میں نہیں ہوتی تیسر
 اپنی حقیقت نہیں پہچانتے
 کہتے ہیں جڑ اور ہے ٹہنی ہے اور
 قطروں سے کہتے ہیں کہ وہ ہے جدا
 ہے انھیں قطروں سے وہ دیا بنا

بس ہی انسان کی غلط کاریاں
 ہوتا ہے بیٹھا ہوا جس شلخ پر
 چلنے کو جس راہ میں ہوتا ہے وہ
 پینے کا جو اُس کے ہر جان کش جام
 حق کبھی ہونے نہیں پڑیں عیاں
 ہوتی ہے خستہ شب تار جب
 شے نہیں رہتی کوئی پیش نظر
 سچ نظر آتا ہے سچ اور جھوٹ جھوٹ
 و تہم دوئی دل میں ساتا نہیں
 بجائیوں پر پہلے کے تھے جو دار
 اُن پہ چائے تھے جو تیر و سنناں
 اُن کے سمجھ کر جو بگاڑ تھے کام

دیتی ہیں پہنچا اُسے اکثر زیاں
 تولنے لگتا ہے اُسی پر بسر
 کانٹے اُسی راہ میں ہوتا ہے وہ
 زہر لاتا ہے اُسی میں وہ خسام
 جہل کی چھپائی ہوئی تاریکیاں
 پھیلے ہیں علم کے انوار جب
 نورِ حقائق کے سوا جملہ گر
 تفرقہ رہتا ہے نہ رہتی ہے چھوٹ
 اپنے سوا کچھ نظر آتا نہیں
 اپنا بدن پاس نہیں اُن سے نگار
 اپنے بدن پر ہیں اب اُن کے نشان
 کام نکلتے ہیں وہ اپنے تمام

علم ہو جس قوم کا یاں راہ بسر
 جانتے ہیں وہ برکات وفاق
 فرق نہیں اُن کے زن و مرد میں
 رتبہ یہ ایک نے ہے اُن کو دیا
 نور سے ہیں اُن کے زبردست نذر

برکتیں اللہ کی اُس قوم پر
 اُن پہ ہے روشن خطراتِ نفاق
 قوم کی طاقت ہے ہر ایک فرد میں
 لاکھوں کروڑوں پہ ہیں فرماں روا
 بوڑھیاں سانسے اُن کے بے شیر

اسے کہ تیری ذات ہے عالم پناہ
جو نہ نا ٹوٹوں گا تیرے ہاتھ سے
منہج ارباب ہے تہ تک نفاق
تلخ ہے جب تک شراختلاف
بھیجیو نکتہ نہ کسی قوم پر
ٹوٹے نہ آفاق میں سنگت کوئی
بند سے ہو بند نہ کوئی جدا
پھوٹ کسی قوم میں چڑ جائے جب
رکھتی ہے باقی تجھے گران کی نسل
ورنہ اگر ہونہ ملاپ اُن کو اس
وہ جئے تو کیا جئے آبرو
پھوٹ ہو جس قوم میں وہ قوم کیا

اسود و احمر کا ہے تو بادشاہ
پیری عہدست جامع اشکات ہے
مشرق و بال ہے جب تک وفاق
ہے تردد تازہ تجسرات ایتلاف
رکھو ہر ایک قوم کو شیر و شکر
ہو نہ پراگندہ جماعت کوئی
بکھرے نہ شیرازہ کسی قوم کا
ایک سے ایک اُن میں بکھر جائے جب
تفرقہ گران کا ہو مبدل نہ وصل
اور نہ ہو سر جوڑنے کی اُن کے اس
جلد اٹھائے انھیں دنیا سے تو
حقا ہے اُس قوم کے بہتر فنا

مسلمانوں کی تسلیم

ترتیب ۱۱۶۹

(یہ ترکیب بند محمد بن یحییٰ شمس کا لکریں ہے جو تھے اجلاس میں بنیام علی کو لکھ پڑھا گیا تھا)
زمانہ دیر سے چلا رہا ہے لکے مسلمانوں کا کہ ہے گردش میں میری غیب کی آواز چلاؤ

سُنے ہوں گے نہ معنی لاتسبوا لہر کے تم نے
وہ ناصح اور ہو گئے جن کا کناٹل بھی جاتا ہے
مری بازی کا منصوبہ گیا کب کا پلٹ یا رو
گئے وہ دن کہ نفیس کرتے تھے دیندار دنیا پر
گئے وہ دن کہ ثروت باپ ادا چھوڑ جائے تھے
گئے وہ دن کہ لاکھوں پھر یہاں عیش کرتے تھے
مٹے جو جس نہر و فن یتیم وہ مٹنے والے ہیں
بھرا سمجھے جس گھر کو نہیں دیار وہاں کوئی
نصیحت میری مانو اب بھی اپنی سہٹ سے باز آؤ

پھر ہی جس وقت دیکھو میری چتون تم بھی پھر جاؤ
گیا دورہ حکومت کا بس اس بکلت کی ہے باقی
جنہیں قیام میں رہنا ہے رہے معلوم یہ ان کو
ضرورت علم و دانش کی ہے فن اور صنعتیں
جہاں علم تجارت میں نہ ماہر ہو گئے سوداگر
نہ بیگلی ایندھن نوکروں کی خدمت و عطا
کہ ہیں اس جہل و نادانی کے معنی فلت و خوری
نہ چل سکتی ہے اب بے علم تجارتی نہ معاری
تجارت کی نہ ہوگی تاقیامت گرم بازاری
جنہیں پائیں گے آقا زبور تعلیم سے عاری

اسے یہ ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ اتسبوا اللہ فان اللہ
هو الله یعنی زمانے کو بُرا نہ کہو کیونکہ وہ بھی ایک شان ہے شیون الہی میں سے اور زیانہ
کے جو واقعات تم کو ناگوار گذرتے ہیں وہ درحقیقت خدا کے کام ہیں۔ ۱۲

اگر چاہیں گے کرنی آدمی گھوڑوں کی تہاں تو دینا ہو گا ان کو امتحان علم بطاری
 نہ مستغنی بکا ول علم سے ہے اب نہ باؤری ہو اسے مریوں سے بخوں تک فلسفہ بجاری
 یقین جانو کہ آئندہ ملیگی درسگا ہوں میں گراٹا پیسے کو چاہئے گی اک پسنداری
 کوئی پیشہ نہیں اب معتبر بے تربیت ہرگز نہ قصادی نہ جراحی نہ کھالی نہ عطاری
 جہاں تک دیکھئے تعلیم کی فرازدائی ہے

جو سچ پوچھو تو سچے علم ہے اور خدائی ہے
 گئے وہ دن کہ تھا علم و ہنر انسان کا ان یوں ہوئی ہے زندگی خود مختار علم و دانش پر
 کوئی بے علم روٹی پر ہو کر کھا نہیں سکتا نہ زرگراور نہ آہنگر نہ بازی گرنہ سوداگر
 مہندس چاہئے مزدور باور راج اقلیدہ بس اب دنیا میں بے علموں کا بے شہی یادہ
 نہ پینے کا کوئی جہاں کی شاید سی ہوئی جوتی بس اب بوجی فلاطون یونیس کچھ ہوں تو ہوں کتر
 جہانداری میں آج ایک ایک عالیم کونہی جمائگیری میں ہے اک اک سپاہی طغری و سخر
 گئے وہ دن کہ تھے محدود کام انسان کے سار برابر تھا بے کا گھونسلہ اور آدمی کا گھر
 یہ دورہ ہے ہی آدم کی روز افزوں ترقی کا جو آج اک کام ہے اعلیٰ توکل چنانچہ اس کے اعلیٰ تر
 کوئی دن میں خسارہ سب سے بڑھ کر اس کو چھینے کہ دو دن آدمی ٹھہر رہے یہاں ایک حالت پر
 نہ تھا غیر از ترقی فرق کچھ انسان و حیواں میں دیا ہے امتیاز انسان کو یہ تعلیم نے آکر

زمانہ نام ہے یہ را تو میں سب کو دکھا دوں گا

کہ جو تعلیم سے بچائیں گے نام ان کا مٹا دوں گا

ہاں شکر سے اسے قوم احساں اُسکا بالائے کہ جس نے قوم کی تعلیم کا بیالٹل ڈالا ہے

خدا کی برکت اور رحمت ہونا دل شہید سے سید
 فدائی قوم کے تجھ سے ہی گزر رہے ہونگے دنیا میں
 بھلائی کا تری احسان مانیں یا نہ مانیں ہم
 کریں کیا کرتہ ابنائے زمانہ ہوں بگڑاں تجھ سے
 نمود کوئی ہمدردی کا دیکھا تھا نہ یاروں نے
 کیا ہے کام جو تو نے نہ ڈرا انجام سے اُسکے
 کیا کو تو نے سب کچھ پر بہت کچھ ہے ابھی کرنا
 جسے احباب اک قصیر فیض الشان سمجھتے ہیں
 عزیزوں کو خدا وہ نامبارک دن نہ دکھلائے
 کہ سایہ تیری ہمدردی کا اُن کے سر سے اٹھ جائے

ترے احسان رہ رہ کر یاد آئیں گے اُن کو
 تری کوشش یہ تیری زندگی میں جو کہہ رہے ہیں
 تری رایوں کو جو منسوب کرتے ہیں غلامی کے
 ترے کاموں کو خود کا ہی پتہ چھوڑ کر تیرا
 آنکھوں سے خود غرض کشمکش کی کمی نہ رہا یہ
 بہت مشکل ہے جانی سرور تری قوم کا ات
 اگر میں بھی کہیں کچھ چودہنی چٹکاریاں باقی
 بست ہیں مدنی ہمدردی اسلام کے لیکن
 کرینگے ذکر مجلس میں اور دہرے اُن کو
 نتائج اُسکے تیرے، بھانجوں رونا سننے اُن کو
 زمانے کے حوالے جلد تر شرما نہیں گئے اُن کو
 دل اُسکے کوئی دن جاتا ہے خود بھلا بیٹا کو
 وہ جہاں پایہ روضہ میں گئے تو ہم دیکھ لائیں گے اُن کو
 تیرے تیرے ہی دل کے دانہ کچھ بائیں گے اُن کو
 اگلی شعلہ دہک رہی ہے سر پہ لٹکتے ہیں گے اُن کو
 ٹوٹیں گے اُسکے تیرے ہی بارخانی بائیں گے اُن کو

کبھی سبج کو ان کی ملی فرصت ملا نہ تھی تو تیری زنجیریں اسلام کی گاندھائیں آواز کو
 ملا کہ تو ہم سے اسے تاکہ تیرا اسلام صلہ کچھ نہ کر
 نہیں اُمید پر تھی۔ کہ ہو اس کا کمال تیرے کو

جنہوں نے قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے
 یہ تیری خوش نصیبی ہے کہ تیرے تیری کوشش کا
 بہت کچھ کر چکے ہو۔ اور انہیں اندھیاں لی گئیں
 دیا ہے تاکہ بھی تیرا ہزار دل دل جا رہے
 اور یورپ سے تیرے ہر ایک دھڑکنے کے کھنکھانے
 اور دوسرے ہر دھڑکنے کے تیرے راس کی رتنی
 دکن میں تیرے یاد رہیں تاکہ تیرے انسانی
 خصوصاً وہ مبارک ملک جس نے ہندوستان
 خدا کی کیتیں پنجاب اور پنجاب والوں پر
 جنہوں نے قوم کا ہر درد دل سے سمجھ کر مانا ہے

نہ ہو افسردہ دل اور قوم پر فہم اپنا رکھ جاری
 کہ ایک بہت سے تیری بندھو رہی ہیں تیری

ہوئے پھر ہر درد دل کے توڑ دھار نہ ہو گا
 ہو اور وہ ہو آگے چلا کر تو اس کی کچھ پروا
 اُمیدیں بہت دیر تیری زندگانی ہے
 ابھی بہت کچھ ہیں اور بہت ہیں تیرے لب لہجے

امیدیں آگے آگے اسلامی سے لے کر
 لگا یا ہے۔ جو تو سب سے بڑا کر کے
 دیکھیں تو ہم نے لے لے کر لے کر لے کر
 سب سے آخر تک لے لے کر لے کر لے کر

نہیں تعلیم سے علویوں کی کم اچائے ہوتے سے جہاں تک تجھ میں دم باقی ہے مردوں کے جلائے
 زبانیں تو نے گرا بنے پہ کھلوائی ہیں حق کلمہ تو خاموشی سے اپنی نکتہ چینوں کو تھکا تارہ
 فرو ہوتی نہیں آتش سے جب آتش بھڑکتی ہے ہر اک شعلہ کو آپ بردباری سے بجھا تارہ
 کیا ہے زلزلہ قوموں کو سد قوموں کے کشوں نے مہم گرنے کرنی ہے تو چوٹیں لے لے پکھا تارہ
 شہزادیں محل خاص میراث انبیاء کی ہے جو تو آل محمد ہے تو سب حد سے اٹھا تارہ

کوئی دن اور اس دارالحسن میں رنج سہنا ہے

پھر اس کے بعد تجھ کو زندہ جاوید رہنا ہے

عزیز و حق کی حرمت سے یہ پیرتاواں ہم ہیں پھر ایسا پیر ہے ہم میں نہ کوئی نوحواں ہم ہیں
 ہزاروں ہم میں ہونگے پیکر اور ماسٹر پیدا گرے قوم پھر یہی ورتیں پیدا کہاں ہم ہیں
 ہر دم میں قوم کا ہمدردیہ قدرت خدا کی ہے نہیں رشتہ کوئی مدت سے باقی دریاں ہم ہیں
 ہمارے نفروں نے کردہ تحلیل سب اجزا نہ پاؤ گے کیس ترکیب قومی کا نشان ہم ہیں
 ابھی انھما فلاح قوم پر کوئی کمر باندھے ہزاروں کس سے ہو جائینگے پیاہنگان ہم ہیں
 ابھی کسی قوم کی حاجت میں شکر رخی ہزاروں ہونگے یہ بقال شکر شادان ہم ہیں
 بن آئے قوم کی خدمت کو کر ہم سے بچے نہ دورا نیشیاں ہم میں نہ خیر نیشیاں ہم ہیں
 اگر جو جہر اس جہلی کی نہ سید ہم کو تھلا تا تو اسلامی اخوت تھی فقط اکھپتیاں ہم میں
 نہ کسی سید کے منصوبوں کی گزائیہ یاروں تو پھر ہرگز سنبھلنے کی نہیں تاب تو ان ہم میں

بہت مشکل سے ہاتھ آیا ہے منزل کا نشان یارو

پہنچنے دو سلامت تا منزل کارواں یارو

رہو جیسے ہو قوم کے غمخوار یا راتبتک
 جماعت کو ٹھہرایا لیکھتے ہیں لوگ حیرت کے
 ٹھہاری کوشش اور بہت کا چرچا ہے زمانہ میں
 جو کام انجام کرنا ہے تو سید کے رہو حامی
 وگرنہ دوستوں کو کہ ہے آپس کی آن بن کا
 پڑے ہیں جا بجا بکھرے ہوئے اطراف عالم میں
 ہزاروں نغمہ ویران ہو گئے آپس کے جھگڑوں میں
 سیفے غرق لاکھوں کرئے باوجود مخالف نے
 نہ سمجھو یہ کہ فارغ ہو گئے ہم خاک میں مل کر
 نظر آتا نہیں یہاں حملہ دوراں سے بچنے کو
 کرو پورا حصار قوم کو سر جوڑ کر یارو

ہٹاؤ حملہ دوراں کو سب جی توڑ کر یارو

یہ دارالعلم سداہ آسیب زماں ہوگا
 نہیں صورت ابھرنے کی ہماری کوئی سببی
 کسی نے کر دیا ہے علم کی ہم کو تنگ سببی
 یہ بیت العلم روز افزوں ترقی کا ہے شہرہ
 اگر اس آگئی آج ہوا اس کلیت کی ہم کو
 یقین ہے ہندیاں پھیلیں گی طوبی سے واسکی
 اسی دارالشفائیں نجات پیر اپنا جواں ہوگا
 اگر ہوگا یہی گھر سے بلند اپنا نشان ہوگا
 اسی پانگ سے ہوگا تو یہ پلہ گراں ہوگا
 اسی چشمہ سے دیکھو گے کہ رک دریا رواں ہوگا
 آج جو اٹھے گا پودا اس زمیں سے آسمان ہوگا
 ہمارے واسطے دنیا میں یہ بلع جہاں ہوگا

اگر اسلام میں باقی رہے نہ فصلت حتی شناسی کی
جو حق نے عالم اسباب دنیا کو بنایا ہے
ہستہات سے ہے خطا الرجال اسے قوم تہمت یا
ینا اسلام کی کہتے ہیں تقسیم ڈھا دی گئی
کسوٹی ہے یہ العلم اسلامی اخوت کی

کبھی یہاں آئے کچھ دیکھا ہے لئے ملتہ چیں یارو
بڑا کھنڈروں میں بیٹھ کر اچھا نہیں یارو

اگر کہتے ہیں دل پہلو میں اگر تہمتیں دیکھیں
وطن کو جو سمجھتے ہیں کہ ہے ترجیح غربت پر
ہوئے ہیں جس یہاں جو نونال اطراف سے اگر
مہبت ان میں جب دیکھیں تو سمجھیں بھائی باجائے
اگر غربت میں جو ہیں ایک کا حال ایک سے اگر
تکلف سے ہری ایک ایک کو دیکھیں اور بنا دے
تواضع مغربوں کی دیکھیں اور غیرت غریبوں کی
تائل رستے دیکھیں تو دیکھیں کام میں پھرتی
اطاعت سلطنت کی۔ احترام اہل حکومت کا
مہربان میں غلامی کی تہمت یہاں کی تو آتے ہیں
زبان سے قیصر سہ و ستار کا نام لئے کوئی

ریاض قوم کا فصل خزاں میں باغبان دیکھیں
وہ اگر شام غربت بہتر از صبح وطن دیکھیں
مہم سب کو تہمت یہ شادی رنج و محن دیکھیں
وطن پوچھیں ہندوستان پنجاب دکن دیکھیں
تو ہر طفل جوان میں حفظ عیت حسن وطن دیکھیں
سفر میں رہتی دیکھیں بیاں میں سادہ پن دیکھیں
ایک بچوں کا دیکھیں نوجوانوں کا چہرہ دیکھیں
لڑائی فیملی میں دیکھیں کلب میں بونہیں دیکھیں
وفاداری کی گزروں میں بھٹی بھٹی دیکھیں
ادب اور متان آزادی ان کا تہان دیکھیں
تو ایک دریا محبت کا دلوں میں موجزن دیکھیں

سلفِ پختہ دیکھیں اور تائید اپنی حالت
نگن اسلام کی اور قوم کی دل میں چھین دیکھیں
نازوں کی تقید دیکھیں اور رزوں کی پابندی
اجازت نیک کرداری کی اور ہر کام کی بندی

کلب میں آئے گر احباب رنگ اپنے نہیں دیکھیں
توزیب گئی صدر اک جہنم یونین دیکھیں
نہ کبھی ہوں جنوں شفق طاعت کی تہ نہیں
وہ نکسا اور اسکے شاگردوں کو باہم کھینچ دیکھیں
ناتفت کرتے ہیں جو بند کی نائنتہ اتی پر
کلب میں ہندوؤں کے یون وہ اور یونین دیکھیں
اگر اور نہ ہوا اتلا صلیبی اور شیعی کا
بہم شیر و گریہاں چار یار و پنج بستن دیکھیں
نہ دیکھا چھوڑوں۔ اپنے پیار ہندو اور مسلمان
وہ آکر سلم و ہندو کی یک جان و دو تن دیکھیں
مسیحی کو مسلمان قیازیب بدن دیکھیں
وہ بچوں سے سا کو آکر ملے دمار سین دیکھیں
تو والٹس کا بوٹہ برس انداز سخن دیکھیں
فرانٹس میں تمام اوقات اس کے تہن دیکھیں
اگر اس کوں میں چاہیں کہ دیکھیں ہو رست کو اگر
نہ دیشانی پہ بل دیکھیں نہ ابرو شکر دیکھیں
ادب اور شرقی تاریخ کا ہو دیکھنا مخزن
تو شہلی سا وحید عصر و یکتاے زمن دیکھیں
اگر بوجہ بطوسی کو زندہ دیکھنا چاہیں
تو عباس ابن جعفر سا محیط علم و فن دیکھیں
سخن کو تادہ۔ دارالعلم پر ہوں قوم کے ناز
جو آکر سا ایک اک درکنوں میں عین دیکھیں
پھر ان کے بعد گر دیکھیں مرنی اپنے بچوں کا
تو اک بچوں سے بڑھ کر زندہ دل کہیں دیکھیں
خوشی میں بچ میں صحت میں بیماری میں نہ دیکھیں
اُسے جب آئے دیکھیں قوم کی دھن میں جن دیکھیں

نہیں چپکے طرح ہم باغبان کی طرح دیں سے
 جب ایسا حیرت افزا آنکھ سے اپنی چٹیں
 نہ سمجھیں یہ کہ ہے انکو ہماری وجہ کی پرواہ
 اگر سید کا استحقاق اہل انجمن کو نہیں
 محبت قوم منشا ہے درود یوار سے تحسین
 جنہیں بادرنہ آئے وہ محبت قوم بن گئیں
 ادا سید کا حق تو ہم سے ہو سکتا ہے کیا حالی
 مگر ہاں ہم کو اپنا فرض کرنا تھا ادا حالی

جوانمردی کا کام

مرتبہ ۱۴۲ء

یہ حکایت ایک انگریزی نشرے لی گئی ہے اور اس کو اُس دو میں باضافہ بعض خیالات نظم کیا گیا۔
 تھا کسی ملک میں ایک دولت مند
 حق نے تین اُس کو دئے تھے فرزند
 دور و نزدیک تھا گھر گھر چچا
 باپ بیٹوں کی جوانمردی کا
 باپ ہوں جن کے مروت دانے
 بیٹے پھر کیوں نہ ہوں تمہارے
 ہو چکا گھر کا جب سرمایہ
 ایک دن باپ کے جی میں آیا
 گھر ہے تکرار کا یہ دولت و زر
 مشترک چھوڑ مرے اس کو اگر
 جلد ہو جائے کہیں یہ تقسیم
 آخر ایک روز ہے مرنا تسلیم
 بس کہ تھا اُس کو بہت فکر مال
 ایک دن بیٹھ کے سب مال منال
 اک گراں مایہ جواہر کے سوا
 تینوں بیٹوں کو وہیں بانٹ دیا
 پھر کہا اُن سے کہ اے اہل مہنر
 باپ کی جان مندا ہو تم پر

تم میں جس سے ہو بڑا کام کوئی
 باپ نے اُن سے کہا جب یہ سن
 کہ کوئی کارنسیاں کیجئے
 اُن میں بیٹا جو بڑا تھا سب سے
 ایک دن اُس کا کوئی واقف کار
 رکھ گیا آ کے جو اندر کے پاس
 تھے رقم سے وہی دونوں آگاہ
 کچھ بھی نیت میں گر آجائے خلل
 جب رقم اُس نے طلب کی اُس سے
 مگر اُس شیر کی نیت نہ پھری
 نفس سرکش کو کیا مات اُس نے
 صاحب زر نے جو کچھ نذر کیا
 باپ کو اُن کے دی جب یہ خبر
 اک بُرائی سے بچے تم تو کیا
 اک خیانت کے نہ کرنے پہ یہ ناز

یہ جو اہر ہے امانت اُس کی
 پھر تو تیسوں کو لگی اور ہی دن
 جس طرح ہو یہ جو اہر لیجئے
 اُس کو یہ منکر سوا تھا سب سے
 کہ نہ تھا جس سے کچھ اخلاص نہ پیار
 ایک بھاری سی رقم بے وسواس
 نہ نوشتہ تھا کوئی اور نہ گواہ
 تو یہ تھا عین خیانت کا محل
 وسوسے دل میں بہت سے آئے
 لی کتنی جن ہاتھوں انھیں ہاتھوں ہی
 دی رقم اور نہ دی بارت اُس نے
 وہ بھی اُس دل کے غمی لئے نہ لیا
 ہنس کے فرمایا کہ اے جان پر
 اس سے بڑھ کر بھی کوئی کام کیا
 شرم کی جا ہے تری عمر دراز

منجھلے بیٹے نے پھر اک دن یہ کہا
 دیکھتا کیا ہوں کہ اک طفلِ صغیر
 میں جو دریا کی طرف جسا نکلا
 گر کے پانی میں چلا صورتِ میر

تھا جہاں یار نہ کوئی یا ور
 آنکھ تھی جانبِ مادرِ نگران
 گرچہ تھا کامِ خطِ رنک بڑا
 جان و تن کی نہ رہی مجھ کو خبر
 جان تو جاسی چکی تھی اُس کی
 ایک دم بھر میں گیا اور آیا
 باپ نے سُن کے یہ سب اُس سے کہا
 اُڑیت کا کیا تم نے کام
 فخر کی جایہ مرنی جاں کیا ہے
 ماں کا پہلو تھا نہ آغوشِ پدر
 ماں کنارے پر اُدھر تھی حیران
 پر اُسے دیکھ کے دل رہ نہ سکا
 جا پڑا نامِ خدا کا لے کر
 پر مری شہرمِ خدا نے رکھ لی
 لاکے بیٹے کو دیا ماں سے ملا
 کامِ مردوں کے یہی ہیں بیٹھا
 جاؤ بس سبے یہی اس کا انعام
 نہ ہو اتنا بھی تو انساں کیا ہے

پس خرد کا اب حُسنِ بیاں
 عرض کرتا ہے بعدِ عجز و نیاز
 بات گولائقِ اخسار نہیں
 خوب اک روز گھٹنا چھائی تھی
 شبِ تاریک میں وہ ایرسِ سیاہ
 اک پہاڑی پہ چلا جاتا تھا
 ساتھ تم تھے نہ کوئی بھائی تھا
 کوئدی اک سمت سے بجلی ناگاہ
 جو کہ تھا سب سے بزرگیِ نیاں
 باپ سے اپنے کر اے بہرہ تو از
 آپ سے رکنے میں کچھ عار نہیں
 رات اُدھی کے قریب آئی تھی
 کہ جہاں کام نہ کرتی تھی نگاہ
 خوفِ چھاتی پہ جڑھا جاتا تھا
 میں تھا اور عالمِ تنہائی تھا
 جس سے اُسے کو کھلی راہِ نگاہ

پڑی اک غاریہ وہاں میری منظر
 موت کھولے ہوئے تھی موتھ گویا
 دیکھتا کیا ہوں کہ اک مرد غریب
 جیسے رستے کا تھکا ہوا کوئی
 جان و تن کا نہیں کچھ نیند میں ہوش
 اپنی ہستی کی نہیں اس کو خبر
 اجل آجائے تو ہے روک نہ تھام
 اتنے میں اور جو مجلسی چمکی
 مرد نکلا وہ شننا سنا میرا
 تجھ میں اور اُس میں عداوت گہری
 واں عداوت پہ گر آؤں اپنی
 مارنا اُس کا نہ تھا کچھ دشوار
 آگیا تجھ کو مگر خوفِ خدا
 مرتے کو مارنا بے دردی سے
 حوصلہ کا ہے یہی وقت کہ آج
 جی میں یہ کہہ کے بڑھا جانبِ غار
 وہاں سے جاؤں کو اٹھالایا میں
 مٹھہ کو دامن سے گر ڈھانک لیا

جس کی صورت سے برستا تھا خطر
 جس کے دیکھنے سے جگر ہلتا تھا
 جس کو روتے میں کھڑے اُس کے نصیب
 یا کہ جینے سے خفا ہو کوئی
 غار کے موتھ میں پڑا ہے مدہوش
 اور قضا کھیل رہی ہے سر پر
 ایک کروٹ میں ہے بس کام تمام
 شکل پھر غور سے دیکھی اُس کی
 تھا مگر خون کا پیسا میرا
 ایک مدت سے چل آتی تھی
 اور اصالت پہ نہ جاؤں اپنی
 اک اشارہ میں وہ تھا لقمہ غار
 اور پہلو سے یہ دی دل نے صدا
 ہے بہت دور جو انہر دی سے
 ہے عداوت اپنی مدد کا محتاج
 کہ اسے کچھ چل کر بیدار
 موت کی زد سے بچا لایا میں
 اس کو شرمندہ احسان نہ کیا

سُن کے دی باپ نے بیٹے کو دعا
 پھر بڑے بیٹوں کو بلوا کے کہا
 داستان جب یہ بُنی دونوں نے
 خانہ زادوں کی ہو تقصیر معاف
 جس جوابر کے طلب گار تھے ہم
 اور کو اُس کی ہو س ناحق ہے
 باپ یہ سُن کے ہوا شاد بہت
 چھوٹے بیٹے کو بلا کر پھر پاس
 پھر جوابر اُسے دیکر یہ کہا
 اور چھائی سے لیا اُس کو لٹکا
 بولوا اب کس سے ہوا کام بڑا
 باپ سے عرض کی یہ دونوں نے
 پوچھے ہم سے تو ہے یہ انصاف
 اُس کے لائق تھے نہ حق دار تھے ہم
 حق یہی ہے کہ وہ اِس کا حق ہے
 اُن کے انصاف کی دی داو بہت
 پہلے خالق کا کیا شکر و سپاس
 لو یہ ہو تم کو مبارک بیٹا

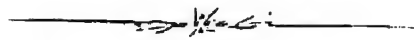
تکریب بند موسوم بزفرہ قیصری

مرتبہ ۱۸۷۶ء

یہ ایک نظم انگریزی یوٹم کے تین حصوں میں سے اول حصہ کا منظوم ترجمہ ہے شاید مشرا لیتوک اس کے مصنف ہیں جنہوں نے کرنل ڈیوس کے توسط سے جبکہ وہ دہلی میں کشتہ تھے اس تمام یوٹم کو دہلی کے چند لائق آدمیوں سے فارسی میں نظم کرا کر ولایت میں بڑے اہتمام سے چھپوایا ہے۔ فارسی نظم لکھے جانے سے پہلے صاحب کشتہ نے یہ یوٹم اردو میں ترجمہ کرا کر نظم کرنے کے لئے میرے پاس بھیجی تھی۔ میں ان کے حکم سے صرف پہلے حصہ کو اردو میں نظم کرنے پایا تھا کہ مصنف نے فارسی میں نظم کرنا چاہا میں نے بہ سبب علالت کے فارسی نظم سہرا انجام کرنے سے اپنی معذوری بیان کی اور یہ کام اوروں کے سپرد ہو گیا اس نظم کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں ہندوستان اور مسلمان بادشاہوں اور انگریزی سلطنت کا ذکر ہے۔

دوسرا اور تیسرا حصہ میں تمام ہندوستانی رئیسوں کا جو دربار قیصری میں شریک ہوئے تھے عموماً اور حضور نظام کا خصوصاً تذکرہ ہے مصنف نے

پہلے حصہ میں بعض مسلمان بادشاہوں پر نکتہ چینی بھی کی ہے۔ ناظرین اس کو دیکھ کر مجھ سے خوش یا ناراض نہ ہوں۔ میرا صرف اتنا قصور ہے کہ میں نے ان خیالات کو ایک ایسی زبان میں نظم کر دیا ہے جس کو میرے ہموطن سمجھ سکتے ہیں۔ اس نظم میں جہاں کہیں ضرورت نے مجبور کیا اپنی طرف سے بھی کوئی بات اضافہ کر دی گئی ہے اور اکثر قریز کے لئے اس کو بریکٹ میں محدود کر دیا گیا ہے۔ بایں ہمہ ممکن ہے کہ اس کے علاوہ اور بھی کہیں کہیں کچھ اختلاف پایا جائے لیکن جو لوگ انگریزی پوٹیکل خیالات کو اردو نظم میں بیان کرنے کی دقتوں سے بخوبی واقف ہیں ان سے اُمید ہے کہ ایسی خفیف فروگزاشتوں سے چشم پوشی فرمائیں گے۔



اے حصارِ عافیت اے کشورِ بندوبست
 اک طرف کھینچی ہے قدرت نئے زونِ بوار کو
 موجزن ہے ایک جانب تیرے بحرِ بیکار
 ہے سدا اچھایا ہوا جس پر خموشی کا سماں
 جیکر اس میں آکے گرتی ہیں ہزاروں ندیاں
 دوست گلچیں نارسا و نخل دولت گلِ فشاں
 خوفِ یامہ کا ہے تجھ کو اور نہ کچھ اندر کا فکر
 تو نے فارغ کر دیا ہے فتح ملک غیر سے
 بھر ضرورہ کیا کہ کھولیں بے سبب تیراں
 چل رہی ہے امن کی ہر سو ہوائے خوشگوار
 ہونہ اب کمد و خزاں سے زخمہ اندازِ بہار

اسے مقدس آریہ ورثہ آئی کیا تجھ پر بلا
 کوچ کر غائبانہ تجھ سے گروفاق اور اتحاد
 تو کہاں اور اہل مغرب کے بھلا کئے کہاں
 گرتی اولاد میں ہوتا سلوک و رشتی
 گھائیوں میں آکے جب ہوتی فراہم تری فوج
 بھانگنا بھی دشمنوں کو واں سے ہو جانا محال
 دیکھتے جب ہر طرف سے آمد سبیل بلا
 یا اطاعت کرتے اور لڑنے سے باز آتے وہیں

یا اگر کرتے بہت بہت تو مر جاتے وہیں

ہند کا حق تھا کہ ہوتی مہر و آفت کی زین
 جفت جس مٹی سے گھنا جائے تھا نخل مہر
 سرسبز نئے گل خود رو کے حسن گل میں تھے
 امن قائم تھا طلوع صبح کے آغاز میں
 دو تاج آریہ کے زعم میں فانی نہ تھے
 جنگ و خونریزی کے خود اگر ہوئے وہ ہنسا
 قوم کے ہمد و ہوسے اس مکاں کے کتبے
 جم گیا آب و ہوا سے وہاں تم کیں
 غور سے دیکھا تو پنہاں تھے درندے بھی ہیں
 جتنا دن چڑھتا گیا ہوتا گیا عزت گزیر
 فانیوں کی طرح یہاں آکر رہے وہ باقی
 ورنہ فتنہ کا قدم تک یہاں نہ آیا تھا کیں

یک بیک آیا خلل امن داماں میں ہر طرف

ایک تزلزل پڑ گیا ہندوستان میں ہر طرف

مرجا اے خطہ ہندوستان صدمہ حبا
 اس خرابی پر بھی روکے تو نے حملہ بار بار
 جانتا ہے اک جہاں سکندر اعظم کا نام
 چشمہ حیاں پر جس کو لے گیا بخت رسا
 لے یہ شعر اپنی طرف سے اس کے جڑھا دیا گیا ہے تاکہ نہ کہے پورے سات شعر جو ہیں ۱۷

تھا جہاں خوف اور سناٹا بشر کا سدا براہ
 اور نیچر کے غلغلوں میں خلل آیا نہ تھا
 گہرے اور تاریک غاروں میں تھا آبِ زندگی
 سایہ بیت تھا جن پر پسر بسیر چھایا ہوا
 گوہری اُس کی رسائی چشموں تلک
 پر نہ ہرگز تیرے سارے مرحلے طے کر سکا
 جی میں جو حسرت تھی وہ آخر نہ بکلی زنیار
 دل میں جو ارمان تھا وہ دل کا دل ہی بیجا
 وقتوں نے فتح کی بے طرح گھبرایا اُسے

کام ہی مشکل تھا یا مشکل نظر آیا اُسے
 رہ گئیں فوجیں ٹھنک کر اُسکی وہاں ساحل کے پاس
 جس جگہ ملتا ہے تلج سے شبکے تاریں
 کارواں اور کارواں سالار کی ٹوٹی تھی اُس
 بات سنتا تھا نہ کوئی کارواں سالار کی
 تھا کھڑا حیراں سکندر اور کستا تھا کہ بس
 جب سکندر پھر گیا ہو یہاں سے بے نیل مرام
 بعد مدت پھر وہیں آئی اُمتد کر ایک گھٹنا
 کون پھر ایسا ہے اُسے یہ عزیمت جس کو رہا
 بیاس کے میدان میں جس سے چھا گیا خوفِ ہراس
 جاتے حیرت ہے کہ وہ کشور کشائے نامور
 پھر گیا لیکر جہاں سے اپنی فوج بے قیاس

کر سکے کچھ وہاں نہ اس حملہ کے اُسکے اہل ہند
 چھوڑ کر ندی بھری کشتوں سے بھاگے اہل ہند
 پہلے اس فتح نمایاں سے بھی اگر شکوہ
 کر گئے یہاں اُنکر تیغ آزمائی میں غلو
 ندیاں جو راہ میں حائل تھیں اُسے بار بار
 حملہ آور اترے اور پڑتے رہے دن بولسو
 اس سے مراد انگریزی فوج کا حملہ ہے جو ۱۸۴۳ء میں پنجاب پر ہوا۔
 یعنی سکندر اعظم۔

وہ نشان کی چمک تھی بے بقا مثل شہزاد
 کہ نظر آئے ناک پر اور ستلج پر کبھو
 رفتہ رفتہ سرزمین گنگا تک پہنچا ہر اس
 آکے ٹھہرا پہلے سینڈر کنار آب جو
 دھار میں گنگا کے وہ ہتھیار چلے سر بسر
 ہند تک یونان سے جو بیٹے آئے تھے لو
 ناگماں جہلم پہ چکی ان کرستھیا کی آگ
 اور پھر کرتی رہی آہستہ آہستہ تھو
 پہنچی جب گنگا کے لگ بھگ ریاس اور ستلج کو پھانڈ
 ہوئے یونان کے ہتھیار آگے آئے اس کے ماند

۱۵ یعنی جن کے ہندوؤں کے پھر یروں کی چمک شہاب ثاقب کی طرح بے بقا اور ناپائیدار تھی
 اور جو ہندوستان پر حملے کر کے محض ناکام یا چند روزہ شمال ہند پر حکومت کر کے واپس
 چلے گئے۔

۱۶ سینڈر یونان کے سوتیر خاندان کا ایک مشہور بادشاہ ہے۔ یہ خاندان سکندر اعظم
 کے بعد ملک باختر یعنی خراسان وغیرہ میں غالباً حضرت عیسیٰؑ سے دو سو برس پہلے مسلمان ہو گیا
 تھا۔ سینڈر نے جیسا کہ بعض مؤرخین نے لکھا ہے ہندوستان پر اسلام قبل مسیح کے دو سو سال
 پہلے کے ہیں اس نے جنوب میں سندھ اور کچھ تک اور مشرق میں ہتھم تک فتح کر لیا تھا۔
 ۱۷ بحر اسود اور کوہ قاف اور زکیرہ کیسین کے شمال میں جو وحشی قومیں آباد تھیں، قدیم زمانہ
 میں ان کو ستھیا واسے کہتے تھے اب وہ تمام ممالک یورپین روس اور ایشیائی روس
 میں شامل ہیں۔ ستھیا والوں کے حملے حضرت مسیح سے سو برس پہلے شروع ہو گئے تھے۔
 ان وحشیوں کے غول کے غول ہندوستان پر چڑھ آتے تھے اور لوٹ مار کر کے
 چلے جاتے تھے یہاں تک کہ حضرت مسیح کی ولادت سے چند سال بعد کشمیر کے قریب

پھر ہوا اسلام کے اقبال کا تارا بلند جانب ہند و ستاں محمود نے ہانکا سمند
وہ مسلمانوں کے حق میں ابر حجت تھا مگر ہندوؤں کے دل سے اسکے تم سے دُور
وہ پہنچتا تھا جہاں پہنچتی ہاں آفتِ سیا اور جیتا تھا جہاں اُس کے کسب و گزند
غشِ غیش آتے تھے ہر ذی ریح کو کہیم وہاں سانس لیتا تھا جہاں وہ اُدھائے ڈھونڈ

دقیقہ نوٹ ملاحظہ! ان کی زبردست سلطنت قائم ہو گئی تھی۔ ان کا سب سے زیادہ مشہور بادشاہ کنہکا ہے جس نے بودھ مذہب کی چوتھی کونسل منعقد کرائی۔ شمالی ایشیا میں جو بودھ مذہب کی شکل ہے وہ اسی کونسل کا نتیجہ ہے۔ ستھیا کی لگ سے غالباً ان کی جہانموری و فتوحات و تاریخ ملا ہے۔ جیسے کہ بایزید عثمانی کو ایلدرم کہا گیا ہے اور عرب کی فتوحات کو برق سے تشبیہ دی گئی ہے۔

۱۵ انگریزی مؤرخوں اور شاعروں کو جب یہ منظور ہوتا ہے کہ لوگوں کو اپنی رحمدلی اور انسانی ہمدردی پر فریقہ اور مسلمانوں پر غضبِ ناک اور افرختہ کریں تو وہ محمود غزنوی اور تیمور وغیرہ کی سختی اور تشدد کو خوب جھڑک جھڑک کر جلوہ گر کرتے ہیں۔

جس طرح اس بند میں محمود کی برہمی اور ظلم کا بیان کیا گیا ہے، اُسی طرح ایک اور انگریز نے اس کی شان میں کچھ شععار لکھے ہیں جن کا اردو ترجمہ یہ ہے۔ نظم
اسے ملکِ زرنگار یعنی ہندوستانِ قدیم ہے وہ لہنا حملے سے جسکے پہلے ترے ارکاں میں زلزلہ

وہ تیرے قصرِ رستوں دارِ ساساں معبودہ جو پہاڑوں کے غاروں میں پڑنا
ٹھا کر اور نیک مندر راہِ ابراہیم کے تخت حملے سے اُس کے آگے بڑھنا
پتلا غضب کا کونسا وہ ہولناک ہے؟ اسے ملکِ زرنگار وہ غزنی کی خاک ہے

روزنامہ تھا جس کو وہ کھیتی نہ ہوتی تھی ہری صلح نے بھٹانہ تھا ہوتا تھا جو شعلہ بلند
خون تھا لوہیں خدا کا اور نہ کچھ بندوں یہ رحم قتل و تاراج تھا ایک باری سلطان پسند
جب وہ آنا تھا تو سر تاپا گلستاں تھا یہ ملک
جب گیا یہاں سے تو مثل دشت میرا تھا ایک

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۵۲۔)

آنا ہے تو تھا ہوا اس بزم گاہ میں پھرتے ہیں کچھ تلخ بہت اس کی راہیں
کتے جو اس کے ساتھ نکلا رہی ہیں ہمنار اُن کے گلوں میں ہیں وہ جو ابرنگار ہار
بے رحم فوج لائی ہے جو لوٹ مار کر مقتول رانیوں کے گلے سے آتا رکھ کر
کرتا ہے قتل لڑکیوں کو وہ گھروں کے بیچ اور بے گناہ بچاریوں کو مندروں کے بیچ
اگرچہ ان دونوں شاعروں نے محمود کے تشدد کو بہت مبالغہ کے ساتھ بیان
کیا ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے ان کے بعض بادشاہوں کی ظالمانہ کارروائیاں
گو وہ کیسی ہی تاریکی اور وحشت کے زمانہ میں کی گئی ہوں، ہمیشہ باعث شرم
و ذلالت رہیں گی۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ آیا دنیا میں کوئی ایسی قوم ہے جو اس جھٹ
سے پاک ہو؟ یورپ کی تاریخ سے ظاہر ہے کہ یورپ کی شاہستہ قومیں جو کج اپنے سوا
تمام دنیا کی قوموں کو وحشی کا خطاب دیتی ہیں محمود کے زمانہ میں بلکہ اس کے
بعد کئی صدیوں تک ایشیا سے ہر اتب زیادہ وحشت و خونریزی و ہرج می میں
مستلما تھیں اور اگر انصاف سے دیکھا جائے تو بنی نوع انسان کی دو خلیستیں نہ
کبھی بدلی ہیں نہ آئندہ بدلنے کی امید ہے۔ ایک طبع اور خود غرضی۔ دوسرے زیر و زور

آخر اسے رانا حکیموں کچھ سبب اس کا بتاؤ
جب کہ حق اور راستی ہے خاص رحمانی صفت
جیسا کہ ہے سر حشریہ مہر و محبت ذات حق
کیا یہ زیبا ہے کہ؟ دین حق کو لے لیا ہے جس
زور سے منواؤ تم اور دنیاں جنوں کی بہاؤ

دقیقہ نوٹ صفحہ ۱۵۴ کا زیر دستوں کو زلزلہ اور ہسپانیہ جس طرح مگر چھپ چھپیلوں اور مینڈکوں
کو یا شیر اور جیتا ہرن اور نیل گائے کو نوش جان کرتا ہے اُس طرح جو انسان قوی
اور زبردست ہیں وہ ضعیف اور کمزور انسانوں کے شکار کرنے سے کبھی درگزر نہیں
کرتے۔ سولہویں صدی کو جس میں اہل یورپ امریکہ میں جا کر آباد ہوئے کچھ بہت
زمانہ نہیں گزرا۔ اس صدی میں یورپ کی بعض قوموں کے ہاتھ سے امریکہ کے
اصلی باشندوں پر کونسا ظلم اور کونسی بیرحمی ہے جو روا نہیں رکھی گئی میکسیکو اور
پیرو جو کہ امریکہ کے دو شاہی ملک تھے وہاں کے مفتوحین پر جو وحشیانہ ظلم ہسپانیہ
والوں نے کیے اُن کی نظیر دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملیگی۔ کورٹیز جو کہ ہسپانیہ
کا رہنے والا اور میکسیکو کا فاتح تھا اُس نے اور اُس کے بعد نئے وارد ہوئے والے
جرمنیوں نے یہ ٹھکانہ لی تھی کہ میکسیکو کو قاطعہ ویران کر دیجیے اور وہاں ہسپانیہ کی
ایک کالونی آباد کیجیے۔ چنانچہ جہاں تک اُن سے ہو سکا وہاں کے قدیم باشندوں
کے نیست و نابود کرنے میں کوئی دقیقہ فر و گزاشت نہیں کیوٹیز نے میکسیکو کے
شاہنشاہ موتینی زوما کو گرفتار کر کے اٹلا لٹکا دیا اور اُس کی رعایا کو اُس کی
آنکھ کے سامنے قتلایا اور قتل کرایا۔ بڑے بڑے الاؤ لگے ہوئے تھے جن میں ہزار ہا

یاد رہے کہ سچی دوستی اور پیار سے اور ان باتوں سے جن میں جلوہ افت کا کٹھن
دل کو اہل جہاں کے پینے لہجہ اور پھر حکم پھیلنا و خدا کے اور یقین ان پر دلاؤ
راہ حق کا خار و خس سے پاک ہونا چاہئے
گلشن دیں بے خس و خاشاک ہونا چاہئے

(بقیہ نوٹ، صفحہ ۱۵۴)

نبی آدم عالم طور پر بے تکلف جلوسے جاتے تھے۔ معصوم بچوں کے رویہ و ان کی باتیں
اور باپ بہن ہزار عقوبت و سختی آگ میں جھونک دے جاتے تھے۔ دیہات اور جنگل
میں ہزاروں آدمی شکاری کتوں سے پھڑکا ڈالے جاتے تھے۔ یہ سپاہیہ کے وہی مقدس اور
بے عیب عیسائی تھے جنہوں نے کافروں یعنی مسلمانوں کو غناط سے ایک تاپاک گنگنا
قوم ہونے کا الزام لگا کر نکالا تھا اور جن کا قول تھا کہ ظالم اور بدویں مسلمان اس
لائق نہیں ہیں کہ فرشتہ صفت عیسائیوں کے ہمسایہ اور ہم وطن ہو کر رہیں۔ اندازہ
کیا گیا ہے کہ تقریباً ایک ملین نبی آدم ابن مقدس عیسائیوں کے ہات سے طرح طرح
کی عقوبت اور سختی کے ساتھ مارے اور جلوسے گئے۔ یہی حال کچھ دنوں بعد یسرو
کا ہوا۔ یہ ملک جنوبی امریکہ میں بحر الکاہل کے کنارے واقع ہے۔ فرنیسلو نیرو
کہ غالباً اٹلی کا رہنے والا ایک جمہول النسب آدمی تھا اس کو جنوبی امریکہ میں قہرات
کرنے اور وہاں سے سونا چاندی رونے کا مدت سے خیال تھا۔ اس نے پنا مایا اسکے
قریب کسی اور مقام میں ایک جماعت کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ایک بڑا جہازوں
کا اور کچھ سپاہ اس کے ماتحت ملک پیرو کو جس کے تمول کی بہت شہرت تھی روانہ کریں
چنانچہ اس سامان کے ساتھ وہ وہاں پہنچا اور ایک دو پھرے کے بعد اس ملک

خون ہے استاد اور شاگرد دونوں کا ہند
راستی اور امن کی دیتے ہیں جو عظیم ہیں
اور یعنی جانتے ہیں اس طرح تسلیم جو
بات حیرت خیز ہے پر شک نہیں ہوئی را
نخل شادی آنسوؤں کی نم سے لانا ہے
۱۵ استاد اور شاگرد کی شرح نیچے کے دو شعروں کی گئی ہے۔

دقیقہ نوٹ صفحہ ۱۵۵ پر قابض ہو گیا۔ پھر تو کوئی ظلم تعدی ایسی نہ تھی جو سیرو کے
اصل باشندوں پر جائز نہ رکھی گئی ہو۔ ان سے سونا اور چاندی چھین چھین کر اپنے
ملک کو بھیجتا تھا۔ ہزاروں بندگان خدا اس کے ظلم و ستم سے ملک چھوڑ چھوڑ کر بھاڑوں
بیرج ٹھگئے تھے جہاں وہ آخر کار فاتے کر کر کے مرجاتے تھے اور ہزاروں قتل کر گئے
جاتے تھے تمام مورخوں کا اتفاق ہے کہ ایسی بیرجی کبھی دنیا میں نہیں ہوئی۔
انگریزوں کا بیان ہے کہ اسٹریلیا کے قدیم باشندوں پر بہت سختی نہیں کی گئی۔ اگر یہ
بیان صحیح ہے تو وہاں سختی کی بہت ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ بیچارے اس درجہ
ناہموار، میڈول اور ناشایستہ تھے کہ انگریزی فالتوں کی صورت میں ٹیپ ٹاپ
اور چمک دمک دیکھ کر شرم کے مارے زمین میں گر پڑے جاتے تھے اور کسی طرح
نکلنے نہ تھا کہ ان کے پڑوس میں رہ سکیں جس قدر انگریزی مہاجرین کی تعداد
اسٹریلیا میں بڑھتی گئی وہ لوگ ملک کے اندرونی حصہ میں غائب ہوتے
گئے اور رفتہ رفتہ وہیں معدوم ہو گئے۔ اب شاذ و نادر کہیں کہیں اندرونی
پہاڑوں کے سلسلہ میں پائے جاتے ہیں۔ ٹسمانیہ کے قدیم باشندے جو ایک

دبدم ہیراب اگر خون شہیدان سنو رہ نہیں سکتا ہر دنیا کی راحت کا شجر
 بے شہادت بل نہیں سکتی حیات سہری موت ہے در زندگی کا اور الم بابہ ظفر
 غیر کے زخموں پہ ہرگز رحم ہم کھاتے نہیں
 آپ جب تک زخم کاری کا مزا پاتے نہیں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۵۶) خوش بشیرہ مگر ان سویلاز قوم تھی یورپ والوں کی ہسٹنگز
 کے باعث بالکل فنا ہو گئی یہاں تک کہ اب ایک نقص بھی ان کی نسل کا باقی
 نہیں۔ پس آسٹریلیا کے قدیم باشندے جو انڈومان والوں سے بھی زیادہ بد توڑ
 اور ناشائستہ تھے۔ انگریز جیسی اعلیٰ درجہ کی شائستہ قوم کے پڑوس میں کیونکر
 ٹھہر سکتے تھے۔

تو بکلوہ چوں درائی۔ اہل اندر تر رحم ہمہ جا کند منادی ہے احترام کردن
 اگر فی الواقع انگریزوں نے آسٹریلیا والوں پر سختی نہیں کی تو یہ ان کی عین دانا ئی تھی
 کہ انھوں نے مفت کی بدنامی نہیں لی اور تمام برا عظم ان کے لئے خود بخود
 خشن و خاشاک سے پاک ہو گیا۔

بات یہ ہے کہ دنیا کے ایک بہت بڑے حصے نے علم و مہر میں اس قدر
 ترقی کی ہے اور وہ دوسرے حصے کے انبائے جنس سے اس قدر آگے
 بڑھ گیا ہے کہ اگلے زمانہ کے فاتح اور کشور کشا جن ناجائز ذریعوں سے
 مفتوحین کی دولت و ثروت اور سلطنت کے مالک ہوتے تھے ان ذریعوں
 کے کام میں لانے کی اب مطلق ضرورت نہیں رہی جس قدر مال و دولت پہلے

اسے جلال الدین ہے تو ہی وہ شافعیہ اور
 یکہ آزادی نئی نوع بشر کو تو نے دی
 فہم سے بندوں کے بالاتر تھے جو اس لڑیں
 حوصلہ نکلا تراشا ہاں پیشیں سے وسیع
 صلح کل جس کی زمانہ میں بسگی یادگار
 اسے پر ہر شخص کی ٹھہرا عقیدہ کا مدار
 بحث کرنے کا ملا بندوں کو ان میں اختیار
 پتھر سے القاب شہنشاہی نے پایا اعتبار

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۵۸، قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ سے مائل کیا جاتا تھا۔ اس سے
 صناعت مفاعض اب صنعت و تجارت کے ذریعہ سے خود بخود کچھ چلا جاتا ہے۔
 یہاں تک کہ جب دو ایسی گورنمنٹوں کے درمیان جن میں سے ایک شائستہ اور
 دوسری ناشائستہ ہو تجارتی عہد نامہ تحریر ہو جاتا ہے تو یہ یقیناً کچھ لیا جاتا ہے کہ
 شائستہ گورنمنٹ بغیر اس کے ہلدی لگے یا پھٹکری، دوسری گورنمنٹ کے تمام
 ملک و دولت و منافع و محاصل کی بالکل مالک ہو گئی کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔ ابیات
 نہیں خالی ضرر سے حشیوں کی لوٹ بھینکن حذر اس لوٹ سے جو لوٹ ہے علمی و اخلاقی
 نہ گل پھوٹے نہ برگ و بار پھوٹے تو گئے گلن میں یہ گچھنی ہے یا کٹش ہے۔ گچھیں یا ہے قزاقی
 شاید ان شعروں میں کچھ مبالغہ ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ جو متوجہ اگلے زمانہ کے غارتگروں
 کی لوٹ کھسوٹ سے مترتب ہوتا تھا اسی نتیجہ کے قریب قریب یہ شائستہ لوٹ بھی پہنچا
 رہی ہے۔ کروڑوں اہل صنعت و حرفت جن کی دستکاری کمینکس کا کسی طرح مقابلہ
 نہیں کر سکتی تان شہینہ کو محتاج ہو جاتے ہیں۔ فلاحیت پیشہ لوگوں پر یہ بیتا پڑتی
 ہے کہ زمین کی پیداوار جس قدر کثرت کے ساتھ غیر ملکوں کو جاتی ہے اسی قدر ملک
 میں زیادہ کاشت کا تردد کیا جاتا ہے اور اس سبب سے روز بروز زیادہ لاگت

پر تری اولاد نے کی پیروی تیری حقیقت ہو گیا اُن کا تعصب خود گلے کا اُن کے ہاں
 ٹہرہ آخر مل گیا اُن کے تعصب کا انھیں کر گیا رحلت جہاں سے جلد اُن کا اقتدار
 قادر خوں کے ڈھیر میں کھنڈروں میں اُن کے آج دیا
 دولت روئے زمیں کل جلوہ آرا تھی جہاں

(ایضاً نوٹ صفحہ ۱۵۹) لگائی پڑتی ہے اور محنت کا کافی معاوضہ نہیں ملتا یہ پولیٹیکل اکوئی
 کا مسلم مسئلہ ہے کہ قدرتی پیداوار کی جس قدر زیادہ مانگ ہوتی جاتی ہے اُسی قدر
 اس کے ہم پہنچانے میں زیادہ لاگت اور زیادہ محنت صرف ہوتی ہے اور
 مصنوعی چیزوں کی جس قدر زیادہ طلب ہوتی ہے اُسی قدر اُن پر کم لاگت آتی
 ہے اور کم محنت صرف ہوتی ہے۔ ملکی تاجروں کے لئے جو کہ شائستہ ملکوں
 کی مصنوعی تجارت کرتے ہیں۔ اول تو اوپر والے منافع کی کچھ گنجائش ہی نہیں
 چھوڑتے اور اگر قدر قلیل (جیسے آٹے میں نمک) کچھ فائدہ ہوتا بھی ہے تو اپنے
 ملک کی نہایت ضروری اور ناگزیر اشیاء کا نرخ گراں ہونے کے سبب اُن کی
 کمائی میں سے بہت کم پس انداز ہوتا ہے اور جس قدر ہوتا ہے وہ غیر ملکوں کی
 آرائشی اور غیر ضروری چیزوں کے خریدنے میں جو باوجود کمال نفاست اور
 لطافت کے نہایت ارزاں دستیاب ہوتی ہیں صرف ہو جاتا ہے پس اُن کے
 بھی فارغ البالی اور آسودگی کبھی نصیب نہیں ہوتی اور اگر سود و سومیں
 دو چار ایسے نکل بھی آتے ہیں جو اپنے ملک میں مرفہ الحال سمجھے جاتے ہیں
 اُن کا معاملہ اور لین دین اُن کو وڑ پتیوں سے ہوتا ہے جن کے مقابلے

خیر ان کے ذکر سے اب کیسے قطع نظر
 ان رحمت اتفاق اور یکتیں انصاف کی
 اور رعیت کی اطاعت جو نہ مجبوری سے
 نعمتیں ہندوستان کو یہ ہوئیں اُس نصیب
 چھار ہی تھی جبکہ یاوسی دلوں پر سرسبز

دقیقہ نوٹ صفحہ ۱۶۹ میں وہ اپنے نہیں محض مفلس اور قلائع تصور کرتے ہیں اور
 جن کی مانگ سے ہمیشہ دوارہ نکل جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ طبع اور خود غرضی اور زبردستوں کا زیر دستوں کو دلنا اور
 پینا جیسا تاریک اور وحشت کے زمانے میں تھا اُسی کے قریب قریب اب
 بھی ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ دولت گھسیٹنے کے لئے پہلے جبر و تعدی
 کی ضرورت تھی، اب اس کی کچھ ضرورت نہیں رہی۔ ان سویلائزڈ دنیا کی
 دولت سویلائزڈ دنیا کی طرف خود بخود کھینچی جاتی ہے۔ تمثیل ایک آزاد ہاشیر کو بہت
 بُرا بھلا کر رہا تھا کہ تو کیسا بے رحم ہے کہ ہمیشہ جائیدادوں کا خون پینے کی فکر میں
 رہتا ہے اور شکار کی دھن میں دُور دُور کے دھاوے کرتا ہے۔ تمام جنگلوں میں
 تیری دھاوا ہے۔ آج اس ہرن کو بچاؤ ڈالا کل اس پاڑے کے ٹکڑے اڑا دیئے۔
 ایسی خونخواری پر کمر باندھنی ابھی نہیں ہے۔ بغیر نہ کہا کہ قبلہ اگر میری سانس
 میں لمبی کشش ہوتی کہ دُور دُور سے جانور خود گھٹتے ہوئے میرے مونہ میں چلے
 آتے اور میری حرص و آاذ کی آگ کو نکھا دیتے تو میں بھی ہرگز کسی بے گناہ کے خون
 میں اپنے ہات رنگین نہ کرتا۔“

امن و راحت کا تصور تک نہ آیا تھا کبھی جیسے حق ناحق کا سکہ پل پاتا تھا بے خطر
 دیکھ کر انہیں سردی کا دور دورہ نیکیاں ہو چکی تھیں یہاں سے نصرت آگے بڑھی چھینکر
 اُس اندھیرے میں اُجالا ناگماں پیدا ہوا
 چشمہ حیواں کا ظلمت میں نشان پیدا ہوا

(ایضاً نوٹ صفحہ ۱۶۰) مع ذلک اگر کہیں آزادی تجارت میں کوئی مزاحمت پیش آتی ہے۔
 اور بغیر جبر و تعدی کے کام نہیں چلتا تو اعلیٰ درجہ کی شائستہ قوم سب کچھ کرنے کو موجود
 ہو جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ آزادی تجارت کی مزاحمت رفع کرنی عین انصاف ہے۔
 حالانکہ جناب پوٹیکل کوئی نے اس بات کا تصفیہ نہیں کیا کہ فری ٹریڈ کا قاعدہ
 مطلقاً قرن انصاف ہے یا خاص خاص صورتوں میں خلاف انصاف بھی ہو سکتا
 ہے۔ انگلینڈ کا فائدہ فری ٹریڈ میں ہے اس لیے وہ اسی کو عین انصاف سمجھتا
 ہے فرانس اور ایٹلیا اسٹینس اس کو اپنے حق میں یا فعل مضر سمجھتے ہیں اس لیے
 وہ اس کو جائز نہیں رکھتے لیکن انصاف شرط ہے۔ جن حکمتوں اور تدبیروں
 سے آج کل دنیا کی دولت گھسیٹی جاتی ہے اُن پر خلاف اگلے زمانہ کے جابرانہ
 لوٹ کھسوٹ کے کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ مشہور ہے کہ حکیم علوی خاں کے
 زمانہ میں جو کہ مرشداء کا علاج اور ایک نہایت حاذق طبیب تھا ایک عطار بھی اس کے لئے دیکھتے
 دیکھتے علاج کرنے لگا تھا لوگوں نے اُس کا ذکر علوی خاں کے سامنے پیش کیا اور یہ کہا کہ صریحاً
 مریض آپ کے علاج سے اچھے ہوتے ہیں اور مرتے ہیں اُسی سے قریب قریب اُس کے علاج سے اچھے
 بھی ہوتے ہیں اور مرتے ہیں بھی بلوخیوں نے کہا ہے۔ لاکن من بقاعدہ می کشم

کیا مرہٹے کیا مغل یہاں کیا افغان کیا
 علم فن تجارت کوئی مٹ گئیں ہنچے بیاں
 عہد میں سب کے رہی یہاں بارش ابریل
 دہم طوفان ہدی اور عیب کا بھٹارا
 بحیرہ پایاں میں گویا سخت طوفان تھا
 اور ہمارا عاقبت تدبیر کے بس کا نہ تھا
 ناندوں کے بجائے اور نہ ملا حوں کے ہو
 بے طرح چھایا ہوا تھا ابرہہ ظلمت چار سو
 کو کب رہیں کا ڈھونڈے سے نہ ملتا تھا پتا
 اک تھلائی نظر اور پھر اندھیرا چھا گیا
 کو نہ ناچلی کا تھا گویا کہ جگنو کی چمک
 جو کہ بزدل تھے وہ غش کھا کھا کے گرتے تھے وہاں

اور جی بھڑے ہوئے تھا بحرِ اری اور سورماں

ڈوبنے کے جب نظر آنے لگے اُنار سے
 آکے انگلستان نے طوفان کو لٹکا رکھیں
 تب نجات آئی یہاں ساتوں مند پارسے
 ہند کو اپنوں نے دی اگر نجات اختیار سے
 باز رہا ہے فتنہ اپنی گرمی رفتار سے
 کچھ دنوں چھڑے رہے پھر گردشِ ادوار سے
 اہل ہند و اہل مغرب اہل ہر یک تھے
 گورہے چند سے جدا ہو گئے انجام کو
 اہل مغرب کو نہ کھیں غیر ہرگز اہل ہند
 اب نہ چھوڑے کیا یقین و ہموں کی لڑ کاٹے بغیر

دوستی رہتی ہے کب نفرت کی جر کاٹے بغیر

۱۵ اپنوں سے مراد مغربی آدیہ یعنی انگریز اور اختیار سے مراد مسلمان ہیں۔

بقیہ ٹوٹ صفحہ ۱۶۱ و اس قلم ساق بے قاعدہ ص ۱۲ حالی

دہریوں کا فرقہ لایعقل و کوتاہ ہیں ق
 اب بیوی کو نہ کچھ مصدر کل کائنات
 اتفاق دہریہ دیکھے نہ نسب یا پیش
 ورنہ ہم پوچھینگے اس سے کس طرح اتفاق
 کچھ جوان اور چند سوداگر تجارت کے لئے
 اور کچھ اس کو ریا دیر قایم ہوں وہ
 اپنی کجی راہ سے جو تقدیر کا قائل نہیں
 اتفاق دہریہ دیکھے نہ نسب یا پیش
 یا بیوی سے گیا مغرب سے مامشرق میں
 تاکہ ہوں بروسیوں کی طرح وہاں حاکمیں
 ایک مدت تک رہا مصلوں کے جو دیکھیں

کیا یہ سب کچھ اتفاقاً ہو گیا اسے اہل را سے

یا مشیت نے تم اسے اپنی قدرت کے دکھائے

ایسے ہدایات جیسا ہے یہ بہتر ہے کہ ہم
 گو کہ افسانہ ہے لیکن دہریوں کے قول ہے
 مان میں سر اور اس کی دانتاں پشورم
 اس میں کچھ باتیں زیادہ دلنشیں ہاتھ پریم
 اسے نہ دیتا اور اسے راکشس کو کہتے ہیں۔ یہاں ہمارے میں لکھا ہے کہ اگلے زمانہ میں ایک
 دیوتاؤں اور راکشسوں کی لڑائی ہوئی تھی جس میں دیوتا فتح پا ہوئے اور راکشس
 ہارے راکشسوں کو یہ خیال ہوا کہ ہم باوجودیکہ دیوتاؤں سے قوی اور زبردست
 ہیں پھر کیوں اُن سے مغلوب ہو گئے۔ اس پر یہ معلوم ہوا کہ اُن کے پاس علم غیبی منرو
 کی طاقت ہے۔ راکشسوں نے اُن کے منتر اور کتا میں جیہ الیس اور ایک راکشس
 تنکھا سمر نام اُن سب کو لے کر سمندر میں غائب ہو گیا۔ ایشتر نے جو یہ حال دیکھا
 تو خود بھی کادروپ بھر تنکھا سمر کو سمندر میں جا کر بلا لک کر دیا اور دیوتاؤں
 کے سارے منتر اور پشنگیں صفات نکال لائے۔ ایشتر جی کی زبانی یہ بھی معلوم
 ہوا کہ سمندر میں اور کچھ بہت سے رتن یعنی مفید اور نایاب چیزیں ہیں اُن کو

اہل بھارت کا آنا سمندر پار سے ہے سمندر کا بلونا فی اشل ہے محترم
زندگی جو اس سے اہل ہند کو حاصل ہوئی ہے وہ امرت جو کہ پہنچا ہے ہندوستان
اب رہا وہ زمہ جس سے خلق شیو کا جلیا یہ وہی حق ہے کہ جو ہے واسطے بل کے تم
جس سے ہوگی خواہ گئے دیوتاؤں کی نمود اور ہوں گے باغیان غیب گو نگے یک ظلم
جو مٹائے جائیگا باطل کی ظلمت کے نشان
صبح صادق کی نہ ہوگی روشنی جیتک عیاں

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶۳ نکالنا چاہئے انھوں نے کہا کہ میں کچھ ایسا نہیں میری بیٹھ بروٹی
کی جگہ ہالیہ پر بت کو رکھ دینا اور تسہ کی جگہ باسکی (سانپ کا نام ہے) کو ہالیہ کے گرد
پلیٹ کر اس کے دونوں سر سے سر اور اس طرح سے پکڑیں کہ سانپ کے منہ
کی طرف سے سروں کے اور دم کی طرف سے اسروں کے بات میں رہے اور
اس طرح سمندر کو بلوڈالیں۔ انھوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ سمندر میں سے
چودہ رتن یعنی لکھی جواہر۔ شراب۔ دھنتر بید۔ چاند گنو۔ گھوڑا۔ سفید ہاتھی۔
شیرکان۔ امرت۔ پس وغیرہ برآمد ہوئے۔ امرت پر سروں کی باہم ٹکرا ہو گئی۔ انھوں نے
کہا ہم لیں۔ انھوں نے کہا ہم لیں۔ ایشوریاک میں عورت کا روپ بھر کر ان پر ظاہر ہوئے دیوتا اور
راکشس دونوں اس کی صورت پر تعریف ہو گئے اور آپس میں یہ بات قرار
دی کہ یہ عورت جس کو جو کچھ دے وہ اس کو خوشی سے لے لے۔ چنانچہ اس عورت
یعنی ایشوریاک لکھی تو اپنے واسطے رکھی اور باقی تمام رتن دونوں فریق
میں تقسیم کر دیئے۔ امرت سروں کے حصہ میں آیا تھا مگر گھوڑا اس تقسیم ہونے باقی

ہند میں پہلے کبھی جو سلطنت یکسو نہ تھی اس کو امر اتفاقی جانتا ہے اب یہی
یہ بھی کتنا غیر ممکن ہے کہ کتنی اسلاف میں
ہاں مگر تقدیر پر ہے حیب کہ ہر شے کا مدار
چاہئے کتنا کہ تقدیر الہی تھی یہی
اکبر اور شاہجہاں کی ذات میں کیا کچھ تھا
سلطنت کی چوایاقت چاہئے وہ انسانی
دھاک نادر شاہ کی بھی کم نہ تھی خیر کچھ
فتح اُن کی پر نہ اپنی حد سے آگے بڑھ سکی

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶۴ تھا کہ ایک رکنس اٹھا کر لیا گیا۔ دیوتاؤں میں سے ایک نے
اس کا سر اڑا دیا۔ لیکن پس کو کسی نے لینا قبول نہیں کیا شیو یعنی مہادیو جی نے
کہا لاؤ اس کو میں کھا جاؤں۔ وہ اس کو کھا تو نہ سکے مگر اپنے کمنڈ یعنی حلق میں
رکھ لیا جس کے سبب سے اُن کا گلانیلا پڑ گیا۔ شاعر اس ہند میں قصہ مذکور کی طرف
اشارہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ برٹش حکومت کا ہندوستان میں قائم ہونا اس قصہ
کا مصداق ہے گویا انگریز مثل دیوتاؤں کے ہیں جو اپنے علم کی طاقت سے رکنسوں
یعنی ہندوستان کے لٹیروں اور پنداروں اور ظالم حکمرانوں پر غالب آئے
اور وہ انگلستان سے کسی سمندر طے کر کے ہندوستان تک پہنچے یہ گویا سمندر کا بلونا تھا
امدادین کی سلطنت سے جو زندگی یعنی امن و رفادہ و آزادی اور جان و مال کی حفاظت
ہندوستان کو حاصل ہوئی یہ وہ امر ہے جو سمندر سے براہم ہوا۔ اور جس ذہر سے
کہ مہادیو جی کا حلق جل گیا یا نیلا پڑ گیا تھا اس سے خود انگریزی سلطنت کو مثال
دی ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح حق باطل کیوں سٹے نہ رہے۔ اسی طرح یہ
سلطنت قدیم سلطنتوں اور اُن کی طرز حکومت کے حق میں ذہر ملاہل کا حکم

آج یہ صوبہ بچہ کل ملک وہ باغی ہوا عہد میں سب نے بی نقشہ ہی صورتہ رہی

دور تھا وہ دن کہ سرہنوں ایک در پر بیٹھے تھم

ہند کی قومیں ہوں ساری تریہ سلطان علم

راج پر راجہ اشوکا کے ہیں وہ لائیں گوا جن پر فرمان اس کے انک ثبت بیچ شہنشاہ

ہند میں ازبیک لائیں گویا ہیں دور دور سے ہو بیان سے اس کی سحر تکیں ویاہ

پر نشان فتح جواول پلاسی میں گزرا اور پھر کابل میں پہنچی جرح تک اس کا گلا

مدتیں گزریں کہ وہ آتر سے لیکر تا دکن کر چکا ہے حصہ ان لائیں کی بڑھ کر قطع را

پوریا تو بچھ میں بھی ڈالا ہے اس نے نور دور سایہ عدل نکولی پر تو امن در نماہ

ہم نے یہ مانا کہ پتھر پر میں جو کندہ کروں وہ رہیں گے منتقل اس پر نہ اردوں لالہ

نام ہے دکتوریہ کا آن سے بڑھ کر باہر

نقش ہر اک صفحہ دل پر ہے جس کا ہوتا

دشترقی تاج آج تک تھا پیش رہنا لوہن اک امانت جس سے محرم تھا نہ فرق مردوں

تہفہ تقدیر میں اب تک رہا محفوظ وہ مر گئے اس کی تمنائیں سلطین زمین

ہاں مگر اسے خوشنماں جہاں و کشور یا تھی ترے فرق مبارک سے آلی گلشن

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶۵، رکھتی ہے اس سے اگلے دیوتاؤں یعنی قدیم بادشاہوں کی حکمرانی

کے طریقے اور قاعدہ سب محو ہو جائینگے اور ان کی تائید میں جو غیب سے آوازیں آتی

تھیں وہ نذر ہو جائیں گی اور جب تک کہ ہندوستان میں صبح صادق علم اور شائستگی کی

روشنی نمودار نہ ہوگی برابر قدیم زمانہ کی تاریکیوں کو یہ سلطنت محو کرتی ہوگی ۱۲ حالی

گر کے کوئی کرا وروں نے نہ کیوں پامایہ تاج اُس سے کہہ دلائق حل نہیں ہے ہر دہن
گو بہت دنیا میں شاہ و شاہ بانو ہیں مگر بانو ہے برطانیہ کا سب سے بالا ہے چلن
ماکسی اولاد کو ایسی نہیں ہوتی نصیب اور نہ ماں کو ایسی بیٹی اور نہ دلہا کو دس

نیک نیت پاک دل ایسے بستر ہوتے نہیں

رج سنے کے لئے ایسے جگر ہوتے نہیں

وہ جزیرہ جو کہ روسے بھر رہا ہے مثلِ خال دھوپ کا اور روشنی کا جس کی سرحدیں کمال
جس سے آگے بڑھ کے ہیں آثار قدرتِ ناپید کچھ نہیں کہ تا نظر جز ذاتِ ربّ ذوالجلال
یعنی انگلستان ہے جس کی حقیقتِ بمقدور شاید اس کے باب میں کوئی یہ کہ نہ بیٹھ سواں
کیا ضرورت ہے کہ وہ مختار اور مخالف ہے مہرِ زمین ہند پر ہے جس کی رحمت کا یہ حال
اُس سے کہہ دو خونِ بیہ اولاد کا اس کی جہاں آبِ یاروں کی طرح اور نہ ہو یہ جہاں لال
جس کے لینے اور بچانے کے لئے لاکھوں شجاع جنگ میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے ہوئے ہو پائمال

مفت آسے ہاتھوں سے کھو دینا روا ہو کس طرح

خوں بہاؤں سوراؤں کا ادا ہو کس طرح

اور سب جانے دو کیا غفلت کی کچھ قیمت نہیں یافتوحات نمایاں لائقِ وقعت نہیں ؛
یہ بے پتہ فتح و ظفر کی قیمتی زنجیر کیسا دوشس پر ایک قوم کے ہر اہلِ عزت نہیں ؛
واسطے اولاد کے میراث جس کو چھوڑ بیٹاں اس قدر بھی دولتِ عزت میں کیا کرتاں
سمجھے اس دولت کو جو ناجیز اُس کی روح کو جسمِ خاکی سے جو سچ پوچھ تو کچھ ہیقت نہیں
عزت کرنی اُس سے لا محال ہے بھادو سے تجھ کو انگلستان کی شہرت سے کچھ ہیبت نہیں

ناحق ایسے شخص کے کہنے کا تم مانو گرا جس کی فطرۃ میں کجیوانوں سے کم نہیں
 ٹنگ ذلت ہے نہ کچھ پروا سے عزت ہے جسے
 ہر لذت اور پستی پر قناعت ہے جسے

جبرائیل اسپارٹا سے یہ نہ ہوں نکلا
 جب بڑوں کے اپنے سارے یاد آتے تھے نہیں
 سورماں تھر موہلی کا نام سن پاتے ہیں جب
 آئے میں اس معرکہ میں کام جو شیر حری
 جو کہ دہلی یا سال میں ہوئے ہیں فتحیاب
 جی چرائیں گے نہ مرگرجان دیتے سے کس
 تانگ فتح دہلی و فتح اسالی کا شرف

قوم میں باقی رہے گواہی جانیں ہوں تلف

یاد ہوگا سب کو وہ جن کا حساب اولیں
 تفرقہ نے توڑ کر کھینکا تھا سب کو دور دور
 کون ہوگا جس کے دل میں یہ بتا ہو کہ بھر
 قومیں آپس میں کتنی میریاں جو ہیں چل
 ایک حاکم کی عزت دوست ہوتی ہے سدا
 تو تہ اور ان مضحی میں شرم ہائے اتفاق
 جس نے ڈالی تھی لیش کی ذلت میں بیا کوس
 تھی پیری جس وقت بن لولی جی ہمارے بن
 ہو وہی پہلا اعتبار انسان پر نازل کہیں
 انکی شکلیں ہوتی جاتی ہیں زیادہ دور میں
 گزرتو تو ایک دن ہو جائے گی وہ بالیقین
 ثمرہ نا اتفاق جسے ہر ہیت کچھ نہیں
 نوع انساں میں بدی سے جو کہ بھیل اتھا اتفاق

کرتا جاتا ہے زمانہ اُس میں پیدا اتفاق

ہے زیر دستوں کا یاد دہان بالآخر کل
اک ذرا سی ٹھیس میں ہوتا ہے کام اُنکا نام
وے گرا گلستان کا ساری عنایت ملے ساتھ
ورنہ وہ نلت کہ جو دو براظم پر ہے آج
کیا تعجب ہے کہ اُس کا سایہ دور دورا
سامنے اُس قوم کے انگلیٹڈ کی ہے وہ ٹہلا
وقت پر سب بل کے گرا سکا نہ دینگے ساتھ یہاں

اک طرف ہو جائے گا پتہ ترازو کا گراں

نوع انسان کو ملی ہے جب کہ قفل ناتمام
بات جو کل ہو چکی اُس کی بھی حسرت ہے
جب کہ اک ہموار رستے پر چلے جاتے ہیں ہم
کچھ دنوں سے چڑھ رہے ہیں ہم بلندی کی طرف
اُن نیچے جب بلندی پر تو لازم ہے کہ اب
جب بلندی پر سے دیکھیں چھکے ایتنی کی طرف
بھر حماقت ہے کہ کیجئے آج کل کا اہتمام
رہتے ہیں آج اس لیے ہر حال میں ہم شاؤ کام
دائیں بائیں کے بلند و سیت سے کیا ہلکا کام
کر چکے ہیں قطع تھے یہاں پر خضر جتنے مقام
خوف کا ہر گز رہے باقی نہ دل پر اپنے نام
شکر حق الامین یا اذ نحت کو بھیجیں سلام

جو خوشی دی ہے خدا نے اُس سے ہی ٹھنڈا کریں

یا دغما سے گزشتہ سے نہ دل میل کریں

لہ یہ روس کی طرف اشارہ ہے۔ انگلیٹڈ کو پورے اور روس کو دیوے کشمیر دی ہے۔

راگنی اس وقت کی ہم چھڑتے ہیں بر ملا جس سے ظاہر ہو کہ حالت ہند کی پہنچ کیا
 اتفاق اور دوستی نے کوہِ ریا پہنچا دیا اور آزادی نے کر رکھا ہے ہر ایک کو جسدا
 ملکیت فوجوں سے اور قلعوں سے ہے محو و برب پایہ نظم و نسق پہنچا ہے تا فوق السما
 سر پہ دیو تلخ ہمالیوں ہند کے دکھے گئے واجبی حق الشرفِ ملت کے بعد اس کو ملا
 بر خطائے اس ملک کے جو ٹھٹھک رہا ہے ہر طرف سے بن ہی بنا اور قوطب ہے جاندار کا
 چھڑیوں کے فول چھڑتے ہیں بول میں چھڑکے تاکہ قبول جائے وہاں آوارہ وشت یلا
 کر کے چھوڑیں اس کو ایسا بے کس مرے خانماں
 حشر ملک پیار سے رہیں فرقت میں انکی نوحہ

یارِ سائیں ہند کی حالت نہیں زاد و زار ہے موافق اس کی وحدت کے رعیت کا شمار
 عرض کیے کل نبی آدم کے چھڑتے اگر ایک حصہ اس میں اہل ہند پائیں گے قرار
 ہے انھیں مقدار اس کی اس سے بھی بڑھ جائے گی کیونکہ فتنہ کو نہیں ملت سے ملتا اس میں یا
 زندگی کی ریت اب بھر گی شیشے میں سوا پیشتر جسکے ٹھٹھکے کا تہہ جارہا تھا تھنا تار
 اس قدر زید و دل کی روزی کا ہیں کو فک ہو ہے خدا کے حکم پر سب کی معیشت کا مدار
 ۱۷ یعنی سب کو اسے کی آزادی حاصل ہے۔ ہر شخص ایک دوسرے کے اور خود
 گورنمنٹ کے خلاف اسے دینے کا مجاز ہے۔ گویا آزادی کی حیثیت سے سب برابر
 ہیں اور اتفاق کی حیثیت سے سب ایک ہیں۔ ۱۷
 ۱۷ یہ روس کے دیران اور غیر آباد ملک کی طرف اشارہ
 ہے۔

کچھ نہیں تو قحط کا دورہ سلامت چاہئے بڑھنے پائے گا نہ آدم زاد کا حد سے شمار
یاد رکھ اسے منکر حق ہے یقین اصل نجات
دوسوں سے اور کھلی جاتی ہے راہ نکلا

ہر کران سورج کی اور ہر یونانی کی ہے یہاں لاکھوں جاہلداروں کے رہنے کو چاہئے
وہ خدا جس نے بنایا اور کھپے بالائیں کیا تجھے اور نسل کو تیری زندگیا تو تیاں
ہند کا دریا جو چڑھتا ہے تو چڑھنے دو اسے تو یقین کو اپنے رکھ مشیو طبع و ہم گویاں

اسے اس خیال سے مترشح ہوتا ہے کہ شاعر کے نزدیک غریب ہندوستانوں
کی جائیں حضراتے دمن وحشرات الارض سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ کاش وہ
ہندوستان کی آبادی گھٹنے کے لئے یہ امید ظاہر کرتا کہ جس قدر تجارت -
سیاحت اور علوم و فنون کی ملک میں ترقی ہوتی جائیگی۔ اسی قدر یہاں کے باشندے
توڑک وٹن آہستہ یار کرتے جائیں گے اور اسی طرح رفتہ رفتہ ملک میں باشندوں کی تعداد
ایک مناسب مقدار پر پہنچے گی۔ اس بیان میں ایک اور بھی خلل ہے۔ اوپر کے شعر
سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوؤں کی مردم شماری زیادہ ہونے سے اس بات کا اندیشہ
ہے کہ ہندوستان کی پیداوار ہندوستانوں کی خوراک کے لئے کافی نہ ہو اور
اس سبب سے ہمت سے لوگ بھوکے مرنے لگیں۔ اس اندیشہ کو وہ اس طرح
رفع کرتا ہے کہ جب قحط سالیوں میں لوگ بھوکے مرتے رہتے تو مردم شماری
بڑھنے نہ پائے گی اور ملک کی پیداوار ملک والوں کو کافی ہوگی۔ گویا بھوک
سے مرنے کا علاج بھوک ہی سے مرناتیا ہے۔

ہے اگر غلبے کا کثرت پر رعایا کی مدد ہندوستان کا ہے اسی ایشیا پر حکمران
 کچھ بھی ہمت ہو اگر اس میں تو کچھ شک نہیں آنکھ اٹھا کر دیکھئے کوئی سوئے ہندوستان
 بلکہ خود بجائے وہ فوج اور لشکر کو پیڑھے اور گاڑے جا کے حد میں غیر کی اپنا نشان
 اور اگر کچھ بھی نہ تو بھی کیے جائے بس
 عزت آزادی ہند کی بابر سے اپنے گھر

مملکت آسمانی ہو جس کی اور رعیت نہ ملے ہوز میں ساری خدا کی برکتوں سے بہرہ ور
 ایسے سلطان بلند اقبال فخر خاں کو اور کچھ کیا چاہئے کچھ بھی قناعت ہو اگر
 ہے کوئی داوی جہاں میں ہمیشہ کشمیر آج یا کوئی گنگا کے میدان سے زمین زرخیز تر
 شہر ہے جو مرکز کشمیر مانند طلسم طرہ کیفیت سے ہے لہروں میں دل کی جلوہ گر
 دیکھتے ہیں اب صافی میں جب اس کا انکسار دوسرا نہیں کا نقشہ صاف آتا ہے نظر
 بالغ خال مار جو رونق فرا ہے اس کے پاس ہے وہ اک نیزنگ قدرت کا نشانہ سرسبز
 سبزہ و نسیم و گل کی سرزمین کیسے آسے
 صفحہ نگشتی یہ یا خلد بریں کیسے آسے

۱۔ غلبہ کا مدار کثرت پر رعایا پر نہیں ہے۔ بلکہ رعیت کے ذہن میں یہ بات نہ نہیں
 ہوتی چاہئے کہ ہمارے اور گورنمنٹ کے مقاصد متحد ہیں اور ہمیں ہماری ہی ہیود کی
 کے لئے حکومت کی جاتی ہے۔ جب تک رعیت کو اس بات کا یقین نہ ہو کہ وہ امید
 کی جاسکتی ہے کہ وہ سلطنت کی جہاز متار ہوگی۔ ۱۲۔
 کشمیر سے مراد منہر سری نگر ہے۔

فی اشل تختہ زمرہ کا ہے وہاں ایک سترہ ڈاک
 بھیل کے چاروں طرف جس طرح آئے ہیں نظر
 تھی بنائے سے غرض تیرے یہ لے بلایم
 چوٹیاں پریت کی ہیں یوں برف میں پٹی ہوئی
 ان کی رفعت اور بلندی کی نہیں کچھ آہٹ
 روز روشن میں جب آسمان بھیل پر پڑتا ہے کس
 سایہ تلک اس طرح ہیں ہو ہو میں چن چن
 زریہ بالا اوپے نیچے گھر قطار اندر قطار
 باغ جنت کا نہ انسان کو رہے کچھ انتظار
 جایا گویا کھڑے ہیں دیوار و صحن ہرہ دار
 سینہ گردوں سے گویا بکھل جائینگے پاؤں
 تقری یا پانی سے اُس کی بھر کوئی دیکھے ہمار

اور پھر چھ مٹ زنانہ لقا کا ہر طرف

(ساٹنا آفت کا فتنہ کا بلا کا ہر طرف)

جنت اسے کشمیر کوئی جگہ سی دنیا میں نہیں
 ہرچن یہاں پھول سے اور پھل سے مالا مال ہے
 ان مکانوں اور خیابانوں سے جب آگے بڑھے
 جیسے ہوتا ہے اندر وقت جا کر مستی
 یعنی تسلیم بد اور یہ جہان خامشی
 طرفہ ٹٹا ہے اس سنان کو ہستان پر
 تو نہیں دیتا بھٹکنے اپنے طالب کو کہیں
 ہرچن میں یہاں جیتا میں مکان ہر کہیں
 پھر وہ عالم ہے جہاں غیر از خموشی کچھ نہیں
 ختم ہو جاتی ہے دنیا بھی یہاں اگر کوئی نہیں
 طاقت انسان کی حد سے ہیں برے دو کوئی نہیں
 جس کی دنیا میں نہیں تشیل کوئی دشمن

ہیں سراسر ناپید آثار انسانی یہاں

مٹھ پیٹے ہیں بڑے اسرار بزدانی یہاں

ڈھونڈیے گران پھاڑوں کی بلندی کی مثال
 جیسے وادی کی زمیں سے مافک پہنچے ہیں یہ
 ظاہر ان کا اور انگشتان کا ہے ایک حال
 وہ بھی پستی سے یوں نہیں پہنچا جتاے اوج کمال

ہے بقیں رستے ہی میں ہو جائے کام نہ تمام
تا پتی پر اُس کے انگریزوں نے جب کھول دیا
یعنی اُس دم تک کہ کھول سے ہو اگر انکا رُق اور دریا ہو گئے پچاسکے سب خوں میں لال
لشکر مقدونیہ کی قتل گاہوں پر ہوا بعد مدت گرم پھر ہنگامہ خیاں وصال
اہل انگلستان کو جھگڑوں سے فرصت کم ملی
امن کو فتنہ کے ہاتوں سے فراغت کم ملی

جب بناوت نے اٹھایا سر تو اُس سے بھی
عورتیں اور اُن کے بچے بے گنہ مارے گئے
بھائی بدوں کی بجائیں دیکھ کر غم گیس ہوئے
اور ہزاروں نے یہ باندھا بل کہ مصویریں
صفو مہستی سے نام اُن کا مٹانے کے لئے
لیکن اُن کی گھات میں تھا شونہ مہر و غیب

یہ انگلستان کا ہو کر رہا آخر سر گراں
گرتے گرتے قہم گیا اقبیاں کا اُس کے نشان

گو ہوئی دلی بہ حاصل بر ملا فتح و ظفر
پر نہ اس فتح نمایاں کا ہوا اعلا رنج
جو تک چونک اٹھنے لگے راتوں کو بدحوالی کو
صبح کے ہوتے ہی سب کا فور ہو جاتا تھیں نہ

یہ حسین اقبیاں لہرانے لگا پھر بے خطر
وسوسوں سے دل رہے سب اس کے زور و زبر
کر گئی دنیا سے گویا قارخ السالی سفر
تھکیلین بہیت ناک جو دالتوں کو آتی تھیں نظر

راے بیٹھری کہ پائے اب قیصر کا لقب تابع فرماں ہیں جس فرماں روا کے مجرور
تو سب بازو سے جو حاصل کیا ہے تو مئے وہ ہمالیوں تاج رکھا جائے اُس کے فرق پر
تاکہ سب جانیں کہ نصرت ہند سے فتنے ہوا

عمداً انگلستان کا جو کچھ کہتا پورا ہوا

اِس نوید روح پرور کی اشاعت کے لئے ہند میں آیا پرنس آف ویلز انگلستان سے
ایلیٹ اڈورڈ جس کے دوہ اقبال میں جو جلیل القدر سلطان اب سے پیدا ہو چکے
جس کے دادا نے کیا زیر و زبر نظم فرانس اور تباہ ہے لقب جس کا پتہ اس جنگ کے
دی فرانسیسوں کو جس میں زک وہ انگلستان جس سے واقف ہیں فرنگستان کے مجرور
حاکم بومیہا کی جبین لی تھی جس میں ہمال خود و بعد زماں نے یاری اقبال سے
جس پہ کلے اعتراض بند گئی کے بولا حاکم بومیہا کے دستخط سے نسبت تھے
جمع تھے جس ذات والا میں فضا کی ہند

وہ ہوا محمود اس کا عظیم الشان یہ

وہ مبارک وقت جب انکا سے لیکر انکا اُس کے آنے کی خوشی میں مجھ تھے مرنے والے
راگ گائے جاتے تھے ہر سو مبارک یاد کے جوش شادی میں درو دیوار تھے غزل
شہر میں جنگل میں ہر میدان ہر راہ میں جمع تھی اُس کے لئے خلق اُس کے رخصت
وہ سہانے بول شہناکے وہ بیاہوں کی ٹھہری بڑی ہے جن کی گویا کان میں اتنا بھر
کچھ چکے ہیں اُس ہمالیوں حشر کے نقشے بہت میں بھی لے و کٹو ریاسے غم شایان زین
جاہتا ہوں کھینچنا نہ اک اک اُس دربار کا جس میں کی تو نے قیاسے قیصری زیب لیا

جس میں تیرے نام کا ذکر لکھا یا قوم نے
جو کہا تھا مجھ سے آخر سر کر دکھایا قوم نے

دولت اور وقت کا مناظرہ

ایک دن وقت نے دولت سے کہا
تو ہے سرسبز مایہ عزت یار میں
ہے زمانہ میں بڑی بات تری
وقت سے پہلے یہ دولت نے کہا
ہے عجب جس کو خدائی مانے
سبز ہے گلشن دنیا مجھ سے
نام اقبال ہے آنے کا مرے
مجھ سے پاتے ہیں ٹہن نشو و نما
لاکھ رکھتا ہو کوئی فضل و کمال
خوبیاں لاکھ کسی میں ہوں۔ مگر
چند روز آگئی میں جس کے کام
جس سے مجھ کو نہ سروکار رہا
مجھ کو درجہ جس کو لگا لیتی ہوں

سچ بتا تجھ میں ہے فوقیت کیا
تو ہے انسان کی دولت یار میں
دیکھیں ہم بھی تو کرامات تری
تجھ کو اسے وقت نہیں عقل ذرا
اُس کی تو خوبیوں میں شک جانتے
لیتے ہیں توشتہ عقبتی مجھ سے
لقب ادیار ہے جانے کا مرے
علم بھی ایک طفیلی ہے مرا
لاکھ رکھتا ہو کوئی حسن و جمال
میں نہ ہوں تو نہیں کچھ قدر بشر
زندانہ حشر رہا اُس کا نام
وہ سردار خوار و نگوں سا رہا
اُس کی میں شان بڑھا دیتی ہوں

چاہتے ہیں مجھے نسب خرد و کلاں
 گر نہ ہوں میرے تو کوئی کام نہ ہو
 کوئی حاجت نہ ہو دنیا کی روا
 ہیں رکھائی سے مری سب لڑاں
 جس سے دنیا میں نہ میں راہ کروں
 الغرض ہے مری وہ شان عظیم
 جڑ سمجھتے ہیں خوشی کی مجھ سے کو
 تو بتا مخبر ہے مجھ میں وہ کیا
 وقت نے سن کے کہا اے دولت
 ساری تو خوبیوں کی جڑ ہے۔ مگر
 تو جو اپنے یہ ہے نازاں اتنی
 کیجئے فرض سمجھ کر حشمت
 میں ہوں یا تو ہے اس اس مکان
 تو جو کھیتی ہے تو رقبہ میں ہوں
 ہے قراہ ترا گر عطر آگیاں
 سے عبث تجھ کو تفوق کا خیال
 جتنا قیصہ میں ہوں میں اے دولت
 لاکھ بار ان سے اگر بھاگے تو

پھرتے ہیں دُھن میں مری پر پتوں
 کسی آغز کا انجھام نہ ہو
 درمیاں گر نہ قد ہو میرا
 میرے اغماض سے ڈرتا ہے جہاں
 ہو اگر شمشیر تو رو یا ہ کروں
 کرتے آئے ہیں جسے سب تسلیم
 میری عظمت نہیں باور تجھ کو
 جس نے مجھ سے بچے گمراہ کیا
 شک نہیں اس میں ذرا اے دولت
 اپنی جڑ کی انیس کچھ تجھ کو خبر
 اپنی ہستی سے ہے غافل کتنی
 تو ہوں اُس حشمت کا میں سر حشمت
 پہلے دریا ہے کہ مچھلی ناداں
 تو جو موتی ہے تو دریا میں ہوں
 میں ہوں اُس عطر کی وادئ زمیں
 تو ہے گر مال تو میں راس المال
 تجھ یہ رکھتے ہیں وہ دست قدرت
 بڑھ کے جاسکتی نہیں آگے تو

غزلیات

قبضہ ہو دلوں پر کیا اور اس سے سوا تیرا
 گو سب سے مقدم ہے حق تیرا اور کرتا
 حرم بھی ہے ایسا ہی جیسا کہ ہے نامحرم
 چھتا میں نظروں میں یا خلعتِ سلطانی
 عظمت تیری مانے بن کچھ نہیں آتی یار
 تو ہی نظر آتا ہے ہر شے میں عیلاں کو
 نشہ میں وہ احساں کے سرشار ہیں اور زنجو
 بھلا ہے پرے تلکو اور اک کئی سرحد سے
 طاعت میں ادب تیرا عصیاں سے بے گنجو
 آفاق میں پھیلے گی کینک نہ ممک تیری
 اک بندہ نا فرماں ہے حمد سوا تیرا
 بندے سے مگر ہو گا حق کیونکہ ادا تیرا
 کچھ کہ نہ سکا جیساں بھید کھلا تیرا
 کلی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا
 پر خیر و سرکش بھی دم بھرتے سدا تیرا
 جو رنج و مصیبت میں کرتے ہیں گلا تیرا
 جوش کر نہیں کرتے نعمت پہ ادا تیرا
 جس قوم نے دکھا ہے انکار و ادا تیرا
 عصیاں میں ہے طاعت سے اقرار و ادا تیرا
 گھر گھر لئے پھرتی ہے پیغامِ صبا تیرا

لہذا یہ اشارہ ہے اس حدیث کہ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** نجات فی الدنیا والاخرتہ ضو لہا یعنی
 خدا کی خوشبو نہیں زمانہ میں پھیلی ہوئی میں سوان کا آگلا اور ان کو پورا پر نہ جانے دو ۱۷۹

مہرِ نول ترا دل سے ٹکرائے گدڑا ہے

کچھ رنگ بیاں حالی سے سب سے جدا تیرا

کارل ہے جوازِ دل سے وہ ہے کمال تیرا
باقی ہے جوابِ تک وہ ہے جلال تیرا
ہے عارفوں کو حیرت اور مشکروں کو شکستہ
ہر دل یہ چھارہا ہے دُعب جہاں تیرا
کاوش میں ہے الٰہی دُکدائیں سہہ طبعی
جو دلی ہوا ہو گا وہ ہے سوال تیرا
چھوٹے بھوٹے ہیں گویا جی پر دل بندھ ہوئے ہیں
لٹنے سے بھی سوا ہے چھٹنا محال تیرا
گو حکم تیرے لاکھوں پال مانتے رہے ہیں
لیکن ٹلا نہ مہرِ گز دل سے خیال تیرا
پشتہ سے تیرے کیونکر جاسے نکل کے کوئی
پھیلا ہوا ہے ہر سو عالم میں جال تیرا
اُن کی نظریں شوکتِ تجھی نہیں کسی کی
دل ہو کر جانِ تجھ سے کیونکر عزیز رکھئے
دل ہے سو چیز تیری جہاں ہے وہاں تیرا
چہ پوڑاں سے دل اُس کا قوی زیادہ
رکھتی ہے آسرا یاں جو پیرِ زال تیرا
ہے پاس دوستوں کی تیری ہی نشانی
یارِ بکھی نہ پائے زخمِ اند مال تیرا
بیگانگی میں حالی یہ رنگِ آشنائی

سُرخِ جن کے سرِ دھنیں گے قالِ اہل حال تیرا

نہ زمیں و نہ جنوں کی تیرے عجب مزا خوشگوار دیکھا
نہ اس سفر میں سکھان دیکھی نہ اس نشے میں خمار دیکھا
نہ جی نکھائی سے تیری چھوٹے نہ بے تیاری سے اس ٹوٹے
رہے سدا نامِ راجو یاں انھیں بھی اُمیدوار دیکھا

رخ جہاں سوز تیرا دیکھا نظارہ افروز جس جہن میں
 نہ بیل و گل میں دال تعلق نہ سرو و قمری میں پیار دیکھا
 سوار محل کی جستجو میں ہزاروں دشت طلب میں دوڑے
 یہ محل آیا نظر نہ ناقہ فقط کچھ اٹھتا غبار دیکھا
 جولا کہ میں ایک پرکھیں کچھ کھلا بھی قسمت سے بھید تیرا
 بلا نہ کھوج اُس کا بھر کسی کو ہزار ڈھونڈا ہزار دیکھا
 لگن میں تیری نکل گئے جو نہ جھکے دریا سے پو خطر سے
 گئے وہ کو دانکہ بند کر کے نہ وار دیکھا نہ پار دیکھا
 نیچے ہوئے کاشتوں سے یاں کی وہی ہیں جو تیرے ہوئے ہیں
 دگر نہ زخموں سے حادثوں کے ہر ایک سینہ فکار دیکھا
 جہن میں جھوٹے سے جا بھی نکلے اگر کبھی واعدا تیرے
 گل ان کی نظروں میں جھپٹے دیکھا کھٹکتے آنکھوں میں غار دیکھا
 نہ نہیں یہ کہ کیا ہے کیا ہے کون ہے اور تو کہاں ہے
 یہ اپنے میں اور تجھ میں ہم نے علاقہ اک استوار دیکھا
 سلوک میں تیرے سب سے کیساں وہ گہر و برا میں مل گیا
 شان سے کچھ تیرا تیرا یا نہ ان سے کچھ تیرا پیار دیکھا
 سپر بھی دی تو نے تیغ بھی دی گردے ہاتھ باندھ کر کے
 جھینٹھیاں اختیار ب کچھ انھیں بھی بے اختیار دیکھا

بشر سے کچھ ہو سکے نہ حالی تو ایسے جینے سے فائدہ کیا
ہمیشہ بیکار جنگو پایا کبھی نہ سرگرم کار دیکھا

پردہ ہوا لکھ کینہ شہر و نیرید کا
مضوں ہے نقش دل میں لہذا مزید کا
تغزل بدرمراذ سب اکبار کھل گئے
دیکھا ہے مجھے عالم رحمت کو غور سے
شرم کرم کی ہیں یہی گر پردہ داریاں
ہے تروبانِ خدیہ تو رفیقِ درمیاں
ہے آسمان پہ تیرے جگر خوار کا دماغ
تسکین نہیں مشاہدہ گاہ گاہ سے
دور رخ ہے گر وسیع تو رحمت وسیع تر
لا تقطوا جواب ہے محل من فیہ لیک

حالی کی ہیں اگر یہی شیعوں بایا نیاں
لے گا نہ کوئی نام ظہیر و رشید کا

نعت

یا ملکی الصفات یا بشری القوائے نیک دلیل علیٰ انک خیر الوری

اے قرآن شریف میں ہے لہم ما یثناؤن فیہا ولدینا مزید یعنی اہل جنت کے لئے
جنت میں وہ جو کچھ چاہیں گے سب کچھ ہو گا اور (اس کے سوا) ہمارے پاس اور کبھی بہت کچھ ہے (۱۱۳)

تجھ سے بولے زندہ خلق جیسے کہ باران سے خاک
 دعوے روشن تر انا بیت بے بیت نہ
 قال ترا اور حال نشہ وحدت میں چور
 غیب سے بھیجا تجھے مانتا پھر تاجہاں
 اٹھا ہدایت کو تو عین ضرورت کے وقت
 شان رسالت کی تھی تیری جہیں سے عیاں
 لگوئی سعد کا جب کہ چڑا تا تھا تو
 دوڑ پڑے سوئے حق کاٹ کے سب بٹیریاں
 راہب قیاس و تجربہ گئے لٹھام کر
 خاک تھی جس ملک کی نذر شر و فساد
 تو نے تحلیل کیا قوم کا غلبہ تھا جب
 چھوڑ گئے تھے سلف کام ادھو بہت
 تو نے کیا سب حق عارفانہ عالی پناہ
 جوت سے حق کی ربادل ترا چھوٹا کوئی
 حجت حق کو چکا دین ترا جب تمام
 دیکھوئے بے چراغ اور مصلوات یہود
 جھگڑے آتشکدے بیٹھ گئے شمشکدے

غلغلہ خضب الزماں لشک مجاہد الوہ سے
 صورت دیرت تری صدق یہ تیرے گوا
 اور صائرا خدا اور کچھو نا خدا
 دشت میں بھٹکا ہوا قافلہ بے رہنما
 جیسے کہ ہنگام قحط قبلہ سے اُسٹے گھٹا
 گود سے دایہ ابھی کر نہ چکی تھی جسدا
 گلزار دم تجھے سونپ چکی تھی قضا
 امیوں کے جب پڑی کان میں تیری صد
 دیکھ کے تیرا قدم ہم قدم انبیاء
 تو نے اُسی کو دیا ارض مقدس بنا
 جب ہوئی مغلوب قوم تو نے ترحم کیا
 تو نے کیا دام دام قرض سب ان کا ادا
 ایک کو سمجھا دیا ایک کو دکھلا دیا
 ایک کے چرکا لگا ایک کو گمسا لکھا
 پھر نہ کسی دین کا رنگ جہاں میں جما
 شرک ہو مفضل اور کسانت ہیا
 ہو گئی تنلیث مات اور ثنویت فنا

لہ دیر ہوں کلیسا صلیوات یہودیوں کا کلیسا ہیا عیارنا چیز نہ جو خود خدا ایک خالق غیر
 ایک خالق شریعتی یروان اور اہرمن کو مانتے ہیں اس عقیدہ کو ثنویت کہتے ہیں۔

اٹکے بہت مدی جیسے کہ ساون میں گھاس
 غیرت حق نے مگر جلد لب انتقام
 رہ گیا نام سچا کذب میں ضرب المثل
 سلسلہ انبیاء ختم نہ ہوتا۔ اگر
 آئے ہی جیثہ دیا تو نے کنوئیں سے نکال
 بس نہ رہا اشتباہ اب حق و باطل میں کچھ
 مزید چند روز باقی ہے نشوونما
 بل گئے اٹھ اٹھ کے سب خاک میں مل چکا
 اسود و این کثیر خوار ہوئے بر ملا
 حق کی حقیقت سے تو پردہ نہ دیتا اٹھا
 جس کو چلے آتے تھے کھودتے سب انبیاء
 بھیج چکا تیرے ہاتھ ملکیت بیضا خدا

بچہ یہ صلوٰۃ و سلام رب سموات سے

روزِ شوب و صبح و شام قدرِ مال جھٹلے

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھاکے چھوڑا
 ابراہیم سے ترساں حرارِ تجھ سے لرزا
 رایوں سے راج چھینے شاہوں سے تاج چھینے
 کیا منعوں کی دولت کیا زبردِ کائنات چھینے
 جس رگدڑ میں بیٹھا تو غولِ راہ بن کر
 فریاد کو کہن کی لی تو نے جان شیریں
 یعقوب سے لیشہ کردی تو نے ناصوری
 اور قیسِ عامری کو مخنیوں بنا کے چھوڑا
 جو زوہ پتیری آیا اُس کو گرا کے چھوڑا
 گردن کشوں کو اکثر نچا دکھا کے چھوڑا
 جو گنج تو نے ناکا اُس کو لٹا کے چھوڑا
 صنعاں سے راست رو کو برہنہ کئے چھوڑا
 یوسف سے پارسا پر ہمتاں لٹاکے چھوڑا

لے جماع یک عورت مدعیہ نبوت کا نام ہے جس کا کذب عرب میں ضرب المثل ہے چنانچہ کہتے ہیں
 صواکن بہ من سجال اور ہو دغلی وسیلہ جس کی کثرت این کثیر ہے یہ دونوں مدعی نبوت تھے جو آخر کا قتل
 کئے گئے۔ ۱۲

لاگ اور لگاؤ دونوں دلگداز تیرے
عقل و خرد نے تجھے کچھ پش جہاں کی
علم و ادب رہے ہیں دیے ترے ہمیشہ
افسانہ تیرا تلیں رو داد تیری دلکش

تجھ کے دل سے جن کے اکوڑا کے چھوڑا
عقل و خرد کا تو نے خاکہ اڑا کے چھوڑا
ہر معرکہ میں تو نے اُن کو دلا کے چھوڑا
شعر و سخن کو تو نے جا دو بنا کے چھوڑا

اک دسترس سے تیری حالی بچا ہوا تھا

اسکے بھی دل پہ آخر چر کا لگا کے چھوڑا

دیکھا ہے امید کیجیو ہم سے نہ تو کنار
یوں بے سبب زمانہ بھرتا نہیں کسی سے
میخانہ کی خسرابی جی دیکھ کر بھرا یا
اک شخص کو توقع بخشش کی بے عمل ہے
دنیا کے خرخوشوں سے جج اٹھے تھے ہم دل
توفیق نے ہمیشہ لی منت پر خبریاں
انصاف سے جو دیکھا نکلے وہ عیب سار
افسوس اہل دیں بھی مانند اہل دنیا
اُمت کو چھانٹ ڈالا کافر بنا بنا کے
کیا پوچھتے ہو کیونکر سب نکتہ جین ہو چپ

تیرا ہی رہ گیا ہے دیکے اک سہارا
اے آسمان کچھ اسمیں تیرا ہی ہوا سارا
مدت کے بعد نکل واپس جاکھلے تھے تھارا
اے زاہد و تمھارا ہے اسمیں کیا اجارا
آخر کو رفتہ رفتہ سب ہو گئے گوارا
جب ناؤ ڈنگائی پاس آگیا کنار
جتنے ہنر تھے اپنے عالم میں اُنکا ر
خود کام و خود نما ہیں خود میں ہیں دُخوار
اسلام ہے نقیہو! منوں بہت تمھارا
سب کچھ کہا انھوں نے پرستہ دم نہ مارا

حالی سے کام ہے بیان فعلوں سے اسکے کیا کام

اچھا ہے یا بُرا ہے پھر یا رے سہارا

لے دلا نا کشتی دلا نا - یعنی بچھا ڈرنا - اکثر کشتی کا لفظ حذف کر کے صرف دلا نا یوں لیتے ہیں - ۱۲

روانہ ہو گا حالی شاید یہ کہ تمہارا
 اُلفت میں دم بدم کچھ لذت ہے بڑھتی
 عاقل میں شہر میں کم ناداں بہت موعظ
 دلجو نہیں کوئی یاں حیف اسے تم بہتو
 گاہک کی قدر سے کچھ قیمت نہ پاؤ گے تم
 دشتِ طلب کے رستوں پہ ہو گے کس طرح
 دو دنیاؤں کو بھی کچھ جم کے جانتینو
 روسی ہوں یا ستاری ہو ستائیں گے کیا
 کہولی میں تینے انکھیں اسے حادثہ ہاری
 ہوتے ہی تم تو تبدیل کچھ رو دینے سوارو
 رستے میں گرنے پڑے تو تم بھی جا ملو گے
 پھرتے ادھر ادھر ہو کس کی تلاش میں تم
 باد و رقم تو مائیں ہم دل سے تم کو حالی

کچھ کر کے بھی دکھائے زورِ قلم تمہارا

وہ دل ہے شگفتہ نہ وہ بازو میں تو اتنا
 خود مہر وطن سے ہے دواع اب کے شرمیں
 دلی سے نکلتے ہی ہوا جینے سے دل سیر
 یارب طلب وصل ہو یا ہو طرب وصل
 یہو نچا ہے بس اب کوچ کا تم سمجھو نا نا
 جانا ہے وہاں پھر کے جہاں سے نہیں آنا
 گویا نہ رہا اب کہیں دُنیا میں ٹھکانا
 جس دن کہ یہ دونوں ہوں وہ دن نہ دکھانا

دُنیا کی حقیقت نہیں جبرِ حسرت و حرماں
 افسوس کہ غفلت میں گناہِ بدِ جِوانی
 چھل بل میں تم اس زوالِ فوٹو کی نہ آنا
 تھا آبِ بقا گھر میں مگر تم نے نہ جانا
 یاروں کو ہمیں دیکھ کے عبرت نہیں ہوتی
 اب واقعہ سب اپنا پڑا ہم کو سنانا
 دُنیا میں اگر ہے بھی فراغت کا کوئی دن
 وہ دن ہے کہ جسدِ نہ ہے اسے چھوڑ کے جانا
 لی ہوش میں آنے کی جو ساقی سے اجازت
 فرمایا خیرِ دارِ کدہ نازک ہے نہ مانا،
 ڈھارس سی کچھ اسے ہمتِ بوا تم سے نہ جی،

حالی کو کہیں راہ میں تم چھوڑ نہ جانا
 جہاں میں حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسہ نہ کیجئے گا
 یہ بھید ہے اپنی زندگی کا بس اس کا چرچا نہ کیجئے گا
 ہولاکھ غیروں کا غیر کوئی نہ جانتا اُس کو غیبِ ہرگز
 جو اپنا سایہ بھی ہو تو اُس کو تصورِ اپنا نہ کیجئے گا
 سنا ہے صوفی کا قول ہے یہ کہ ہے طریقت میں کفر و توبی
 یہ کہ دو دعویٰ بہت بڑا ہے پھر ایسا دعویٰ نہ کیجئے گا
 اسی میں ہے خیرِ حضرتِ دل کہ یا رکھ بولا ہوا ہے ہکو
 کرے وہ یاد اس کی بھول کر بھی کبھی تمنا نہ کیجئے گا
 کہ اگر کوئی تمکو واعظِ اکبریت کچھ اور کرتے ہو کچھ
 زمانہ کی خو ہے نکتہ چینی کچھ اس کی پروا نہ کیجئے گا
 کمال ہے ضدِ بے کمالی نہیں ملاپ اُن میں حرفِ گہروا

جو ہم پہ کچھ چوٹ کھینے لگا تو آپ عجب نہ کیجئے گا
 لگاؤ تم میں نہ لاگ زائد نہ دردِ گفت کی آگ زائد
 پھر اور کیا کیجئے گا آخر جو ترکِ دنیا نہ کیجئے گا
 تمہارا تھکاؤ و ستارِ حالی اور اپنے بیگانہ کا رخصا جو
 ملوک اس سے کئے یہ تم نے تو ہم سے کیا کیا نہ کیجئے گا

ہو عزمِ دیر شاید کعبہ سے پھر کر اپنا
 قیدِ خرد میں رہتے آئے نہیں نظر ہم
 پیرِ مغاں سے ہو کر تب مُر خرد ملنے لگے
 بیگانہ و شہِ گروہ تو ہے ہمارے تھک چکا
 عصمت پر اپنی تھی خودِ فطرت گواہی
 کچھ کذب و افترا ہے کچھ کذب حق نہ تھا
 غیروں کو لینے آخر اپنا بنا کے کیا ہم
 اپنوں ہی سے ہے حالی کچھ دل کھڑا پنا

معنی کا تم نے حالی دریا اگر بہا یا
 اسے بانگِ طبلِ شاہی دن ہو گیا آخر
 تھا ہوش یا دگل کا و خیزاں می کس کو
 ویراں ہے یاغِ تسپہ بھولی نہیں ساقی
 اے عشقِ دل کو رکھا دنیا کا اور ذریعہ کا
 یہ تو بتائیں حضرت کچھ کر کے کبھی دکھایا
 خوابِ گراں سے تو نے نہ ناحق سہم چکا یا
 اسے عندِ سیبِ نالوں یہ تو نے گل کھلایا
 مژدہ دھیانے یا ربِ مایل کو کیا سنا یا
 گھر ہی بگاڑ ڈالا تو نے سنا سنا یا

ڈرتے رہیں گے اب ہم بے جہم بھی نہ رہیں
 و اخلا کی جھٹکوں سے قائل تو ہو گئے ہم
 آیا نہ تھا کبھی یاں گویا قدم خزاں کا
 تعالید قوم ہی پر گر ہے مدار حسین
 احسان اُس کا جس نے ناحق ہمیں نہایا
 کوئی جواب شافی پر اُس سے بن نہایا
 دو دن میں یوں پلٹ دی کہ نہ ہو گیا
 تو چہ دوستوں کی تمیں سے ہاتھ اٹھایا

دیکھا تو کچھ نظر میں حالی جچا نہ ایتی

جو جو گماں تھے ہم کو اُن کا نشان نہ پایا

نفس دعویٰ یگینا ہی کا سدا کرتا رہا
 حق نہ احسان میں نہ کی دوس نے غلامی کی
 جو یوں سے دیدہ و دل کی نہ شر بایا کبھی
 طاعتوں کی زد سے بچ کر چلا رہا خطا
 نفس میں جو نار و خواہش ہوئی پیدا کبھی
 منہ نہ دکھیں دوست پھر میرا اگر جانیں کہیں
 تھا نہ استحقاق تمہیں پرستی تمہیں سدا
 شہرت اپنی جھگڑا ہوتی کئی آفاق میں
 گر چہ اُترے جی سے دل اکٹرا یا کرتا رہا
 وہ عطا کرتا رہا اور میں خطا کرتا رہا
 پچھلے پچھلے نفس خائن کا کہا کرتا رہا
 وار اُن کا اس لئے اکثر خطا کرتا رہا
 اُس کو جیلے دل سے گھر گھر کر داکرتا رہا
 اُن سے کیا کتنا رہا اور آپ کیا کرتا رہا
 حق ہے جو دوں ہمتی کا وہ ادا کرتا رہا
 کہ نفس تنہا ہی یاں نشوونما کرتا رہا

ایک عالم سے وفا کی تو نے اسے حالی کر

نفس پر اپنے سدا ظلم و جفا کرتا رہا

کہیں الہام نہوانا پڑے گا ۱ کہیں کشف اپنا جھلانا پڑے گا
 نشوونما مفاگو تجھ میں لیکن ۲ کہ شمع کوئی دکھلانا پڑے گا

نصیحت بے اثر ہے گرنہ ورد
جنہیں ہو جھوٹ کو سچ کر دکھانا
عوام الناس کا ہوگا جنہیں منہ
رہے وصفِ جناب کی مشق واعظ
سخن میں پیروی کی گر سلف کی
تعلق کا ہے پھندہ ایچ وریج
بہت یاں ٹھو کریں کھال میں ہنہ
نہیں بو آئیں کی اس غمکے میں
دل اب صحبت سے کوسوں بھاگتا ہے
زمانہ کر رہا ہے قطع پیوند
جو منصوبے ہیں یہ حالی تو شاید

بشر پہلو میں دل رکھتا ہے جب تک

اُسے دنیا کا غم کھانا پڑے گا

سخن پر ہمیں اپنے رونا پڑے گا
خیز و کماں تک یہ آتش مزاجی
رہا دوستی پر نہ تکیہ کسی کی
بن آئے گی ہرگز نہ یاں کچھ کئے بن

یہ دفتر کسی دن ڈونا پڑے گا
تمہیں جلد تر خاک ہو نا پڑے گا
بس اب دے شکووں کو وضو پا پڑے گا
جو کچھ کاٹنا ہے تو بونا پڑے گا

ہوے تم نہ سید سے جوانی میں حالی

مگر اب مری جان ہونا پڑے گا

کب تک اے ایرکرم ترسائے گا
 پھل کچھ اسے نخل و فاجتھ میں نہیں
 دوست کا آیا ہے سمجھو اب پیام
 ذوق سب جاتے رہے جز ذوق درد
 واعظ آتا ہے تو آنے دو اُسے
 آئے گا اور ہم کو شرائے گامفت
 عیب سے خالی نہ واعظ ہے نہ ہم
 دل کے تیرو ہی سکے دیتے تھے صاف
 بنے و صحرائیں رہے جو تنگ دل
 رنگ گردوں کا ہے کچھ بدلا ہوا
 اب و برق آئے ہیں دونوں ساتھ ساتھ
 دیکھئے برسے گا یا برسائے گا

مشکلوں کی جس کو ہے حالی خبر

مشکلیں آساں وہی فرمائے گا

واں اگر جائیں تو لیکر جائیں کیا
 دل میں باقی ہے وہی حرص گناہ
 آؤ اس کو لیں ہمیں حبا کر متا
 دل کو مسجد سے نہ مندر سے ہے اُس
 منہ آئے ہم جاکے یہ دکھلائیں کیا
 پھر کئے سے اپنے ہم جیتا کہیں گے
 اُس کی سیہ بروئیوں پر جائیں کیسا
 ایسے وحشی کو کہیں بسلائیں کیا

جانتا دنیا کو ہے اک کھیل تو کھیل قدرت کے تجھے دکھلائیں کیا
عمر کی منزل تو جوں توں کٹ گئی مہرے آب دیکھے پیش آئیں کیا
دل کو سب باتوں کی ہے نا صبح خیر سمجھے سمجھائے کو بس سمجھائیں کیا
ماں لیجئے فیخ جو دعویٰ کرے ایک بزرگ دین کو ہم جھٹلائیں کیا

ہو چکے حالی تو نخواستی کے دن

راگنی بے وقت کی اب گائیں کیا

کاش اک جام بھی سا لکھ کو لایا جاتا اک حیران اور سر راہ جھلایا جاتا
کر دیا اُس نے تو اللہ سے غافل نا صبح اُس کو کیوں بھوتے گراس کو بھلایا جاتا
چُپ چرپاتے اُسے رے اُسے دل کی بات پیم مال منکا نظر آتا تو چُکایا جاتا
شب کو زابد سے زمزم بھیڑی ہوئی خوب دلا نشہ زوروں پہ تھما شاید نہ چُکایا جاتا
دل کو یہ تو نے دکھایا ہے کہ دکھ جاتا ہے چیونٹی کا بھی اگر دل ہے دکھایا جاتا
نامہ برآج بھی خط لیکے نہ آیا یا رو تم تو کہتے تھے کہ وہ ہے ابھی آیا جاتا
عشق نہیں وقت سے سر تر ہے نہ لانا تھا گودیوں میں تجھے تھا جب کہ کھلایا جاتا
لوگ کیوں شیخ کو کہتے ہیں کہ خیال ہے وہ اُس کی صورت سے تو ایسا نہیں پایا جاتا
بارہا دیکھ چکے تیرے فریب اسے دنیا جیسے اب جان کے دھوکا نہیں کھایا جاتا
کہنے کیا پتے اگر ہے نہ عشا سے تا صبح وقت فرصت کا یہ کس طرح گنوا یا جاتا
دل نہ طاعت میں لگا جب تو لگایا عم عشق کسی دھندے میں تو آخر یہ لگایا جاتا
اُس نے اچھا ہی کیا حال نہ پوچھا دل کا بھرک اٹھتا تو یہ شعرا نہ دیا یا جاتا

عشق سنتے تھے جسے ہم وہ بھی نہ شاید خود بخود دل میں ہے اک شخص نہایا جاتا
اب تو تکفیر سے واعظ نہیں ہٹتا حالی
کتے پیلے سے تو دے لیکے ہٹایا جانا

راحت کا جہاں میں یونہی اک نام ہے گویا راحت کی تلاش اک طبع خام ہے گویا
کچھ کرتے ہیں جو یاں وہی انگشت نما ہیں بدنام ہی دنیا میں نکو نام ہے گویا
ناچیز میں وہ کام نہیں جہیہ کچھ الزام جو کام ہیں ان کا یہی انعام ہے گویا
ہے وقت چیل اور وہی عشرت کے میں سال آخر ہوئی رات اور ابھی یاں شام ہے گویا
اٹھتا تھا کچھ اول ہی سے یہ درویشی طرح آغاز ہی الفت کا بس انعام ہے گویا
ادب ابھی دیکھو گئے جہاں پاؤ گئے اسلام اسلام کا دوبار بھی اک نام ہے گویا
تنبہ دیکھئے حالی کو پڑا پاسیے سیکار
کرتا اُسے باقی نبی اک کام ہے گویا

خلوت میں تری صوفی گرد و صفا ہوتا تو سب میں ملا رہتا اور سب سے جدا ہوتا
تھا آفتِ جاں اُس کا انداز کسا اندازِ ہم چکے کساں جاتے گریہ خطا ہوتا
کچھ اپنی حقیقت کی گر تھکیو خبر ہوتی میری ہی طرح تو یہی غیروں سے جدا ہوتا
یہ طفت بناوٹ میں دیکھا نہ سُنا قاصد اُن پڑھتا تو بے یہ کچھ پڑھتا تو بلا ہوتا
باتوں میں شکایت کی کو آتی ہے الفت کی گروں میں جگہ ہوئی لب پر بھی کھلا ہوتا
ہم روز و رات اُس سے نہیں سنیں گے ہونے دوست رونا تھا بہت ہم کو روتے بھی تو کیا ہوتا
گر سوا حیل ہوتے غم کو مری میت باقی تم کو بھی قلق ہوتا اور چیخ سے سوا ہوتا

جودل پر گزرتی ہے کیا تجکو خوب نصیح
جو جان سے در گزرے وہ چاہے کو گزریں
کل حالی دیوانہ کتا تھا کچھ افسانہ
پیش از طہور عشق کسی کا نشان نہ تھا
کچھ ہم سے سنا ہوتا پھر تو نے کہا ہوتا
مگر آج نہ تم آتے کب جانیے کیا ہوتا
مٹنے ہی کے قابل تھا تم نے بھی سنا ہوتا
یہیں از طہور عشق کسی کا نشان نہ تھا
ہم کو بار میں بھی سر گلستان نہ تھا
مٹے ہی ان کے بھول گئیں کلفتیں تمام
کیا جانتے تھے جائیگا جی اُن نگاہ میں
سچ ہے کہ پاس خاطر نازک عذاب ہے
کچھ میری بخودی سے تیار زیاں نہیں
رات اُن کو بات بات پر سو دئے جواب
رونا ہے یہ کہ آپ بھی ہنستے تھے ورنہ یاں
تھا کچھ نہ کچھ کہ پھانسی سی اک دیر چھپ گئی
بزم سخن میں جی نہ لگا اپنا زینہ سار

شب انجمن میں حالی جا رویاں نہ تھا

رنج اور رنج بھی تنہائی کا
عمر شاید نہ کرے آج دفن
تم نے کیوں وصل میں پہلو بدلا
ایک دن راہ پہ جا پہونچے ہم
وقت پہو خرابی مری زروائی کا
کاٹنا ہے شب تنہائی کا
کس کو نہ عوی ہے شکایتی کا
شوق تھا باد یہ پیمائی کا

اُس سے نادان ہی بن کر بیٹے
سات پردوں میں نہیں ٹھہرتی آنکھ
درمیاں پائے نظر ہے جب تک
کچھ تو ہے قدر تماشا کی کی
اُس کو چھوڑا تو ہے لیکن اسے دل
بزم دشمن میں نہ جی سے اُترا
یہی انجم تھا اے فصل خزاں؟
مدد اے جذبہ توفیق کہیاں
محنتب عذر بہت ہیں لیکن
ہوں گے حالی سے بہت آوارہ

گھر ابھی دور ہے رسوائی کا

انماض چلتے وقت مروت سے دور تھا
تھی ہر نظر نہ محرم دیدار ورنہ یاں
درد اک لب پہ رازِ دل آیا نہ تھا ہنوز
جانی نہ قدرِ رحمت حق یا نہ سامنے کچھ
دردی کشاں بزمِ مٹناں کا نہ پوچھ حال
اب بارِ یابِ انجمنِ عمام بھی نہیں
روزِ وداع بھی شبِ جہاں سے کم نہ تھا
نورِ دیکے ہم کو اور نہ لانا ضرور تھا
ہر غارِ نخلِ ایمن و ہر سنگِ طور تھا
چہ چاہا ہمارے عشق کا نزدیک و دور تھا
ٹھہر اقصو وادہ اگر بے قصور تھا
ایک ایک رہنما نشہِ وحدت میں چور تھا
وہ دل کہ خاص محرمِ بزمِ حضور تھا
کچھ صبح ہی سے شامِ بلا کا ظہور تھا

بیمار کی تو اپنے نہ لی تم نے کچھ خبر
 بہت سدا زلغش پہ آنا ضرور تھا
 حالی کو بجز میں بھی جو دیکھا لاشاواں
 تھا حوصلہ اسی کا کہ اتنا صبور تھا

دل سے خیال دوست بھلایا نہ جائیگا
 تم کو میرا شرم سہی مجھ کو لاکھ ضبط
 اے دل رضائے غیر ہے شرطِ رضاے دوست
 دیکھی ہیں ایسی آن کی بہت مہربانیاں
 مے تند و ظرفِ حوصلہ اہلِ نرم تن کا
 راضی میں ہم کہ دوست سے ہو دشمنی مگر
 کیوں چھپرتے ہو ذکر نہ ملنے کا رات کے
 بگوئیں نہ بات بات پہ کیوں جانتے میثاق
 ملتا ہے آپ سے تو نہیں حضورِ غیور
 مغمود اپنا کچھ نہ لکھلا لیکن اس قدر
 سینے میں داغ ہے کہ مٹایا نہ جائے گا
 آفتِ وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائے گا
 زہرِ بارِ عشق اٹھلایا نہ جائے گا
 اب ہم سے منہ میں موت کے جایا نہ جائے گا
 سانی سے جام بھر کے پلایا نہ جائے گا
 دشمن کو ہے دوست بنایا نہ جائے گا
 پوچھیں گے ہم سبب تو بنایا نہ جائے گا
 ہم وہ نہیں کہ ہم کو مٹایا نہ جائے گا
 کس کس سے اختلاف ٹوٹھلایا نہ جائے گا
 یس وہ دھونڈتے ہیں جو پلایا نہ جائے گا

جھگڑوں میں اہلِ ہوس کے نہ حالی ٹوٹیں آپ

قصہ حضور سے یہ جھکایا نہ جائے گا

خاق اور دل میں سوا ہو گیا
 دکھانا پڑے گا مجھے زخمِ دل
 دلاسا اٹھارا بلا ہو گیا
 اگر تیرا اس کا خطا ہو گیا
 سبب ہو نہ ہو لب پہ آنا ضرور
 مرا شکر اس کا گلہ ہو گیا

وہ امید کیا جسکی ہو اتنا
ہوا رکتے رکتے دم آخر فنا
نہیں بھولتا اس کی رخصت کا وقت
سماں کل کا رہ رہ کے آتا ہے یا
بیتھے تھے جس غم کو ہم جاگزا
نہ دے میری امید جگو جواب
وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا
مرض بڑھتے بڑھتے دوا ہو گیا
وہ رو رو کے بلتا ہوا ہو گیا
ابھی کیا تھا اور کیا سے کیا ہو گیا
وہ غم رفتہ رفتہ غمدا ہو گیا
رہے وہ خفا گر خفا ہو گیا

ٹپکتا ہے اشعار حالی سے حال
کہیں سادہ دل مبتلا ہو گیا

سنگ گراں ہے راہ میں ٹکین پیر کا
اک خوشی ہو گئی ہے قتل کی دریا
آؤ مٹا بھی وہ غلش آرزو سے قتل
ہم خوش کبھی ہوئے ہوں تو غم ناگزیر
سمجھو مجھے اگر ٹھہیں سپہ آرمی کی قدر
گر صبح تک وفاء ہو وعدہ وصال
اب محو ہوئے گل پہ ہوا اک دل حرمیں
ہر منت گردنا قد ایسا بلتا رہے
غربت کے مشغلوں نے وطن کو جھٹا دیا
خاں خراب خاطر اُلفت شعار کا

حالی بس اب یقین ہے کہ وہی کہہ ہو رہے

ہے ذرّہ ذرّہ مہرِ سزا اس دیا رکا

درِ دل کو دوا سے کیا مطلب	کیا کو طلا سے کیا مطلب
چشمِ زندگی ہے ذکرِ جمیل	خضر و آبِ بقا سے کیا مطلب
بادِ غما ہی ہے نفس کی تسخیر	ظّلِ بالِ ہما سے کیا مطلب
جو کر نیلے بھریں گے خود - واعظ	تم کو میری خطا سے کیا مطلب
جنگِ معبودِ حور و غلاماں میں	اُن کو زائدِ خدا سے کیا مطلب
کام ہے مردِ وحی سے انساں کی	قرب یا اتقا سے کیا مطلب
ہے اگر رندِ دامنِ آلودہ	ہم کو چون و چرا سے کیا مطلب
صوفی شہرِ با صفا ہے اگر	ہو ہماری بلا سے کیا مطلب

نگہب نے یہ غش میں جو حالی

اُن کو درِ دو صفا سے کیا مطلب

مجھ میں وہ تابِ ضبطِ شکایت کہاں ہے اب	چھڑو نہ تم کہ میرے بھی مُخفّٰئینِ باں ہے اب
وہ دن گئے کہ حوصلہ ضبطِ راز بھٹا	حیرے سے اپنے شورِ شہاں یہاں ہے اب
جس دل کو قیدِ ہستی دنیا سے ننگ تھا	وہ دل اسیرِ حلقہ زلفِ تباہ ہے اب
آنے لگا جب اُس کی تمنا میں کچھ مڑا	کتے ہیں لوگ جان کا اسیرِ تباہ ہے اب
لغزش نہو - بلا ہے حسینوں کا انتفا	اے دل سنبھل وہ دشمنِ دین مہربان ہے اب
اک جرّے شراب نے سب کچھ بھلا دیا	ہم ہیں اور آستانِ پیرِ مغال ہے اب
ہے وقتِ نزع اور وہ آیا نہیں مہنوز	ہاں جذبِ دل بدد کہ دمِ امتحاں ہے اب

ہے دل غم جہاں سے سبکدوش اندرون سر پڑا سو بھٹکا کوئی بار گراں ہے اب

حالی تم اور ملازمت میرے فروش

وہ علم و دیں کدھر ہے وہ تقویٰ کہاں ہے اب

یہ میں واعظ اب پہنچ گئے ہیں آپ ناصح قوم اُسپہ کھلاتے ہیں آپ

بس بہت طعن و ملامت کر چکے کیوں زباں رند و نکی کھلواتے ہیں آپ

بے صراحتی میں وہی لذت کہ جو چڑھ کے منبر پر مزیاتے ہیں آپ

واغلو ہے اُن کو شرمنا گناہ جو گنہ سے اپنے شرماتے ہیں آپ

کرتے ہیں اک اک کی تکفیر کیوں اُسپہ بھی کچھ غور فرماتے ہیں آپ

کرتے ہیں آباد و زرخ کو حضور خلد کو ویران کرواتے ہیں آپ

چھڑ کر واعظ کو حالی خلد سے

بسترا کیوں اپنا پھکواتے ہیں آپ

گوجوانی میں تھی کجسرا کی بہت پر جوانی ہم کو یاد آئی بہت

زیرِ برقع تو نے کیا دکھلا دیا جمع ہیں ہر سو تماشا کی بہت

ہٹ یہ اُسکی اور پس جاتے ہیں دل اس ہے کچھ اس کو خود آئی بہت

سر و پاگل آنکھ میں بجھتے نہیں دل پہ ہے نقش اُسکی رعنائی بہت

چور تھا آنکھوں میں اور کتنا تھا حُر راحت اس تکلیف میں پائی بہت

آ رہی ہے چاہِ یوسف سے صدا دوست یاں تھوڑے ہیں اور کھائی بہت

وہل کے ہو ہو کے ساماں رہ گئے عینک نہ برسا اور گھٹا چھائی بہت

جان نزاری پر وہ بول اٹھے مری
ہم نے ہر ادب کو اعلیٰ کر دیا
کر دیا چپ واقعات دہرے
گھٹ گئیں خود تلخیاں ایام کی
ہم نہ کہتے تھے کہ حالی چپ رہ ہو
راست گوی میں ہے رسوائی بہت

اُسکے جانتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت
کس سے بیان وفا باندھ رہی ہے بیکر
ہے غم روزِ حالی نہ نشاۃِ شب وصل
اپنی جیبوں سے ہیں سارے نکالی ہتھیار
دیکھتے ہیں شیش مٹور سے کھینچے یا نہ کھینچے
واغظ و آتش دوزخ سے جہاں کو تھینے
کیا خبر زائد قانع کو کہ کیا چیز ہے حرص
میں بچا خیر حوادث سے نشاۃِ منکبر
شوق میں اُس کے مراد میں اُسکے آیت
حملہ اپنے پہ بھی ایک بعد ہر نیست ہے حضور
رہنماؤں کے ہوئے جاتے ہیں وصالِ خطا
یوں تو آیا ہے تباہی میں یہ بیڑا سوار

نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت
کل نہ بچان سیکے گی کل تر کی صورت
ہو گئی اور ہی کچھ شام و سحر کی صورت
اک بزرگ آئے ہیں صوفیہ خضر کی صورت
صورت اور آپ سے بے عیب بشر کی صورت
یہ ڈرایا ہے کہ خود بن گئے ڈر کی صورت
اُس نے دیکھ ہی نہیں کہیہ زور کی صورت
آڑے آئی مرے تسلیم سپر کی صورت
ناصواب سے نہیں کوئی مفر کی صورت
رہ گئی ہے یہی اک نستج و ظفر کی صورت
راہ میں کچھ نظر آتی ہے خطر کی صورت
پر ڈرانی ہے بہت آج بھٹور کی صورت

اُن کو حالی بھی بتاتے ہیں گھر اپنے مہاں
دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

بناتے ہیں وہ نہرانی کی صورت پہنچتی نہیں سسر گزنی کی صورت
جسے دیکھ کر دل ہو عاشق کا میل وہ ہے اور ہی مسرانی کی صورت
غیب و وعدہ ہے باہرام اُنکے درپر مرے حق میں اک پاسانی کی صورت
غم دل نے رسوا کیا ہم کو افسر بنائی بہت شادمانی کی صورت
ہے اس پریش پروردہ کی انہو کھلتا ذرا دیکھنا شیخ خانی کی صورت
یقین ہے کہ ہم جسکو سمجھیں مرزا ہی ہو تو ہو زندگانی کی صورت

بگھکر کرو قتل حالی کو دیکھو

مٹاؤ نہ عشق و جوانی کی صورت

تو نہیں ہوتا تو رہتا ہے اُچارٹ دل کو یہ کسی لگاوی تو نے چارٹ
رُخ رہی ہے کان میں یاں سے ڈی اور مٹنی نے کئی بد سے ہیں بھارٹ
ناؤ ہے بوسیدہ اور موبیں ہیں سخت اور دریا کا بہت جھکلا ہے چارٹ
اک کہانی پسیر زن کی رہ گئی راج کسریٰ کا رہا باقی نہ چارٹ
دیر سے مسجد میں ہم اُٹے تو ہیں ہے نگریاں جی کچھ اسے زائد چارٹ
چو کہ تجکو نیا دیں اسے امیر ہیں بہت ہر کار کی تفصیل میں بھارٹ
ملتیں رستوں کے ہیں بہت پیر پھیر سب جہازوں کا ہے لشکر ایک گھارٹ
برق منڈلاتی ہے اب کس چیز پر ٹیڑیاں کب کی گئیں کھیتی کو چارٹ

تیغ میں برش یہ اسے حالی نہیں جس قدر تیری زباں کرتی ہے کاٹ
 چٹکیاں سی دل میں یہ لیتا ہے کون
 شعر تو ظاہر میں ہیں تیرے سپاٹ

یاب کا ہے چھی لیس وراثت ہو مجھ کا بھی اُسکے گد وراثت
 گھر مہر و رکنا خلع نے لیا تیرا ہے کون اسے ہنر وراثت
 فاتحہ ہو کہاں سے میت کی لے گئے دھوکے سے مہر وراثت
 ہوں اگر ذوق کسب سے آگاہ کریں میراث سے خد وراثت
 خاک و کرمان گور و خویش و تبار ایک میت اور اس قدر وراثت
 و اعظ و ابن کا خدا حافظ ایسا دے ہو تم اگر وراثت
 قوم بے پر ہے دین بکیں ہے گئے اسلام کے گدھر وراثت
 ہم پر بیٹھے ہیں ہاتھ دھوئے بڑھتے جیسے مردہ کے مال پر وراثت

تو کہ چھوڑا ہے کچھ اگر حالی
 کیوں ہیں میت پر نوحہ گد وراثت

بھید و اعظ! اپنا کھلوایا عیبت دل جلوں کو تو نے گرایا عیبت
 جلوہ صوفی نے نہ دکھلایا کوئی رات بھر یاروں کو چنویا عیبت
 شیخ رندوں میں بھی ہیں کچھ کیا کیا سب کو ملزم تو نے ٹھہرایا عیبت
 کوئی بھیجی آکے اب پھنسا نہیں آپ نے جال اپنا پھیلایا عیبت
 اُنھلکتے تھے کبھی مسجد میں ہم تو نے زاہد ہم کو شرایا عیبت

کھیتیاں جھلک رہی ہیں یادوں کی کھا
ابر ہے گھر کر ادھر آیا عبث
قوم کا حالی پینا ہے محال
تم نے رو رو سب کو روایا عبث

بات کچھ ہم سے بن نہ آئی آج بول کر ہم نے منہ کی کھائی آج
چپ پر ابھی بھر م تھے کیا کیا کچھ بات بگڑی بنی بنائی آج
شکوہ کرنے کی خواہ تھی اپنی پر طبیعت ہی کچھ بھرائی آج
بزم ساتی نے دی الٹ ساری خوب بھر بھر کے خم لندھائی آج
معصیت پر ہے دیر سے یارب نفس اور شرع میں لڑائی آج
غالب آتا ہے نفس دوں یا شرع دیکھتی ہے تری خدائی آج
چور ہے دل میں کچھ نہ کچھ یارو نیند بچرات بھر نہ آئی آج
کل یہاں کاروبار میں سب بند کر لو کرنی ہے جو کمائی آج
زو سے الفت کی بچ کے چلنا تھا

مفت حالی نے جو ٹکھائی آج

تلخی دوراں کے ہیں سب شکوہ سنج یہ بھی ہے یارو کوئی رنجوں میں رنج
رنج و شادی یاں کے ہیں سب ثبات اور اگر سوچو تو شادی ہے نہ رنج
تھا قناعت میں نہاں گنج فراغ پر ہیں بیوقت ہاتھ آیا یہ گنج
فکر دین بڑھتے تھے شاید ساتھ ساتھ ہیں وہ اب بجاہ جو پہلے تھے بیخ
ہم کو بھی آتا تھا ہنسنا بولتا جب کبھی بھیتے تھے ہم اُسے نلکے سنج

اگنی مرگ طبعی ہسم کو یاد شاخ سے دیکھا جو خود گرتا ترنج

راہ اب سیدھی ہے حالی سوئے دوست
ہو چکے سب جسم و پیچ و شکنج

بزم سے اچھی ہے گو دنیا ہے اسے بخوار، بیچ
یاں سمجھ لیتے تو ہیں دنیا کو دم بھریا، بیچ
نفس سے سربر ہوئی دانش نہ صبر و عقل و ہوش
ایک دشمن برسر کیں ہو تو ہیں سب یار، بیچ
شیخ جو قلم ہیں وہ رکھتے نہیں کچھ امتیاز

سے یہ سب اونچی دو کماں اور رونق یا ناز و مح
نشاہد معنی کو آرائش کی کچھ حاجت نہیں تہ
سجستہ و سنجادہ بیچ اور جہتہ و دستار بیچ
ہو کر جیتا جس قدر اُستینے ہو سکتے تم نہیں

اسے فہم ہوا ہے یہ سب گفتا رہے کر دار، بیچ
روئی تو اکھ اکھ آکھو اور پسچا دل نہ ایک
بیکلے ہوئی تیسرے سب اسے پیغم گو مر بار، بیچ
خواران نصرت سے ترسے اسے غافل مردار خوار

کر دیئے آفاق کے سب خوان و خواں سالار، بیچ
ہے ادب مسند پر جو کچھ ہے رہیں شہر کا

ہٹ کے مسند سے جو خود دیکھیں تو ہیں سرکار بیچ
گو کر حالی اگلے استادوں کے آگے بیچ ہے
کاش ہوتے ملک میں ایسے ہی اب دھاریچ

کاٹے دن زندگی کے ان یگانوں کی طسج
جو سدا رہتے ہیں جو کس پاسبانوں کی طسج
منزل دنیا میں ہیں یا دور کا بٹھوں سپر
رہتے ہیں سماں سدا میں مہمانوں کی طسج
سچی سے اکتاتے اور محنت سے کنیا سے نہیں
بھیلے میں محنتوں کو محنت جانوں کی طسج
بسم و عادت پر ہیں کرتے عقل کو فرماں روا
نفس پر رکھتے ہیں کوڑا حکمرانوں کی طسج
خادمانی میں گذرتے اپنے آپ سے نہیں
غم میں رہتے ہیں شگفتہ مشاوانوں کی طسج
لکھتے ہیں تنگیں جوانی میں بڑھاپے سے سوا
رہتے ہیں جو خپال پیری میں جوانوں کی طسج
پاتے ہیں اپنوں میں غیروں سے سوا بیکائی
پر بھلا تلکتے ہیں ایک اک کا یگانوں کی طسج

اُس کھیتی کے پینے کی اُنھیں ہو یا نہ ہو
 ہیں اُسے پانی دئے جاتے کسانوں کی طرح
 اُن کے غصے میں ہے دلسوزی ملامت میں ہے بیا
 مہربانی کرتے ہیں نامہر بانوں کی طرح
 کام سے کام اپنے اُن کو ہو عالم نکستہ ہیں
 رہتے ہیں بیتیں دانتوں میں زبانوں کی طرح
 طعن سُن سُن احمقوں کے ہنستے ہیں دیوانہ وار
 دن بسر کرتے ہیں دیوانوں میں سیانوں کی طرح
 کیجئے کیا حالی نہ کیجئے سادگی گر اختیار
 بولنا آئے نہ جب رنگیں بیانوں کی طرح

مٹے مٹاں کا ہے چمکا اگر برا شے شیخ
 ریا کو صدق سے ہے جام مے بدل دیتا
 وہ بکھے بھان متی جو تباتے تھے کسیر
 غرور فقر و غرور غنا میں فرق ہے کیا
 زباں یہ ہوتی ہے تمہارے کی جو میں ہم راہ
 خبر بھی ہے تمھیں کیا بن رہی ہے پیر کا
 وہ دو بتوں سے الگ ہتے میں جو ہیں تیرک
 گوزن و گود میں بچپن سے تارک دنیا
 تو ایسی ہی کوئی جاٹ اور دے لکھا شیخ
 تمھیں بھی ہے کوئی یاد ایسی کیسا لے شیخ
 تماشا دیکھے میں یہ ہننے بار بار ہے شیخ
 بھٹی یہ دیکھتے ہیں ہم منحصر تبا ہے شیخ
 پھر ایسا کچھوہم گز نہ ادعا ہے شیخ
 ہیں آپ جون سے ٹیرے کے ناخدا لے شیخ
 شادری کا ہی گر ہے سرحیا ہے شیخ
 نہایت آپکی ہے اُن کی ابتدا ہے شیخ

کمالِ حُسنِ عقیدت سے آیا تھا حالی

پر خالقِ اہ سے افسردہ دل گیا اسے شیخ

شادی کے بعد غم سے فیزی خفا کے بعد
 ہے سامنا بلا کا پس از عافیت ضرور
 تعزیرِ مجرمِ عشق ہے بے صرفہ و محاسب
 گردِ دول سے پائی بھی لے چارہ گرفتار
 یادِ خدا میں جب نہ گئی دل سے انکی یاد
 کرتے رہے خطائیں ندامت کے بعد ہم
 آخر کو ماننا پڑا اسے نفسِ خسیسہ ہر
 مدت سے تھی دعا کہ ہوں بدنام نہ ہوں
 اب خوف کے سوا ہے دھرا کیا رہا کے بعد
 ہوتی ہے عافیت کی توقع بلا کے بعد
 بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہاں سزا کے بعد
 آتی ہے دل کی موت نظر اس شفا کے بعد
 ارگے خدا کا نام ہے ناصحِ خدا کے بعد
 ہوتی رہی ہمیشہ ندامت خطا کے بعد
 تیرا بھی حکم کم نہیں حکمِ قصا کے بعد
 بارے ہوئی قبولِ بہت التجا کے بعد

حالی کی گُن لو اور صدائیں جگر خراش

دلکش صدا سنو گے نہ پھر اس صدا کے بعد

کیس خوف اور کس غالب ہے بھلائے زائد
 دیگر گزرتا وہ گنہگار سے
 ہم دکھا دیں گے کہ زہد اور ہے نکی کچھ اور
 قربِ حق کے لئے کچھ سوئے نہاں بھی ہے ضرور
 میں تو ہوا یاروں دل نہیں بلتا تم سے
 خیالِ حجب تک ہے پھیلنا ہوا نینداری کا
 تیسرا قبلہ ہے جہا میراجہا اسے زائد
 تو ترا اور کوئی ہو گا خدا اسے زائد
 کچھ بہت دور نہیں روزِ جزا اسے زائد
 خشک نفلوں میں دھرا کیا ہے بھلا اسے زائد
 تو ہی کہہ اس میں ہے کیا میری خطا اسے زائد
 فکرِ دنیا کا کرے تیری پلا اسے زائد

عجب حالی کے بہت کج کئے تو نے بیا

ذکر کچھ اور کر اب اس کے سوا اے زاہد

پیاں تیری بوسے ساغر سے لذیذ بلکہ جامِ آب کو غم سے لذیذ
جس کا قاتل ہو پھر اس کے لئے کونسی نعمت ہے خیر سے لذیذ
لطف ہو تیری طرف سے یا عتاب ہم کو ہے سب شہد و شکار سے لذیذ
قدرت شیریں تری پہلے نگاہ دوسری قند مکر سے لذیذ
جہانچ میں جس جھوک کی بھونٹ تو بھوک ہے وہ شیر مار سے لذیذ
ہے یہ بچہ میں کس کی گواہی بھیا بوسے مید شکر و عنبر سے لذیذ

جو قناعت کے میں حالی جہ سماں

اُن کو فاقے ہیں مگر غم سے لذیذ

سچے یہ نگہ تری عطاؤں پر وہی اصرار ہے خطاؤں پر
زمین نا آشت غلام سے حق ہے تیرا آشت غلام سے
رہم و دیا یا خیر و ہو کر گسالاں رہبری کا ہے اس سبب دلائل
سے وہ دیر آشت او عجب ہے کیا مرتے ہیں ہم انھیں اداؤں پر
اُنکے کوچہ میں ہیں وہ بیہ پرواہاں آگستے پھرتے ہیں جو بھلاؤں پر
شمسواروں پر بند ہے جو راہ وقت ہے یہاں پر نہ پاؤں پر
نہیں منہ صدم کو اُس کی بونگھ مینہ پر سا ہے جو گداؤں پر
نہیں محمد و خوشنشین تیری زاہدوں پر نہ پاؤں پر

حق سے درخواست غلو کی حالی کرتے ہیں سو سو طرح سے جلوہ گر جانتے ہیں آپ کو پہنچ نہ گار دوست اُس کے میں نہ اس کے آشنا خصائیں رو بہاہ کی رکھتے ہیں ہم اپنی نیکی کا دلاتے ہیں انہیں کرنی پڑتی ہے کسی کی مدح حسب گزری کا عیب سن پاتے ہیں ہم کی نہیں جس سے کہی کوئی بدی ایک رنجش میں بھلا دیتے ہیں عیب کچھ گفٹے سنیں اُس عیب کی خیر کا ہوتا ہے ظن غالب جہاں بنتے ہیں یاروں کے ناصح تاکہ ہو دوست اک عالم کیے بڑھانے دوست

کیجے کس منہ سے ان خطاؤں پر ایک ہوتا ہے اگر ہم میں منہ عیب کوئی کر نہیں سکتے اگر گوئی ظاہر سب سے ہیں شیر و شکر گو دکھاتے آپ کو ہیں شیر و شکر کرتے ہیں نظرت بدی سے حقد کرتے ہیں تقصیر اکثر تحقیر کرتے ہیں رسوا سے دل کھول کر شکوکے ہیں اُس سے خواباں ہم بھر ہوں کسی کے ہم پہ لاکھ احسان اگر جس سے ہوں اپنے کو اپنے بغیر کھینچ کر لاتے ہیں اُس کو سوئے شر عیب ابن کا ظاہر اور اپنا ہنر ایسے یاروں سے حذر یار و حذر

عیب حالی اپنے یوں کہتا ہے کون خواہش محسوس ہے حضرت کو مگر

ہوگی نہ قدر جان کی قرباں کیے بغیر دام آنکھیں کے نہ محسوس کے انداز کیے بغیر بن آئے گی نہ درد و کارماں کیے بغیر گو ہوش غاسے یاس جیتاک ہے دم دینم

بگڑی ہوئی بہت ہے کچھ اس باغ کی ہوا
یہ باغ کو رہے گی نہ دیو راں کیے بغیر
آبادہ دہر پردہ درہی رہے قوم کی
ممبر و ص کو رہے گا نہ عریاں کیے بغیر
عزت سے اپنی یاروں کو کچھ اڑی ہے ضد
چھوڑینگے پنجاب کو نہ بجاں کیے بغیر
مشکل بہت ہے گو کہ مٹا ناسلف کا نام
مشکل کو ہم ٹھیس گئے نہ آساں کیے بغیر
گوئے ہے شمد و تلخ یہ ساقی ہے دلربا
اسے شیخ بن یڑے گی نہ کچھ ہاں کیے بغیر
تلفیق جو کرتے ہیں ایسے وقت کی
چھوڑے گا وقت انھیں نہ مسماں کیے بغیر

حالی کئے گا کاٹنے ہی سے یہ بیستوں

حل ہوں گی مشکلیں نہ یہ آساں کیے بغیر

گھر ہے وحشت خیز اور بستی آجاڑ
ہو گئی ایک ایک گھر سی تھوڑی بڑاڑ
آج تک قہر اہل ہے نامتسام
بندھ چکی ہے بار بار کھل کھل سے پاڑ
بے پوچھنا اپنا چوٹی تک محال
اسے طلب نکلا بہت اونچا پہاڑ
کیلنا آتا ہے ہم کو بھی شکار
پر نہیں زائد کوئی ٹٹھی کی آڑ
دل نہیں روشن تو میں کس کام سے
سو شبتاں میں اگر روشن ہیں بھاڑ
عید اور نوروز ہے سب دیکھ ساھڑ
دل نہیں حاضر تو دنیا ہے آجاڑ
کھیت رستہ یہ ہے اور ہر سوا
کشت ہے سر سبز اور نیچی ہے پاڑ
بات واعظ کی کوئی بگڑی گئی
ان دنوں کمتر ہے کچھ ہم پر لٹاڑ

تم نے حالی کھول کر ناحق نہ بان

کر لیا ساری خدائی سے بگاڑ

عہد وصال دل نے بھلایا نہیں ہنوز
 پیغام دوست کا کوئی لایا نہیں ہنوز
 لگتے جیسے دل نہ منزل مقصود میں کہیں
 آیا تو گاؤں کو تفتاق میں کچھ مزا
 این میں آگ لگے چکی اور طور جل چکا
 یاں دھکی جواب امید جواب خط
 پایا ہے ذوق شوق میں ہم کو بھرا ہوا
 کیا دل سے بعید مرگ بھی جاتی نہ تیری یاد
 سرمایہ خلافت و دعوالم ہے راز دل
 کس نشہ میں ہے چوڑا خدا جیسے استعد

حالی نے جامِ منہ سے لگایا نہیں ہنوز

جیتے جی موت کے منہ میں نہ جانا ہرگز
 عشق بھی تاک میں بیٹھا ہے نظر باز و کی
 زلال کی پہلی ہی رستم کو نصیحت تھی
 چاہت اب غلطی نہ کرو وہ ہے برقعِ میناں
 ہاتھ ملنے نہوں پیری میں اگر حسرت سے
 جتنے رشتے تھے ترے ہو گئے دیوالے عشق
 کو جس سب کر گئے ولی سے ترے قدر ناس

دوستو دل نہ لگانا نہ لگانا ہرگز
 دیکھنا شیر سے انگلیں نہ لڑانا ہرگز
 زو میں تیر صفت مڑگاں کی نہ جانا ہرگز
 کسی دلالہ کے دھوکے میں نہ آنا ہرگز
 توجوانی میں نہ یہ روگ بسا تا ہرگز
 آگے دیوالوں میں اب گھر نہ بسا تا ہرگز
 قدریاں وہ کئے اب اپنی نہ گنوا تا ہرگز

تذکرہ دہلی مرحوم کا اسے دوست نہ چھڑ
 داستان گل کی خزاں میں نہ سنا ہے بیکل
 دھونڈا تھا ہے دل شوریدہ بہانے مطرب
 صحبتیں اگلی۔ مصور ہیں یاد میں گی
 موزن دل میں ہیں یاں خون کے دریا چشم
 لیکے داغ آئے گا سینے پہ بہت استیلا
 چپے چپے یہ ہیں یاں گوہر کیت استیلا
 مرثیہ گئے تیرے شانے کے نشان بھی اتو
 وہ تو بھولے تھے ہمیں ہم بھی انھیں بھول گئے
 جس کو زخموں سے حوادث کے لچھو پٹا نہیں
 ہلکا کر تو نے زلایا تو زلایا اسے پیرخ
 یا رخ دور میں گئے کیا ان یہ بہاں روتا ہے
 آخری دور میں بھی جھلکو قسم ہے ساقی
 بخت سوئے ہیں بہت جاگ کے اسے دور زبا
 یاں سے رخصت ہو کر ہے کس نے غم نہ فریاد
 کبھی اس علم و ہنر گھر تھا تنہا راوی
 شاعری محلی اب زندہ نہ ہوگی ہرگز
 غائب و شہتہ و سر و آرزوہ و ذوق
 مومن و علوی و شہبازی و مومن کے بعد

نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانا ہرگز
 ہنستے ہنستے ہمیں ظالم نہ زلانا ہرگز
 درد انگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز
 کوئی دلچسپ مرقع نہ دکھانا ہرگز
 دیکھنا برسے آنکھیں نہ چپسرا نا ہرگز
 دیکھ اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز
 دفن ہو گا کسیں اتنا نہ خستہ نا ہرگز
 اسے فلک اس سے زیادہ نہ مٹانا ہرگز
 ایسا بدلا ہے نہ بے کا زمانا ہرگز
 نظر آتا نہیں ایک ایسا گھر نا ہرگز
 ہم پہ غیروں کو تو ظالم نہ ہنسنا ہرگز
 ان کی ہنستی ہولی ٹٹکلوں پہ نہ جانا ہرگز
 بھر کے اک جام نہ پیاسوں کو پانا ہرگز
 نہ ابھی منید کے باتوں کو جگجگانا ہرگز
 نہیں اس دور میں یاں تیر ٹھکانا ہرگز
 ہم کو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز
 یاد کر کر کے آستے جی نہ کھانا ہرگز
 اب دکھائے گا یہ ٹکلیں نہ زمانا ہرگز
 شعر کا نام نہ لے گا کوئی دانا ہرگز

کرو یا م کے یگانوں نے یگانہ ہم کو ورنہ یاں کوئی نہ تھا ہم یگانہ ہرگز
 دلت و مجروح کو سن لو کچھ اس گلشن میں نہ سنے گا کوئی ٹبل کا تسرا نا ہرگز
 رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر اب نہ دیکھو گے کبھی لطف شبانا ہرگز
 بزم ماتم تو نہیں۔ بزم سخن ہے حالی
 یاں مناسب نہیں رور و کے ملا نا ہرگز

رنجش و انتفات و ناز و نسیار بہنے دیکھے بہت نشیب و فراز
 عشق کی آغ میں پاتا ہوں دل ذرا دیکھتا ہوں جس کا گداز
 شیخ! اللہ سے تیری حیا ری کس توجہ سے پڑھ رہا ہے نماز
 اک پتے کی جو بہنے کہہ دی آج رنگ و اعظ کا کر گیا یاد و
 ہم کو نسبت پہ فخر ہے تیری تو گئی بھول ہم کو خاک و حجاز
 آج منکر بھی ناچ اٹھیں گے گر مغستی کی ہے یہی آواز
 خیر ہے اسے فلک کہ چار طرقت چل رہی ہیں ہوائیں کچھ ناساز
 رنگ بدلا ہوا ہے عسالم کا ہیں دگرگوں زمانہ کے انداز
 ہوتے جاتے ہیں روز و رات بہتے جاتے ہیں مبتذل و ممتاز
 چھپتے پھرتے ہیں کربک و تہمت گھوٹلوں میں عقاب اور شہباز
 ہے قسوں کو رنگدیں خطہ رہنروں نے کیے ہیں ہاتھ دراز

۱۔ یہ قطعہ اس وقت لکھا گیا تھا جبکہ ترکی کر سلطان عبدالعزیز خاں کے قتل کے بعد مسعودیہ
 مائینگر اور روس وغیرہ کے مقابلہ میں اخیر صدر مہاراجا نے ۱۰۔ مئی

مٹیوں کا ہے کھیتوں پر ہجوم
 مٹاؤں پہ گدہ ہیں منڈلاتے
 تشہ زخوں میں جھوکے شیروں کے
 دشمنوں کے ہیں دوست خود جاسوکا
 ہوگا انجام دیکھئے کیا کچھ
 کے ابھی تک کھلی نہیں لیکن
 وقت نازک ہے اپنے بیڑے پر
 یا پھیرے ہوا کے لے ابھرے
 کام آئے اپنے سوئپ دو حالی
 بھڑیلوں کے ہیں خوں میں تو لگاؤ
 گھائلوں پر ہیں سمیر تیر انداز
 حیلہ گر و بیہوں کے عشوہ ناز
 اور یاروں کے یار میں غماز
 ہے پراشوب جبکہ یہ آغاز
 غیب سے آرہی ہے کچھ آواز
 موج ہائل ہے اور ہوانا ساز
 یا گیا کشکاش میں ڈوب جواز
 نہیں جس کا شر یکا وارنا
 ہے وہ مالک دیوے خواہ تراے

چارہ یاں کیا ہے غیر عجز و نیاز
 جاذب رحمت ہے مقناطیس عصیاں اپنے پاس
 رکھتے ہیں عاصی کند صید خفسراں اپنے پاس
 عاجزوں سے مقتدر کرتے ہیں اکثر درگزر
 عجز اپنا ہے کلید باب رضواں اپنے پاس
 ہو گئی گر کچھ سمجھنے میں خطا فرمان کے
 عذر خواہ اپنا ہے خود فرمان سلطان اپنے پاس
 بام تبا یا بلند اور نارسان بخشی کسند

رکتے ہیں ہم اپنی معذوری پہ بُرہاں اپنے پاس
 خاک میں ہم نے ملا رکھی ہے اکسیر اپنی۔ آپ
 در نہ ہے ہر درد کا وجود در ماں اپنے پاس
 دست بردا ہر من کا جس کو کچھ کھٹکا نہیں
 ہے بھگواندوہ مہر سلیمان اپنے پاس
 دیکھتا حالی نہ دینا وضع فطرت کو بدل
 ہے یہ دستاویز اختلاف رحماں اپنے پاس

چھڑا ب نہ اے تصور شرکان یار بس کافی ہے خار خارِ عشق روزگار بس
 یہ غم نہیں ہے وہ جیسے کوئی بٹا سکے غمِ یواری اپنی رہنے دے لے غم گسار بس
 ہر داغِ فصل گل کی نشانی ہے اے صبا گلگشت کو بہت ہے دلِ داغدار بس
 ڈر ہے دلوں کے ساتھ امیدیں بھی بس غنائیں اے آسیاے گردشِ یل و نسار بس
 دین غیر دشمنی کا ہماری خیال چھوڑ یاں دشمنی کے واسطے کافی ہیں یار بس
 آتا نہیں نظر کہ یہ ہو رات اب تحسّر کی نیند کیوں حرام بس اے انتظار بس

تھوڑی سے رات اور کسائی بہت بڑی

حالی نکل سکیں گے نہ دیکھے یار بس

اک ہم کو محمؐ پر بسرایا م ہے درخشاں بیتا نظر آتا نہیں جو کام ہے درخشاں
 غفلت ہے کہ گھیرے ہوئے ہے چاروں طرف اور معرکہ گردشِ آیام ہے درخشاں
 وہ دن گئے جب تھا مرنے کا آغاز اب اس مرضِ صعب کا انجام ہے درخشاں

گو صبح بھی تھی روز مصیبت کی قیامت
 پر صبح تو جوں توں کٹی اب شام ہے دریش
 وہ وقت گیا نشہ تھا زوروں پہ جب اپنا
 اب وقت خمارے گل فام ہے دریش
 اُمید شفا کا تو جواب آ رہی چکا ہے
 اب موت کا سننا نہیں پیغام ہے دریش
 جی اُس کا کسی کام میں لگتا نہیں زہار
 نظام ہے کہ حالی کو کوئی کام ہے دریش

ہر بشر سے اُسکی مختص میں عطائیں خاص خاص
 ہر مرض کو راس میں جیسے دوئیں خاص خاص
 دل تو اپنا پھر کھاتے زلِ دنیا سے مگر
 رہنِ دل میں ابھی اُسکی ادائیں خاص خاص
 گوزمانے بھلا دی دل سے اپنے فصلِ گل
 یاد میں لیکن وہ بیل کی صدائیں خاص خاص
 زہر و قوی سے نہیں بہتیں دعائیں مستجاب
 وقت ہیں کچھ خاص خاص اور ہیں دایں خاص خاص
 یوں تو ہے امید بکچھ۔ یہ تہوں شاید معاف

وہ جو کی ہیں سب سے اے حالی خطائیں خاص خاص

درد اور درد کی ہے سب کے دوا۔ ایک ہی شخص
 یوں ہے جلاؤ مسیحا نجد ایک ہی شخص
 حور و غلام کے لئے لائیں دلِ آخر کی کا
 ہونے دیتا نہیں یاں عمدہ یہ ایک ہی شخص
 قافلے گذریں و یاں کیونکر سلامت و ایمن
 ہو یہاں راہِ تین اور راہِ ستم ایک ہی شخص
 قیس سا پھر کوئی اٹھاتا جی عام میں
 فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص
 جگمگاتے دیکھے میں جن لوگوں کے ان گم ہوتے
 آج ویسا کوئی دے ہو کو دکھا ایک ہی شخص
 گھر میں برکت ہے۔ مگر نفیس ہے عمارتِ حیرت
 کچھ ہی شیخ مگر ہے بخدا ایک ہی شخص

اعترافوں کا زمانہ کے ہے حالی پہ پنجوڑ

شاعراب ساری خدائی میں ہے کیا ایک ہی شخص

عشق کو ترک حیوں سے کیا غرض
چرخ گرداں کو سکوں سے کیا غرض
دل میں ہے لے خضر گر صدر طلب
دہر و کو نہ ہوں سے کیا غرض
حاجیو ہے ہلکو گھر والوں سے کام
گھر کے محراب دستوں سے کیا غرض
گنگنا کر آپ رو پڑتے ہیں جو
انکو جنگ داغیوں سے کیا غرض
نیک کمنا نیک جس کو دیکھنا
ہلکو تفتیش دروں سے کیا غرض
دوست ہیں جب زخم دل سے بخیر
آن کو اپنے شک خوں سے کیا غرض
عشق سے ہے مجتنب ز اہرست
شیر کو صید لہوں سے کیا غرض
کرچکا جب شیخ تسخیر قلوب
اب اُسے دنیائے دوس سے کیا غرض

آئے ہو حالی پئے تسلیم یاں

آپ کو چون دجگوں سے کیا غرض

دوست کا نار دانتیں اعرض
دوستوں ہی کا کام ہے اعرض
چاہئے ایک سب کام مقصود
گوہوں سب کے جدا جدا اعرض
یاد میں تیری سب کو بھول گئے
کھو دیے ایک دکھ نے سب اعرض
دیکھئے تو بھی خوش ہے یا ناخوش
اور تو ہم سے سب میں کچھ ناراض
لا ابا کئی زبان یغا تبتی
حُل فاس و اُنت عتی تراض
منعو ابدل خیر میں یہ دیر
اپنا مطلب اور اُسپہ اعرض
حق میں اپنوں کے سخت مسکینا
جو کہ اوروں کے حق میں بیاض

راے ہے کچھ علیل سی تیری نبض اپنی بھی دیکھ اے تیاض
 وعظ میں گل کترتے ہیں واعظ منہ میں آن کے زباں ہے یادِ سخن
 ہے قہیوں میں اور ہم میں نزع ہلکے لٹائی نزعِ عمامہ من قاض
 ہے ریاضت یہ ناز کیا زاہد خاکِ کش تجھ سے ہے سوا امتراض
 شیخ کی تھی یہ آخرتی تلقین چاہئے زرتو اس سے کرا عرض

ایسی غولیں سنی نہ تھیں حالی

یہ نکالی کہاں سے تم نے بیاض

رات گزری ہو چکا دورِ نشاط طے ہوئی بس اب کوئی دمِ بساط
 دل سے خوشیاں ہو گئیں اب گونگیہ نام تھا شاید جوانی کا نشاط
 دین اب ایدل منقہ بنے گئے ہیں ہو چکا ہوتا تھا جو کچھ انبساط
 غنچہ چٹکا اور آبِ یونچہ خزان فصلِ گل کی تھی فقط اتنی بساط
 زریہ منبر ہے نعرِ شمس کی جگہ مانیو واعظ اسے راہِ صراط
 تو بھی کھانے میں نہیں عطا شیخ! ہم کریں پیٹے میں کیوں بھرا احتیاط

کوچ کی حالی کرو تیار یاں

ہے تو ملی میں دمِ دم اب انحطاط

پچھے ہیں حرفِ قہر میں آہِ روعظ برا کہہ نہ رندوں کو زہارِ روعظ
 سدا قہر ہی قہر ہے عاصیوں پر رشتہ ہے تو نہ غفارِ روعظ
 نکل اے لگی میکشی کی بھی عادت کوئی نہ گیا اگر ہمیں یارِ روعظ

کوئی بات دیکھی نہیں تجھ میں لیکن مناسب ہے کہ ہوتے ہیں عیاد واعظ
 ہمیں اور بھی تجھ سے کرتے بیچ بن یہ جیہ یہ ریش اور یہ وشار واعظ
 نہ چھوڑے گا دیوگھروں میں نہ زلزلہ یہی ہے اگر حسن گفتار واعظ
 مسلمان نہ ہم کاش عالی کو کہتے
 ہوئے بات کہ کر گنہگار واعظ

اسے بہار زندگانی الوداع اسے شباب اسے شادمانی الوداع
 اسے بیاض صبح پیری اسلام اسے شب قدر جوانی الوداع
 اسلام اسے قاصد ملک بقا الوداع اسے عمر فانی الوداع
 روزگار ضعف و سستی الضلا وقت سعی و جانفشانی الوداع
 فرصت عشق و جوانی الفراق ق دو عیش و کامرانی الوداع
 تجھ کو تجھے تجھے نعیم جاوداں اسے نعیم جاودانی الوداع
 تیرے جاتے ہی کہیں سب خوبیاں اسے خدا کی مہربانی الوداع
 آنکا حالی کتنا اسے پر جہان
 الوداع اسے زندگانی الوداع

کل کہک سے چین میں یہ کتنا تھا ایک فراغ دیکھ اس خرام ناز پہ اتنا نہ کہ در فراغ
 ہے تاک میں عقاب تو شہار گھٹا تھا حلقے سے یاں اہل کے نہیں ایک دم فراغ
 یارب نگاہ ید سے چین کو بچاؤ بلبل بہت ہے دیکھ کے پھولوں کو باغ باغ
 دو چار کام نقش قدم لی کے رہ گئے آگے چلا نہ آہوئے مشکین کا کچھ سراغ

اُمیں سیس وہ شوق سے جو ابنِ طرف ہوا
ساتی بھرے کھڑا ہے بے عمل سے ایلان
خجک میں تختہ نگل خود رو کو دیکھ کر
تازہ ہوا زمانہ کی ناقدریوں کا داغ

حالی بھی پڑھنے آئے تھے کچھ بزمِ شعر میں
بادی تب آن کی آئی کر گُل ہو گئے چراغ

حق نہ ملانے کچھ بتایا صاف
اور نہ صوفی سے کچھ دکھایا صاف
آنکھ اپنی ہی جب تک نہ کھلی
مہر روشن نظر نہ آیا صاف
کبھی دشمن سے بھی نہ کھٹکے ہم
صاف تھے آپ سب کو پایا صاف
زائد وہم تو تھے ہی آلودہ
نمکو بھی بنے کچھ نہ پایا صاف

کیوں فقیہوں سے رک گئے حالی

بھید تم نے نہ کچھ بتایا صاف

نہ ہم میں یار کی محفل میں بار کے لائق
نہ اپنا کلیہ احزراں ہے بار کے لائق
کرے گما کیا ترا کھل الجوا ہر اے کھال
نہیں یہ آنکھ ہی دیدار بار کے لائق
مکانِ واریتی اور لبسِ بوسیدہ
بہت ہے زندگیِ مستعار کے لائق
غور و حرص ہیں نلیجہ عروسِ دنیا کے
بناؤ تھے یہی اس نابکار کے لائق
کرتے گی باوہار اے اب کسے سر سبز
رہا نہ باغِ قدومِ ہمسار کے لائق
بس اب ہے فضلہ دیو باد و گردِ برگزار
رہا نہ شیرِ ثریاں خودِ شکار کے لائق
گنہ کا عذر کر رہا محاسبِ ہم آنکھوں سے
ہمارے جرمِ ہوں گرا اعتذار کے لائق
گمہ میں دام نہ دفتر میں نام ہے حالی
تھیں تو شہر میں ہوا اعتبار کے لائق

یہ جتنے مانا کہ تم میں بہتر بھی ہیں کچھ کچھ
مگر نہیں کوئی خوبی شمار کے لائق

دلوں کا کھوٹ اگر کیئے بولنا ایک ایک
سلامتی کو وہاں قافلوں کی زنجیریں
زمانہ پھر نظر آتا ہے کچھ ترقی ہو
رہا ہوں رند بھی اسے شیخ پارسا بھی ہیں
دعا کی ایک گھٹی سے امید ہے اس وقت
بھپانکے اس سے قصور اپنے ہم بہت سہرا
ہوا نہ ایک بھی حق اس کی بندگی کا
امیر حلاج کی بہت میں گزرائے قصور
ہم آج بیٹھے ہیں ترتیب کرنے دفتر کو
ہمارے بھی نہ بلبل تری کھال آگ
وہ عشق ہے نہ جوانی وہ تو ہے اب وہ ہم
نہم رہیں گے نہ حالی پر و غرض جہاں
عالم آزاد گال ہے اک جہاں سے الگ
پاک ہیں الا انبوس میں نہ بخون میں بل کاؤ
دوست کے ہیں جاں نثار اپنا ہویا بیگانہ ہو
سب کی سُن لیئے ہیں لیکن اپنی کچھ کہتے نہیں
جانچتے اور دل کو میں خود لیکے اپنا اتھاں

تو آشنا سے ہو بیگانہ آشنا ایک ایک
جہاں ہے راہزن خلق رہتا ایک ایک
بنا ہے عورت دماں آجکل گدا ایک ایک
مری نگاہ میں ہے رند و پارسا ایک ایک
کہا دیا رہے ہو جائز گناہ ایک ایک
جب آپ منہ سے لگی ہوئے خطا ایک ایک
کیا ہے جس نے حق شواہجی ادا ایک ایک
تو مروج بحر ہے نستی کی ناخدا ایک ایک
دوق جب آس کا آواز لگی ہو ایک ایک
جگر کے پار ہے اب بھی تری نوا ایک ایک
پر دل پہ نقش ہے اتیک تری ادا ایک ایک
رہی حالی دلگیر کی صدا ایک ایک
ہے زمیں اُن کی اور اُن کا آسمان سے الگ
رہتے ہیں دنیا میں سب کے دریاں سے الگ
ہے عشرہ اور اُن کا دو ماں سے الگ
ہے کوئی بھیدی اور اُن کا راز داس سے الگ
رکھتے ہیں اپنا طریق اتھاں سے الگ

اک جہن بہر تفریح رکھتے ہیں زیر بغل
روضۂ دبستان و فردوسِ قباں سے الگ
کلیہ حزن ہے روشن اُن کا جہن متا ہے
ہے وہ نورِ مہر و ماہ و مکشاں سے الگ
سیکڑوں پھندوں میں یاں جکڑا ہوا ہے بند
پڑھوئے کوئی دل اُن کا تو اس سے الگ
شاعروں کے ہیں سب اندازِ سخن دیکھے ہوئے
در دمنوں کا ہے دکھراو بریاں سے الگ

مال ہے نایاب پر گاہک ہیں انکسہ بخیر
شہر میں کھولی ہے حالی نے دکاں سے الگ

صلح ہے اک مہلت رانا جنگ
کرتے ہیں بھرتے کو یاں خالی تنگ
عہد گیتی پر نہ پھولیں کا مراں
آخر اس کی آشتی لائے گی رنگ
علم کیا اُتلاق کیا ہتھیار کیا
سب ایشیہ مار رکھنے کے ہٹ رنگ
روکے بد خو کو بد خوئی سے کیوں
آپ اپنی خوشے آجلے کا تنگ
زبرد و طاعت پر جوانوں کی نہ جاؤ
یہ بھی ہے کہ نصیبانی کی تنگ
پاکبازوں کو نہیں قید و قمع
جو ہیں اچھے ان سے کچھ ہے تنگ
کام کا شاید زمانہ ہو چکا
وہیں اب اتھتی نہیں کوئی تنگ
وہ عجائب اب نظر آتے ہیں کھیل
دیکھ پیلے جن کو دھجالتے تھے تنگ
کاشتوں سے پرورش پالی ہے برج
اب انکا کھایا پیاسیہ کے تنگ
عقل شاید تلک میں باقی ہے کچھ
ہے ابھی کم حاصل فیون و تنگ
بڑھ گیا ہے جسم انسانی مہبت
ہو گی ایجاد اب نئی تو پو تو تنگ
قوم کو حالی نہیں اس انفاق

چھوٹ ہی کا بس کھلے گا ہمیرنگ
 ہوئے ہیں ہم ہی کچھ اور کچھ
 یا زمانہ ہی گیا یا رب بدل
 رہ گئے ہیں کچھ کچھ آثارِ سلف
 اور ابھی ہونا ہے شاید تبدیل
 ایک بنیٹنے ہم نظر آتے نہیں
 ورنہ گڑ گڑ گئے لاکھوں پھل
 کب تک آخر کھڑے رہتا ہے وہ گھر
 آگیا بنیاد میں جس کی ٹل
 تاؤ ڈوبے یا کہیں کھینچا ہوا پار
 تیری صدی بہ کچھ اسے طول اہل
 اب لگا دیو دیکھ اپنی نبی
 لایکے پورے بہت اگلے کچھ پھل
 دیکھتے تھکتا ہے کب تک پاسِ صبح
 ہم نہ بدے اور گیا عالم بدل
 کوششوں میں کچھ مزا آتا نہیں
 وقت کوشش کا گیا شاید بھل
 اب منہو حالی کے نوے عمر بھر

ہو چکا منگا مرے دل و غزل

مدد سے میں دم کے رو پر قضا بیٹھے تھے ہم
 اُسٹھے میں دیکھ ہی کو رہے جیسے جا بیٹھے تھے ہم
 چھوڑی ہم میں کہ ہر شہ پہر کا فرسے لوٹ
 دل و نیاسے ابھی ہو کر تھا بیٹھے تھے ہم
 صبح میں اہل و سحر کی سب گئیں غم و سنگ
 بنم شدائ میں یونیس اک روز جا بیٹھے تھے ہم
 شہر و نیال حقیقت رہ کے دنیا میں کھلی
 ورنہ دھوکا۔ دور سے دیکھ لاکھائی بیٹھے تھے ہم
 ہم نہ تھے آگاہ و اعجازِ شہرِ دل سے تری
 آدمی تھے کچھ کچھ کہ پاس آ بیٹھے تھے ہم
 سعی کا انجام پہلے ہی سے آتا تھا نظر
 باتھ سائل ہی پہ پڑے سے آٹھا بیٹھے تھے ہم
 ہستے خود دنیا ہی پتیاں نہ حالی دریاں

دین تک دنیا کی قیمت میں لگا بیٹھے تھے ہم

خوبیاں اپنے میں گویے انسا پاتے ہیں ہم
خون کا کوئی نشان ظاہر نہیں افعال میں
گرتے ہیں طاعت تو کچھ خواہاں نوازش نہیں
دیدہ و دل کو خیانت سے نہیں لکھ سکتے باز
دل میں درد عشق نے مدت سے کر رکھا ہے ہم
ہو کے نادومِ حرم سے بھر حرم کرتے ہیں ہی
ہیں فدا اُن دونوں پر نہیں ہو صدق و وفا
گو کسی کو آپ سے ہونے نہیں دیتے، حفا
جانتے اپنے سوا سب کو ہیں بے مہر و فنا
بخل سے منسوب کرتے ہیں رات کو سدا
ہو اگر مقصد میں ناکامی تو کر سکتے ہیں
نظر سے جاتے ہیں جتنے جہنم عالم میں بھلے
جس قدر جھک جھک کے ملے ہیں بزرگِ خرد
گو بھلائی کر کے جھنسو کے خوش ہونا ہے جن
سہے روائے نیکنائی و دوش پر اپنے گم
راہ کے طالب میں پرے راہ پڑتے ہیں قدم
نور کے جتنے سگل دیکھے ہیں اسے حمالی مگر

پر ہر اک خوبی میں دل ایک عیب کھاتے ہیں ہم
گو کہ دل میں متصل خوفِ خدا پاتے ہیں ہم
پر گئے چھپ چھپ کے کرنے میں مزیاتے ہیں ہم
گر وہ دست و پا کو اکثر بے خطا پاتے ہیں ہم
یو اسے آلودہ حرص و ہوا پاتے ہیں ہم
جہنم سے گو آپ کو نادومِ سدا پاتے ہیں ہم
پر بہت کم آپ میں صدق و وفا پاتے ہیں ہم
اکہ جہاں سے آپ کو لیکن خفا پاتے ہیں ہم
اپنے میں گر شرم مہر و وفا پاتے ہیں ہم
گر کبھی نوبتِ اشارہ عطا پاتے ہیں ہم
درِ خود کامی کو لیکن بے دوا پاتے ہیں ہم
حالِ نفسِ دون کا اتنا ہی بڑا پاتے ہیں ہم
کبر و ناز اتنا ہی اپنے میں سوا پاتے ہیں ہم
تہ نشیں انہیں میں گرد و ریا پاتے ہیں ہم
داغِ دوا لی کے کچھ زیور واپاتے ہیں ہم
دیکھے کیا ڈھونڈ جھنتے میں اور کیا پاتے ہیں

ننگ کچھ تیری الاپوں میں نیا پاتے ہیں ہم

اگے بیٹے نہ قصۂ عشق بُناں سے ہم
اب بھاگتے ہیں سایۂ عشق بُناں سے ہم
خود رفتگی شب کا مزا بھولستائیں
دور و فراق در شکیب عدو تک گراں نہیں
جنت میں تو نہیں اگر اسے زخم تیغ عشق
لینے دو چین کوئی دم اسے منکر و نکیر
ہنستے ہیں اس کے گریہ بے احتیاج
اب شوق سے بگاڑ کی باتیں کیا کرو
دلکش ہر ایک قطعہ صحر ہے راہ میں

لذت ترے کلام میں آئی کساں سے یہ

پوچھیں گے جائے حالی جا دو بیاباں سے ہم

یادوں کو تجھ سے حالی اب سرگیاں ہیں
یاد اس کی دل سے دھو دے اسے تم تو بالوں
نیتے میں غیر اپنے ہوتے ہیں رام و حشی
غیبت ہو یا حضوری دو تو بڑی ہیں تیری
کتے ہیں سب کو حقیقت وہ اگر بھلاک ہے تیری
رحمت تری غذا ہے غصہ ترا دو اسے

نہندیں آچاٹ دیتی تیری کہانیاں ہیں
اب دیکھتی مجھے بھی تیری روایاں ہیں
الفت کی بھی جہاں میں کیا مکر نیاں ہیں
جب بدگمانیاں تھیں اب بد زبانیاں ہیں
سب واعظوں کی باقی رنگیں باتیاں ہیں
شانیں میں تیری جتنی جاں جاناں ہیں

ہو گا تو پہلے ہو گا اسے چرخِ نیریاں تو
 کچھ ان دنوں تو ہمیر نامہ رانیاں ہیں
 اپنی نظر میں بھی یاں اتنو حقیر ہیں ہم
 بے غیرتی کی یاد وہ اب زندگائیاں ہیں
 روتے ہیں چار ہمیر ہنستے ہیں چار ہمیر
 یاں تک ہماری یہ سوچی اب نا تو انیاں ہیں
 ہر حکم پر ہوں راضی ہر حال میں رہیں خوش
 حصہ میں اب ہمارے یہ شادمانیاں ہیں
 خاور سے باختر تک جیکے نشان تھے ہر یا
 کچھ مقبروں میں باقی اُن کی نشانیاں ہیں
 دیکھا نہیں ابھی کچھ قحطِ الرِجال تم نے
 اس سے بھی سخت آتی آگے گزائیاں ہیں
 کھیتوں کو دے لو یا اب یہ رہی ہے
 کچھ کر لو جو اُنو اٹھتی جو انیاں ہیں
 فضل و مہرِ بڑوں کے گر تم میں مل جائیں
 گریہ نہیں تو بابا وہ سب کسانیاں ہیں

روتے میں تیرے حالی لذت ہے کچھ نرالی
 یہ نونِ نشانیاں میں یا کافِ نشانیاں ہیں

جب سے سنی ہے تیری حقیقت چین نہیں اک آن ہمیں
 اب نہ نہیں گے ذکر کسی کا آگے کو ہوئے کان ہمیں
 کچھ روز دن غفلت میں پھرے یاں دھو نہ ہتے ہم لاشیں کو
 گھل گئی جب دنیا کی حقیقت کچھ نہ رہا فلجیاں ہمیں
 چل کے نئی اک چالِ فلک نے کھو ریے ہوشِ حلیفوں کے
 ندو سے نہیں یا مانت قبولیں اتنے نہیں اورمان ہمیں
 پاس اُنھیں گر اپنا ذرا ہو جان اپنی بھی اُن پختا
 کرتے میں خود نا منصفیاں اور کتے میں نا فرمان ہمیں

داد طلب سب غیر ہوں جب تو ان میں کسی کا پاس نہو
 بتلائی ہے زمانہ نے انصاف کی یہ پہچان، میں
 صحرا میں کچھ بکریوں کو قصاب چیرتا پھرتا تھا
 دیکھ کے اُس کو سارے تمھارے آگئے یادِ حسان میں
 یاں تو بدولت زہد و ورع کے نہ گئی خاصی عزت سے
 بن نہ پڑا پر کل کے لئے جو کرنا تھا سامان، میں
 سر تھے وہی اور تال وہی پر راگنی کچھ بیوقت سی تھی
 غل تو بہت یاروں نے مچایا پر گئے اکشران میں
 غیر سے اب وہ بیرہیں اور یار سے اب وہ بیزار ہیں
 بس کوئی دین کا اب حالی یاں سمجھو تم مہمان ہیں

کی تو ہیں ہنسنے بھی حالی کو بچ کی تباریاں
 خوابِ راحت میں وہ لذت تیرے اسے پڑی ہیں
 ہیں اگر سیر ویاں اینوں کی دل کو ناگوار
 سب کو کرنی ہوئی پوری اپنی اپنی باریاں
 زلیست بے عقلوں کو ہو جائے سیر کرنی محال
 اتنی بھی اسے عاقلو اچھے نہیں شیار یاں
 بے مزہ ہے اہل دین کی ترش روئی بھی مگر
 اس سے پھکی اہل دنیا کی میں ظاہر داریاں
 گو طبیعت سے گئے سب ماؤںے قاصدِ مکمل
 کم ہوئیں حالی نہ لیکن نفس کی سیاریاں

رازِ دل کی سحرِ بازارِ خبر کرتے ہیں کج ہم شعر میں خواں اپنا ہر کرتے ہیں
 عقل کی بات کوئی ہنسنے کی ہے شاید جتنی جتنے ہیں سب ہمسے حذر کرتے ہیں
 جرمِ خالق سے سوا پاتے ہیں جرمِ نقصا جب کہ ہم اپنے حیرانم یہ نظر کرتے ہیں
 کم سے کم وعظ میں اتنا اثر ہو و اعظا بول تو ال کے جو دلیس انز کرتے ہیں
 زہد و طاعت کا سہارا نہیں جب سے زہد یاد اللہ کو ہم آٹھ پیسہ سحر کرتے ہیں
 عیب یہ ہے کہ کرو عیب بستر دکھلاؤ ورنہ یاں عیب تو سب فرد بشر کرتے ہیں
 غمزہ و رنج و مصیبت یہ کرو ناز کہ وہ دل دکھاتے ہیں وہی ہیں کہ گھر کرتے ہیں
 جی رکاوٹ سے جوانی کبھی رک جاؤ ایک لگاوت میں ادھر سے وہ ادھر کرتے ہیں
 اک یہاں جینے سے بیزار ہیں یار رب یا اسی طرح سے سب عمر بسر کرتے ہیں
 تلخیاں ہریت کی تمویری سی رہی ہیں باقی یہ ہم بھی جو خدا چاہتے تو سر کرتے ہیں
 قیصر و زار کایاں پیٹ تو بھرنا معلوم بس ہماری ہی طرح وہ بھی گذر کرتے ہیں

کیں افطار کا حیلہ تو نہ ہو یہ حالی

آپ اکثر رخصت ہی میں سفر کرتے ہیں

دیکھنا ہر طرف نہ مجلس میں رختہ نکلیں گے سیکڑوں میں
 کی نصیحت جبری طرح ناصح اور اک بس ملا دیا بس میں
 ہونہ بننا تو فسوق پھر کیا بہت چشم انسان چشمِ زرگس میں
 بقدیم دم میں خالق ہوں میں بے نعل علم میں مدارس میں
 دین اور فقر تھے کبھی کچھ چیز اب دھرا کیا ہے میں اور میں

نہو قیضے میں جب عنانِ فرس بیچ ہیں جو مہر میں فارس میں
 جس سے نفرت ہے اہلِ نعمت کو وہی نعمت ہے چشمِ مفلس میں
 ہو فرشتہ بھی تو نہیں انسان درو تھوڑا بہت نہ ہو جس میں
 جانور آدمی - فرشتہ - خدا آدمی کی میں سیکڑوں قسمیں
 آج کل چرخِ صلح جو ہے بہت دیکھئے ہو بگاڑ کس کس میں

کی ہے خلوت پسند حالی نے
 اب نہ دیکھو گے اُس کو مجلس میں

بواہوس عشق کی لذت سے خبردار نہیں میں نے ناب کے ذلالِ قدحِ خواریں
 شہر میں اُن کے نہیں جنسِ وفا کی بکری بھاؤ میں پوچھتے پھرتے یہ خریدار نہیں
 کون سے وہ گلِ رعنا یہ نوا سنچ نہیں کون سی نرگس شملہ کے وہ بیمار نہیں
 کبھی سلی پہ ہیں مقتول کبھی شیریں پہ فدا اور جو بھر دیکھو تو دونوں سے سروکار نہیں
 اٹھ نہیں سکتی سزا جرمِ وفا کی اُن سے دل چنسا کر کہیں بیٹے وہ گنہگار نہیں
 عیش میں جانِ فدا کرنے کو تیار ہیں وہ اور جو ہوکیل کا کھٹکا بھی تو پھر بار نہیں
 نبتِ نیا ذائقہ چکھنے کا ہے لپکا اُن کو دریدر جھانکنے پھرتے سے انھیں عا نہیں
 بواہوس کام طلب بندہ نفسِ اہل ہوا ایک عالم ہے اسی رنگ میں دو عیا نہیں
 دعویٰ عشق و محبت پہ نہ جانا اُن کے ان میں گفتار ہی گفتار ہے کردار نہیں

کہے حالی بھی اگر عاشق صادق ہو نہیں
 کہہ دو اللہ کہ صادق نہیں زہار نہیں

چھوٹکا ہے فصل نکلنے صورت کے پھر چہرے میں
 بابل کے آگ سے کچھ تن میں لگ ہی ہے
 بار صبا گئی چھوٹا کیا جانے کان میں کیا
 چپ ہے زبان سو سن حیراں ہے نیم نرس
 میں اور تو ادائیں ساری سہی قدوں کی
 ہے عید اہل اسلام یا موسم بہا راں
 مٹھ سے دھواں سا اٹھا لیتے ہی نام اسلام
 پھر زخم بھونٹ نکلا حالی نہ پھیرنا تھا
 گوروچکے میں دکھڑا سوار قوم کا ہم
 وہ قوم جو جہاں میں کل صدر انجمن تھی
 پائین بزم بھی اب ملتی نہیں اسے جا
 کوہ کی جون میں ہے مرغوباب وہ لکت
 وہ دن گئے کہ حکمت تھی مستند میں کی
 وہ دن گئے کہ موتی مشہور تھے عدن کے
 قبر اویں پر ہے بس خراب قرن کو

لہٰذا میں کہ نسبت حدیث میں آیا ہے کہ ”الایمان بالحکمۃ یعنی فیہ“
 یعنی ایمان ہے تو میں کہ ہے اور حکمت ہے تو میں کہ ہے ”اسی بنا پر میرا قردا ماد نے
 اپنے فلسفہ کا نام حکمتِ مانیہ رکھا ہے“ ۱۳-

اس یانگ کی خزاں نے کچھ خاک سی اڑادی
 ڈال نہ ہوگی آگے اے دورِ چرخ شاید
 فوج اوز پھیر دو نوں پھرتی میں یہ سڑکیا
 خرد و بزرگ سارے ہیں بدحواس گویا
 بھولی ہوئی ہیں ڈالیں ہنوں کی جو کڑکی
 حالی بس اب نہیں یاں بننے کی تاب بانی
 فصل بہار گویا آئی نہ تھی جہن میں
 جو ایک تو نے ہل چل ڈالی ہے آہن میں
 گویا امیر لشکر مارا گیا ہے دن میں
 لٹنے کی قافلہ کے پہونچی خبر وطن میں
 جائیں کہہ کر ہر سو دوں لگ ہی ہے مینا
 مانا کہ ہے بہت کچھ وسعت ترے سخن میں

نوکِ زباں نے تیری سینوں کو چھید ڈالا

ترکش میں ہے یہ پیکیاں یا ہے زباںِ دُہن میں

ہے تجھ کو خوب سے ہے خوب تر کہاں
 میں دورِ جامِ اولِ شب میں خودی سے دور
 یا رب اس اختلاط کا انجم ہو بخیر
 ایک عمر چاہئے کہ گوار ہو شیشِ عشق
 بس ہو چکا بیاں کسل و بچ و راہ کا
 کون و مکاں سے ہے دلِ جیشی کنارہ گیر
 ہم چہ پر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
 ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی
 اب ٹھہرتی ہے دیکھئے جا کر نظر کہاں
 ہوتی ہے آج دیکھئے ہم کو سحر کہاں
 تھا اُس کو ہم سے رابطہ مگر اس قدر کہاں
 رکھی ہے آج لذتِ رخصم جلکہ کہاں
 خط کا مرے جواب ہے اسے نامہِ بزم کہاں
 اس خانہاں خراب نے دھونڈوٹھائے گھر کہاں
 عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں
 دل چاہتا نہ تو زباں میں انز کہاں

حالی نشاطِ نغمہ و سہ دھونڈتے ہواب

آئے ہو وقتِ صبح رہے رات بھر کہاں

پیانے نہ جام سے کمورت بزم دوراں میں
 نہیں کچھ منحصر دستگی زلف پریشان میں
 اگر چھوڑا کنہ جذبہ عشق زینچا نے
 تصویر نے بھلایا تیرے ذوق شادی و غم کو
 خوشی میں بھی نہیں ہنا خوشی تا ایک حالت پر
 زیاں تقریر سے قاصر قلم تحریر سے عاجز
 فلک سے جیتے جی معلوم لینا کام دل سے خضر
 نہ چھوڑے گی محبت یار سے ناکام عاشق کو
 گل و سرسب تو کیا فرقت میں جی تاکھ چھو جاتا
 بہت دن چاہ نہیں یوسف کو پہونچنے زینچا تاک

ندی حیرت نے حالی قمر صفت سیر تھاں اکرم
 رہے ہم شہر میں ایسے کتھے گویا بیاباں میں

اب وہ اٹھلا سا التفات نہیں
 مجھ کو تم پر ہے اعتماد و وفا
 رنج کیا کیا میں ایک جان کے ساتھ
 یونہی گدہ رہے تو سہل ہے لیکن
 کوئی دل سوز ہو تو کیجئے بیسال
 ذرہ ذرہ ہے منظر خورشید
 جسیہ بھوے تھے اب وہ بات نہیں
 تم کو مجھ سے پر التفات نہیں
 زندگانی موت ہے حسیات نہیں
 فرصت غم کو بھی نجات نہیں
 سرسری دل کی واردات نہیں
 جاگ اسے اکٹھے دن ہے رات نہیں

قیس ہو کو کہن ہو یا حالی عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

کچھ تنہی کھیل بچھلنا غم جہراں میں نہیں
چاک دل میں ہے مرے جو کہ گریباں میں نہیں
کھو دیا یا س نے ذوق غلش فکر و مال
اک مزا تھا سو وہ اب کاوش نہیاں میں نہیں
بنے کی سیرِ حرمِ غور سے اے بلبل زار
بات چھپتی ہوئی کوئی نگاہِ رنجاں میں نہیں
عشق نے مصر میں سو بار زنجارے کسا
فتنہ دوم ہے جو حسن وہ کنعاں میں نہیں
عقبِ اصدق و صفایاں ہے تھیں کے دم سے
صلحت برہی محبتِ زنداں میں نہیں
یاں بھی ہے کون و مکان سے دلِ حشی آزاد
جس کو تم قید سمجھتے ہیں وہ زنداں میں نہیں
ٹھیرے ٹھیرے دل یوں ہی ٹھہر جائے گا
بات جو آج ہے وہ کل غم جہراں میں نہیں
کس طرح اسکی نگاہ کو بناوٹ سمجھوں
خطا میں لکھا ہے وہ القاب جو عنوان میں نہیں
دی ہے واعظ نے کہنِ آداب کی تکلیف نہ چھو
ایسے الجھاؤ ترے کا کل چھپاں میں نہیں
اُدھی ہو تو کبھی پاسِ محبت کے نہ جائے
اب بھی کہتے ہیں کہ ہم غیر کے لفصاں میں نہیں
بقیہ رازی تھی سب امیدِ ملاقات کے ساتھ
اب وہ اگلی سی درازی شبِ جہراں میں نہیں

حالی زار کو کہتے ہیں کہ ہے شاہد باز

یہ تو انار کچھ اس مردِ مسلاں میں نہیں

غمِ فرقت ہی میں مرزا ہو تو دوا نہیں
شادیِ چل بھی عاشق کو سزا دہ نہیں
خوبروی کے لئے شہی خوا بھی ہے ضرور
سچ تو یہ ہے کہ کوئی تجھ سا حصار نہیں
قول دینے میں تامل نہ قسم سے اسکا ر
ہم کو سچا نظر آتا کوئی اقرار نہیں

کل خرابات میں اک گوشہ سے آتی تھی جدا
دل میں سب کچھ ہے گزرِ نصرتِ گفتا نہیں
حق ہوا کس سے اداس کی وفاداری کا
جس کے نزدیک جفا باعثِ آزار نہیں
دیکھتے ہیں کہ پہونچتی ہے وہاں کون سی راہ
کعبہ و دیر سے کچھ ہم کو سروکار نہیں
ہوں گے قائل وہ ابھی مطلع ثانی مسکرا

جو تجلی میں یہ کہتے ہیں کہ تکرار نہیں
میں تو میں خیر کو مرنے سے اب انکار نہیں
کچھ پیتا منزلِ مقصود کا پایا ہم نے
یک قیامت ہے ترے ہاتھ میں تلوار نہیں
چشمِ بدور بہت پھرتے ہیں اغیار کیساتھ
جب یہ جانا کہ ہمیں طاقتِ رفتار نہیں
ہر چکا ناز اٹھانے میں ہے گو کام تمام
غیرتِ عشق سے اب تک وہ خبردار نہیں
مردوں و شرک نے اغیار سے ملنے نہ دیا
لہٰذا انجس کہ با ہم کوئی تکرار نہیں
دل نے آخر یہ دیا حکم کہ کچھ عار نہیں
اصلِ مقصود کا ہر چیز میں ملتا ہے پتا
ورنہ ہم اور کسی شے کے طلبگار نہیں

بات جو دل میں چھپائے نہیں مٹی حالی
سخت مشکل ہے کہ وہ قابلِ اظہار نہیں

دشت میں تھا خیالِ گل و یاسمن کہاں
لالا ہے جوئے انسِ نسیمِ چین کہاں
بے بندگی کے ساتھ یہاں فوقِ بید بھی
جائیدادِ دیر چھوڑ کے اب برہن کہاں
اہلِ طریق جس کو سمجھتے ہیں زرا در راہ
واں دخلِ دستِ برد کو اے راہزن کہاں
فصلِ خزانِ کیں میں ہے صیادِ گھات میں
مُرخِ چین کو فرصتِ سیرِ چین کہاں
لاما ہے دلو و جد میں اک حرفِ اشتنا
یجائے ہم کو دیکھئے ذوقِ سخن کہاں

جی ڈھونڈھتا ہے بزمِ طرب میں منہیں مگر وہ آئے انجمن میں تو پھر انجمن کہاں
 دل ہو گیا ہے لذتِ غربت سے آشنا اب ہم کہاں ہولے نشاطِ طرب کہاں
 کہتا ہے خیر ہم بھی دشمنِ آپ کے شکوے کو لے گیا ہے وہ بیزارِ فتن کہاں
 روکا بہت کل آپ کو حالی نے واں مگر
 جاتا ہے محوِ شوق کا دیوانہ بن کہاں

کہاں فکر میں اب وہ جولانیاں وہ دریا سائے معنی کی طعنائیاں
 کہاں وہ طبیعت کی رنگینیاں وہ بزمِ سخن میں گل افشائیاں
 کہاں اب وہ مجلسوں میں احباب کے سخنِ سنجیاں اور سخنِ رائیاں
 دکھائی جو نہیں دور گردوں نے اکھ گئے جھول ساری غزل خوانیاں
 جھکے بن زمانہ سے بنتی نہیں زگرٹنی ہیں یہاں سب کو پیشانیاں
 لگے بڑھنے جیسے کہ ہوشِ جرد ق لگیں ساتھ بڑھنے پریشانیاں
 بڑھاپے کی دانائی لے کر کوئی ۲ بدل دے وہ بچپن کی نادانیاں
 اگر راست گوئی کی جرات نہیں ۱ تو جھوٹی ہیں واعظ کی لسانیاں
 منادی نہیں حق کی کچھ دل لگی ۲ بہت یاں ہیں درکارِ قربانیاں
 گئے جھیل چپ چاپ گر مشکلیں یہی مشکلیں ہیں پھر آسانیاں
 ہونا پتید جس ملک میں اتفاق ہیں آبادیاں وہاں کی ویرانیاں
 بھر میں خرقد پوش اب کوئی اور ۱ یہ مشکلیں تو ہیں جالی پچانیاں
 وہی لیگے یہاں سے زادِ سفر گئے جھاڑ جو اپنی ہسانیاں

لگاؤ نہ اس دار فانی سے دل تھی عیاں اس کی میں سست پمانیاں
 جو یہاں آج ہے جوش عیش و نشاط تو کل حسرتوں کی ہیں طعنائیاں
 پھر آرام برسوں نہیں یہاں نصیب اگر چار دن ہیں تن آسانیاں
 چمن ہے کہ ہے سیمیائی نمود یہ کہتی ہیں زرگس کی حسرتانیاں
 گل - آواز بلبل پہ ہیں نہیں رہے کہنے دُن کی ہیں یہ خوش الحانیاں
 متاع وفا کا ہے دُنیا میں کال مگر گاہکوں کی ہیں ارزانیاں
 لگا دیتے ہیں اس کی قیمت میں جو شہنشاہیاں اور سلطانیاں
 کھلونوں پر مرتے ہیں سر بھٹو پھوڑ یہ داناؤں کی یہاں ہیں نادانیاں
 چھپتے ہیں مُردار کی باکے کو یہ میں شیر مردوں کی جولانیاں
 نبی نوح کے دوست کرتے ہیں آہ نبی نوح پر آتش افشانیاں
 کلیجے کے ٹکڑوں سے ہوتی ہیں یہاں سدا چیل کوؤں کی مہمانیاں
 جہاں سوزیوں کا ہے گویا کہ نام جہاں داریاں اور جہاں بانیاں
 ڈوبتی ہیں آخر کو منجھدار میں یہ فرعونیاں اور ہامانیاں
 محبت کا دُنیا کے حالی مآل
 پشیمانیاں ہیں پشیمانیاں

کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زبان میں
 قفس میں جی نہیں لگتا کسی طرح لگا دو لگ کوئی نشان میں
 کوئی دن بواہوس بھی شاد ہو گیا دھرا کیا ہے اشارت نہاں میں
 کہیں انجام آپہونچا وفا کا گھلا جانا ہوں ایکے آئین میں
 تیا ہے لیجئے حجب نام اُس کا بہت وسعت ہے میری استاں میں
 دل پر درد سے کچھ کام لوں گا اگر فرصت ملی جھکو جہاں میں
 بہت جی خوش ہو احوالی سے ملکر

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

مرے دلیں ہو گئے جیسے نہاں ہو مجھے بھی ڈھونڈ لےنا تم جہاں ہو
 زچھیروں تذکرہ وصلِ عذو کا اگر سب مسارک پر گراں ہو
 تقاضائے محبت ہے۔ وگرنہ مجھے اور جھوٹ کا تم پر گماں ہو
 بہت بے قدر ہوں محفل میں تیری کہیں ناخواندہ تو بھی آئیناں ہو
 بے ڈالا ہے سودہم و گماں میں بہت کیوں آج مجھ پر مہرباں ہو
 کمرخوں پر ہمارے باندھ رکھے جسے شقی ہماری داستاں ہو
 کوثر ہے بہت حالی ترا و غظ کل اُس کے ساتھ بھی کچھ بیاں ہو

حکم ہے میری مغاں کا کہ جوانی نہ گنواؤ
دل کو کس طرح سمجھے کہ وہی ہے یہ دل
یاد کو یاد سمجھتا ہے نہ تو غیبر کو غیبر
دوست ہوں جسکے ہزاروں وہ کسی کا نہیں دو
تو وہی برقِ جہاں سوز ہے بن خواہ نہ بن
ایک ہی دوست اور اس سے ہمیں چھوٹے ہو
ہو گیا ذکرِ قیامت تو اجیرن و اعظ
تجھ کو اسے ابر بلا دیکھ کے جی چھوٹ گیا
یہ سوچ اسے خضر کہ ہے وقت مدد گاری کل
دیکھیں کس طرح نہ سرسبز ہو پھر کثرتِ نمید
اے شرافت تجھے پکنا ہے اگر مفت تو پاک
قافلے ساتھ کے جا پہونچے حرم کے لکھنک

خیر کفارہ عصیاں ہے پیو اور پلاؤ
وہ امیدیں ہیں ناراں وہ انگلیں رخ چاؤ
تو تو اچھا ہے مگر تیرے بُرے ہیں برتاؤ
سچ بتا تجھ کو کسی سے بھی ہے دنیا میں گناؤ
ہے برابر ترابے ساختہ بن اور نساؤ
ناصواب تھیں دشمن کہیں یا دوست تماؤ
باتیں کچھ اور کرو قصہ کوئی اور سناؤ
ایک ہی بار تم اے بادلو اس طرح نہ بھاؤ
ڈنگائی ہے بہت دیر سے منجد ہار میں ناؤ
اؤ اور دنیاں آج نسوؤں کی بلے کے بھاؤ
آج کل کیجئے کیا ہے یہی بازار کا بھاؤ
وقت اب ہاتھ سے جاتا ہے جواتے ہو تو آؤ

اُس کے نالوں نے کیا بزم کو آخر بے لطف

ہم نہ کہتے تھے کہ حالی کو نہ محفل میں بلاؤ

دیفیض حق بند حبیب تھا نہ اب کچھ
ہر اک کو نہیں ملتی یاں کھمبیک زائد
فقیر و کمی جھولی میں ہے اب بھی سب کچھ
بہت جا بچ لیتے ہیں دیتے ہیں تب کچھ

کچھ اور آؤ بن کر تم اسے میرا ورنہ
یہ بل تھی میں جو نکارتے ہیں
دیا تو نے یا جس بہانے سے چاہا
ہے افسردہ مجلس کی خست سے غلط
تم اپنی ہی کہی تھی جو کہ عکس سب
یہ ہے میرا جس کہ جینی کی مورت
نہیں پوچھتے یاں حسبِ ادب کچھ
جنہیں کچھ خبر ہے وہ کہتے ہیں کچھ
ہنس کر کام آیا نہ علم و ادب کچھ
وہ گر مائیکہ یہ لہجہ ہے جسے کچھ
نہیں نام تو اتم یہ الزام اب کچھ
ٹٹو تو بیچ اور جو دیکھ دو سب کچھ

کوئی نقصِ حیرت کا ہے شاید
یہ حالی کی عزت نہیں ہے سبب کچھ

بڑھاؤ نہ آپس میں ملت زیادہ
تکلفِ علامت ہے برنگانی کی
کر دو دستویں آپ اپنی عزت
تکالو نہ رہنے نسب میں کسی کے
کر و علم سے اکتسابِ شرافت
فراغت سے دنیا میں م بھرت بٹھو
جہاں رام ہوتا ہے ٹھہری زبان سے
مہینت کا ایک آنہ سے احوال بنا
کر و ذکر کم اپنی داد و دہش کا
پھر اوروں کی تکتے پھر و گئے نجات
مبادا کہ ہو جائے لغزت زیادہ
نہ ڈاؤ تکلف کی عادت زیادہ
جو پیا ہو کریں لوگ خست زیادہ
نہیں اس سے کوئی رزالت زیادہ
نجات سے ہے یہ شرافت زیادہ
اگر چاہتے ہو فراغت زیادہ
نہیں لگتی کچھ اکس دولت زیادہ
مہینت سے ہے یہ نصیب زیادہ
مبادا کہ ثابت ہو خست زیادہ
بڑھاؤ نہ حد سے سخاوت زیادہ

کہیں دوست تم سے نہو جائیں نہیں
 جو چاہو فقیری میں عزت سے رہا
 وہ افلاس اپنا چھپاتے میں گویا
 نہیں جھپٹے عیب اتنی ثروت سے
 ہے الفت بھی محبت بھی نیا سے لازم
 فرشتہ سے بہتر ہے انسان بننا
 یکے نفٹ یاں ہم زمانہ کے ہاتھوں
 ہوئی عمر دنیا کے دھندوں میں گھر
 جتاؤ نہ اپنی محبت زیادہ
 نہ رکھو امیروں سے لکت زیادہ
 جو دولت سے کرتے ہیں نفرت زیادہ
 خدا دے تجھے خواجہ ثروت زیادہ
 یہ الفت زیادہ نہ وحشت زیادہ
 مگر اسمیں پڑتی ہے محنت زیادہ
 یہ دیکھا تو تھی یہ بھی قیمت زیادہ
 نہیں بس اب اسے عقل مہلت زیادہ
 غزل میں وہ رنگت نہیں تیری حالی
 الایں نہ بس آپ دھمپت زیادہ

حقیقت مجرم اسرار سے پوچھ
 وفا اغیار کی اغیار سے سن
 ہماری آہ بے تاثیر کا حال
 دلوں میں ڈالنا دویت میری
 دل مجبور سے سن لذت جیل
 نہیں جز گریہ غم حاصل عشق
 نہیں آب بقا جز جلوہ دوست
 فریب وعدہ دیار کی قدر
 نرا انگور کمانے نوار سے پوچھ
 مری الفت درو دیوار سے پوچھ
 کچھ اپنے دل سے کچھ اغیار سے پوچھ
 کندگیوں کے خمار سے پوچھ
 نشاط عافیت بیمار سے پوچھ
 ہماری چشم دیا بار سے پوچھ
 کسی لب تشنہ دیا بار سے پوچھ
 شہیدِ خنجر انکار سے پوچھ

فغانِ شوق کو مانع نہیں وصل
یہ نکتہ عندلیبِ زار سے پوچھ
تصویر میں کیا کرتے ہیں جو ہم
وہ تصویر خیالِ یار سے پوچھ
منابعِ بہ بہا ہے شعرِ حالی

مری قیمت مری گفتار سے پوچھ

ہے اُن کی دوستی پر ہم کو تو دیگانی
وہ ہم کو دوست سمجھیں یہ اُن کی مہربانی
تیرم کوئی آخر کہاں گئے ملاست
ناصح سے ہلکوا بنی کنٹی بیڑی کسانِ
عاشق کے دل کو تیرے جو تیری آگ میں
وینا نہیں لذتِ پیاسے کو سردیانی
امید وصل سے سب کچھ جی آپہڑا دیتا
جو کچھ سنا ہے ہنہ مشاط کی زبانی
ہر حکم پر ہوں راضی ہر حال میں خوش
کچھ ہے اگر تو یہ ہے دنیا میں شادمانی
صبر و سکون سے ہم کو یہ بھی ٹھہرنے دے
تھوڑی سی رو گئی ہے اے کاہنِ ثانی
پھر یہ بنائے ہستی ہے تیرے بعد ویراں
سے تو بھی اب غنیمت اے ضعفِ ثالوثانی
دیکھا جاں جاناں آنکھوں نے اور نہ دل نے
کیا جانے کس ادا سے کی اُس نے دلستانی

اک نکتہ کے بیان سے سر پر نہو گے حالی
چلتا نہیں کسی کا یاں لاف نکتہ دانی

گمہ کو کوئی ساقی سے کہہ مرتے ہر پیا
گرے نہیں دے زہرِ ہی کا جامِ بلا سے
جو کچھ ہے سو ہے اُسکے تغافل کی شکایت
قاصد سے ہے تکرار نہ تھک دے صبا سے
والا رستے امید دلائی تو ہے ۔ لیکن
دیتے نہیں کچھ دل کو تسلی یہ دلا سے
ہے وصل تو تقدیر کے ہاتھ اے شہِ خوباں
یاں ہیں ۔ تو فقط تیری محبت کے ہیں پیا سے

پیائے تھے سرگشتہ میں جو راہ طلبی میں
درگزرے دوائے تو بھروسے یہ دعا کے
اک درد ہو بس آٹھ پیر دل میں کہ جس کو
حالی دل انساں میں ہے گم دولت کو نین

جب وقت پڑے دیکھے دستک درد پر
بھٹکے فقرا سے نہ جھٹکے امرا سے

کربک و قمری میں ہے جھگڑا کہ چین کس کا ہے
فیصلہ گردش دوران نہ کیا ہے سوار
دم سے پوچھتا ہے جب آباد تھا لیتھو کا گھر
مظنن اس سے مسلمان نہ سچی نہ یہود
واعظ اک عیب سے تو پاک ہے یا ذات خدا
آج کچھ اور دنوں سے ہے سوا استغراق
آنکھ پڑتی ہے ہر اک اہل نظر کی تم پر
عشق آدھ عقل آدھ دھن میں جلا میں تیری
شان دیکھی نہیں گرتوں چین میرا جس کی

ہیں فصاحت میں مثل واعظ و جمالی دونو

دیکھتا یہ ہے کہ بے لاگ سخن کس کا ہے

ہوا کچھ اور ہی عالم میں چلتی جاتی ہے
ہنر کی عیب کی صورت بدلتی جاتی ہے

عجب نہیں کہ رہے نیک و بد میں کچھ بیزیر
سپاہ و میر سپاہ باغ ہیں۔ لیکن
کسا جو میں نے وفا کرتے آئے ہیں احباب
قلق انگھیں نہیں گرد و ستوں سے پھٹنے کا
بہت سے کھو دیے خلیان مینوالی نے
ہوئے ہیں بار بار امانت سے تیرے سب عاجز
اڑے گی خاک تقدس کی اب سر بازار
کہ جو بدی ہے وہ سانچے میں ڈھلتی جاتی ہے
بیسر روتی ہے اور ہاتھ ملتی جاتی ہے
کما زمانہ کی عادت بدلتی جاتی ہے
طبیعت اپنی بھی کچھ کھینچلتی جاتی ہے
ضرورت ایک کے بعد ایک ملتی جاتی ہے
زمین بھی اپنے خزانے اگلتی جاتی ہے
فقیہ و شیخ میں جوت اچھلتی جاتی ہے

نہ خوف مرنے سے جب تھا نہ اب ہے کچھ حالی

کچھ اک جھپک تھی سو وہ بھی نکلتی جاتی ہے

میری او بھلی سب گزر جائے گی
مے گا نہ گھجیں کو گھل کا پتا
یہ کشتی پونہیں پار اتر جائے گی
ہر اک پنکھڑی یوں کچھ جائے گی
کوئی دن میں گنگا اتر جائے گی
یہ بازی تو تلو بسوسے چھ جائے گی
ادھر ایک ہم اور زمانہ ادھر
یہ عزت تو جائے گی یہ چائے گی
یہاں کی شیخی نہیں رہتی شیخ
نہ پوری ہوئی ہیں انہیں نہ ہوں
یونہیں عمر ساری گزر جائے گی

میں گے نہ حالی کی کب تک صدا

یہی ایک دن کام کر جائے گی

ملکت کی دیکھ دیکھ راستی اور راست اخلاقی
کہ آن کے دیکھنے والے بھی کچھ لوگ ہیں باقی

نہیں خالی ضرر سے چشموں کی لٹ بھی لگن
 نہ گل چھوڑے نہ برگ و باقچوڑے تو نے گلشن میں
 کہاں کفش دوری علم افلاطون سے بہتر ہے
 رہی و انانی اگر غالب اگر ہسلوانی پر
 ہمارے ظرافت ہی انعام کے قابل نہیں در نہ
 لٹھائے غم پہ غم خیزوں پر کیوں سک ہو کر باقی

مدارج کوشش و تدبیر کے سب ہو چکے حالی

لطیفہ رہ گیا ہے دیکھنا اک غیب کا باقی

اہل معنی کو ہے لازم سخن آراں بھی
 اپنے اور غیر کے حق کی نہیں کچھ رکھتے تغیر
 آنکھ سب ایک گھلی رکھتے ہیں اور ایک بندی
 جو چھپیائے ہیں حق اندیشہ رسوائی سے
 دوست گر بھائی نہ دوست ہے تو بھی لیکن
 اسے غم دوست تھی پر نہیں اپنی گدراں
 دل غمی رکھتے ہیں اسے دولت دیا جو لوگ
 عقل ہے اپنی حماقت کے پھیپانے کی انھیں
 عقل اور حسن پر جن کے بھری مجلس ہو گواہ
 طے دیگی نہ اجل تم سے ہمیں جی بھر کر
 بزم میں اہل نظر بھی ہیں تماشاں بھی
 اسیں شہری بھی ہیں کوہی بھی میں صحران بھی
 اسیں مسلم بھی ہیں ہندو بھی ہیں عیسائی بھی
 گھات میں اُنکے لگی مٹی ہے رسوائی بھی
 بھائی گر دوست نہیں تو نہیں کچھ بھائی بھی
 کچھ فتوح اس کے سوا اور ہے بالائی بھی
 تیور اُن کے کبھی تو دیکھ کے شرمانی بھی
 جنیں کچھ ساٹھ طاقت کے ہے خود رانی بھی
 اُن کو خود رانی بھی جھپتی ہے خود رانی بھی
 فرصت اسے دوست و اذنیاسے اگر پاکی بھی

جی گئے ہم پر رہے مردوں سے بدتر حالی
دیکھ لی ہم نے طبیعوں کی مسیحائی بھی

رہا گھل کے زاہد کا کہہ دیا
بڑائی ہے رندوں میں بھی شیخ الیکین
نیالی بہت بات پر بن نہ آئی
کساں یہ بڑائی کساں وہ بڑائی
گناہوں سے بچنے کی صورتیں
عیادت میں کیوں جان ناسمجھ لگا
نہ کا ہاتھ جب بن گئے یا رسا تم
نہیں یا رسائی یہ ہے نارسائی
بڑا آپ کو وہ سمجھتا ہے ہم سے
سو اس کے شعر میں ہے کیا بڑائی
جو کیئے تو بھوٹی جو سینے تو بچی
خوشامد بھی ہم نے طیب چیز بانی
ہوئی آکے پیری میں قد و جوانی
کچھ ہم کو آئی یہ نا وقت آئی
وہ قربت کو بھی کر دکھاتا ہے رانی
وہی جو کر کرتا ہے رانی کو پریت
جووانی میں عاشق تھے اب ہم ہیں ناصح
جوواں دل پہلی تھی تو بانی کھل کھائی

قیاس آپ پر سب کو کرتے ہو حالی
نہیں اب بھی اچھوں سے خالی خدائی

دھل کا اس کے دل ناز و تمنا ہے
نہ ملاقات ہے جس سے زہن سالی ہے
قطع امید نے دل کر دے یکسو صد شکر
شکل مدت میں یہ اللہ نے دکھائی ہے
قوت دست خدائی ہے شکیبائی میں
وقت جب آکے پڑا ہے یہی کلام آئی ہے
ڈرنیں شیر کا جو کچھ ہے سوا پنا ڈر ہے
ہے جب کھائی ہے اپنے ہی سے کر کھائی ہے

لے اپنے واکم المرض ہونے کی طرف اشارہ سے ہوا

نشہ میں چارمنوں جہانجھ میں مخمور ہوں پند یہ پیر خرابات نے فرمائی ہے
نظر آتی نہیں اب دل میں تمتا کوئی بعد مدت کے تمتا مری برائی ہے

بات سچی کسی - اور انگلیاں اٹھیں سب کی

سچ میں حالی کوئی رسوائی سی رسوائی ہے

اتنی ہی دشوار اپنے عیب کی پہچان ہے جس قدر کرنی ملامت اور کو آسان ہے
سامنا ہے موت کا ہونا محبت سے دوچار آئے اس میدان میں زاہد اگر کچھ جان ہے
دیکھ لے بیل ذرا گلبن کو آنکھیں کھول کر بھول میں گر آن ہے کاٹے میں بھی کشان ہے
عقل بھلی پر نہ بڑی حرص آد انسان کی لے نہ اب نام آدمیت کا اگر انسان ہے
جیونٹوں میں اتحاد دیکھو میں اتفاق آدمی کا آدمی دشمن خدا کی شان ہے
تجھ میں جوت اسے شمع ہے کس برق عالم کو جان و دل سے پیچھے پرواہ جو یوں قربان ہے
دل میں حالی کے رہے باقی نہ بس ارمان کچھ

جی میں ہے کچھ اب اگر باقی تو یہ ارمان ہے

تم میں وہ سوز نہ تم میں ہے وہ ایال باقی رہ گیا کیا ہے اب اے گبر و سلطان باقی
نرم دعوت میں رسائی ہوئی اپنی اُفت میزبان جب نہ رہا کوئی نہ تھماں باقی
حق ادا رک نہ گتھ کا ہو گا کیونکر دل و دس لے چکے اور نہ ابھی احسان باقی
ظاہر و روہی گفت کا نہیں چارہ پذیر ورنہ چھوڑا نہیں ہم نے کوئی درمان باقی

تو نہ موجود ہے حالی نہ سوار ہی نہ فریق

ابھی کرنے میں بہت کوچ کے سامان باقی

جب یہ کہتا ہوں کہ لہجہ نیا پارسا بن گئے
 وہاں رسائی ہے صبا کی اور نہ قاصد کو پہنچے
 ضبط کیجئے دردِ دل تو ضبط کی طاقت نہیں
 دوست کے تیور ہیں ہم ہر رنگ میں پہنچتے
 جبکہ عجبے بل گئی دنیا ہے پھر سہل الوصول
 وقت تھا جو کام کا حالی گنوا بیٹھے اُسے
 نفس کہتا ہے ابھی چندے تو قف کیجئے
 اُس سے آخر کس طرح پیدا عارف کیجئے
 اور کھلا جاتا ہے رازِ دل اگر آفت کیجئے
 بے تکلف بیٹھے ہم سے یا تکلف کیجئے
 شیخ لگتے ہاتھ اس پر بھی تصرف کیجئے
 جائے اب عمر بھر بیٹھے تا سَف کیجئے

تو بہ حضرت کی یونہی اک دودھ کا سا ہے بال
 ہم دکھا دینگے ذرا دم بھر تو قف کیجئے

فکرِ فردا کی لگے بڑگی عادت کیسی
 جب خزاں ہو گئی آخر تو رہا ہم خزاں
 جی کا اُلفت کو سمجھتے تھے ہم اک بہلاوا
 جیتے جی رکھ نہ فراغت کی توقع ناداں
 عیبِ جوئے سے نہیں غلو کی دم بھر فارغ
 جو حقیقت سے ہیں آگاہ تری ایسے دنیا
 جانتا ہے وہی دل پر ہے گزندِ تی جسکے
 ہم نے اول سے پڑھی ہے یہ کتاب آخر تک
 جبکہ رہتا نہیں قابو میں دل اپنے ناصح
 جان کو ہم نے لگالی ہے یہ عادت کیسی
 جن کی قیمت میں ہو کلفتِ بھیراں کیسی
 وہ آؤ آفت تھی ہمارے لئے اُلفت کیسی
 قیدِ ہستی میں مری جان فراغت کیسی
 جنگ کو کچھ کام نہیں یا انھیں فرصت کیسی
 وہ نہیں جانتے ہوتی ہے مصیبت کیسی
 ہم کہیں کس سے کہ درمیش ہے حال کیسی
 ہم سے پوچھے کوئی ہوتی ہے عجب کیسی
 وحی بھی کام نہیں کرتی نصیحت کیسی
 نظر آتا تھا یہ پہلے ہی سے حالی انجام

یاد کی میں بھی کہوں ہے یہ عنایت کیسی

سچی سے بیتر تن آسانی مری کفر سے بدتر مسلمان مری
تھکانہ محتاج سبب عفو کریم کچھ نہ کام آئی پشیمانی مری
خلد میں بھی گر رہی یاد انکی بھینکا کم نہ ہو شاہد پریشانی مری
ہے لباس جسم ناک مجھ پر گراں دور جا پہونچی ہے غربانی مری
بانیے گا گشت ہے بیم خنداں موت کرتی ہے نگہبانی مری
قدر نعمت ہے بقدر انتظار حشر پر پھری ہے مہمانی مری

خندہ زبان ہے اس مسلمان یہ کفر

جیسی ہے حالی مسلمان مری

پر دے بہت سے وصل میں بھی دریاں نہ شکوے وہ سب مناسکے اور مہرباں رہے
کیا کیا ہیں دل میں دیکھئے ارمان بھرے ہوئے ہم میزبان نہیں جو کوئی میہماں رہے
حیراں میں ہاتھ سے نہ دیا رشتہ آمید اب تک تو ہم جہاں میں بہت شادیاں رہے
پوچھی گئی نہ بات کہیں پاس وضع کی اتنے ہی ہم سبک ہوئے غینے گراں رہے
دیرو حرم کو تیرے فسانوں سے بھر دیا اپنے قریب آپ رہے ہم جہاں رہے
دارا و حرم کو تیرے گداؤں پہ رشک ہے مزاج متلع عشق - الہی گراں رہے

حالی سے ملے ہوئے تم افسردہ دل بہت

انکے سے ولولے وہ اب انہیں کہاں رہے

کل مدعی کو آپ یہ کیا کیا گماں رہے بات اس کی کاٹتے رہے اور مہرباں رہے

بارانِ تیز گام نے محل کو جالیا
 یا ٹھینچ لائے دیر سے رندوں کو اہلِ عطف
 ہم غمِ نالہ جو جس کا ارواں رہے
 یا آپ بھی ملازمِ پیر مغساں رہے
 وصلِ مدام سے بھی ہماری نگھی نہ پیاس
 کل کی خبر غلط ہو تو جھوٹے کار و سیاہ
 ڈوبے ہم آپ تھنہ بن اور نیجاں رہے
 تم مدعی کے گھر گئے اور میماں رہے
 دریا کو اپنی موج کی لطیفائیوں سے کام
 کشتی کسی کی پار ہو یا دریاں رہے
 حالی کے بعد کوئی نہ ہم سرد و پھر ملا

کچھ راز تھے کہ دل میں ہمارے نہاں رہے
 حق و فاس کے جو ہم جتنے لگے
 آہ کچھ کہہ کے مسکراتے لگے
 تھامیاں دل میں طعن و صلِ عدا
 عذران کی زباں پہ آنے لگے
 ہلکو جینا پڑے گا فرقت میں
 وہ اگر ہمت آزمانے لگے
 ڈر ہے میری زباں نہ کھل جائے
 اب وہ باتیں بہت بتانے لگے
 جان بچتی نظر نہیں آتی
 غیرِ الفت بہت جتانے لگے
 تم کو کرتا پڑے گا عذرِ جنسا
 ہم اگر در دل سنانے لگے
 سخت مشکل ہے شیوہ تسلیم
 ہم بھی آخر کو جی جراتے لگے
 جی میں ہے لوں رضائے پیرِ مہنا
 قافلے پھر حرم کو جانے لگے
 سرِ باطن کو فاش کر یا رہا
 اہلِ ظاہر بہت اسانے لگے

وقتِ رخصت تھا سخت حالی پر
 ہم بھی بیٹھے تھے جب وہ جانے لگے

حشر تک مایاں دل شکریا چاہئے کب ملیں دلبر سے دیکھا چاہئے
ہے تجلی بھی نقاب روئے یاد اُس کو کن آنکھوں سے دیکھا چاہئے
غیر ممکن ہے نموتا شیر غمسم حال دل پھر اُس کو لکھا چاہئے
ہے دل انگاروں کی دلداری ضرور گز نہیں الفت مدارا چاہئے
ہے کچھ آب باقی خلش امید کی یہ بھی مٹ جائے تو پھر کیا چاہئے
دوستوں کی بھی نہ پورا جسے بے نیازی اُس کی دیکھا چاہئے
بھانگئے ہیں آپ کے انداز و ناز کیجئے اغماض جتنا چاہئے
نیچے ہے اُن کی نگہ جادو بھری صحبت رنداں سے بچنا چاہئے

لگ گئی چپ حالی رنجور کو
حال اُس کا کس سے پوچھا چاہئے

جنوں کا فرما ہوا چاہتا ہے قدم دشت پیسا ہوا چاہتا ہے
دیم گریہ کس کا قصہ ہے دلیں کراخاک اشک دریا ہوا چاہتا ہے
خط آنے لگے شکوہ امیر آتکے ملاپ اُن سے گویا ہوا چاہتا ہے
بہت کام لینے تھے جس دل سے ہوا وہ صرف تمنا ہوا چاہتا ہے
ابھی لینے پائے نہیں دم جہاں میں اجل کا تقاضا ہوا چاہتا ہے
مجھے کل کے وعدے پکرتے ہیں نصرت کوئی وعدہ پورا ہوا چاہتا ہے
فروں تر ہے کچھ ان دنوں تو عیسا دیر رحمت اب وا ہوا چاہتا ہے
قلق گریہ ہے تو راز تسانی کوئی دن میں رسوا ہوا چاہتا ہے

وفا شرط الفت ہے لیکن کہنا تک
 بہت خطا اٹھاتا ہے دل تجھ سے ملکر
 غم رشک کو تلخ سمجھے تھے ہمدم
 بہت چین سے دن گزرتے ہیں حالی

کوئی قسمت نہ برپا ہوا چاہتا ہے
 جس کو غصے میں لگاؤ کی ادایا در ہے ق کج دل لے گا اگر کل نہ لیا۔ یاد رہے
 شوق بڑھتا گیا جوں جوں کے آتش میں ہم
 ہم بھی آداب شریعت سے تھے آگاہ مگر
 یاد آؤ گے بہت لطف سمجھ کر تب کبھی
 شیخ یاں قسم کہنے شوق بھلا دیتا ہے
 دادی عشق میں ہوس کو ہو کر خستہ ہد
 خضر نے پاؤں اگر دشت فنا میں رکھا
 دل ہری طرح لگا عشق تباں میں ی شمع
 چارہ گرا کا رہا اندازہ تدبیر نہیں

ابھی جانا نہیں حالی نے کیا چیز پر
 حضرت اس لطف کا پائے مزا یاد رہے

ٹپنے کی جو نہ کرنی تھی تدبیر کر چکے
 انسوؤں شبہصال کے واں کار گز نہیں
 آخر کو ہم حوالہ تقیر کر چکے
 نالے شب فراق کے تاثیر کر چکے

اے دل اب آزمائشِ تقدیر کا ہے وقت
 کہتے ہیں طبعِ دوست شکایت پسند ہے
 وہ امتحانِ بزمِ شمشیر کر چکے
 ہم شکوہ ہائے غیر بھی تحریر کر چکے
 بھوئے رہے تصورِ مرگاہ میں چند روز
 جاں لب تک انتظار میں آتی ہے بار بار
 دیکھا تو دل کو ہم ہدفِ تیر کر چکے
 مشاطہ جلد تو کمیں لقمہ دیر کر چکے
 دل لے کے ایک میرا یہ فارغ ہوئے ہیں
 گویا کہ اک جہان کو تسخیر کر چکے
 حالی ! اب اوپر وی مضر بنی کریں
 بس اقتدارے مصحفی و میر کر چکے

نہ واں پریش نہ یاں تاب سخن ہے
 بہت لگتا ہے دل صحبت میں اُسکی
 محبت ہے کہ دل میں موج زن ہے
 وہ اپنی ذات سے اک انجن ہے
 بناوٹ سے نہیں خالی کوئی بات
 مگر بات میں اک سادہ پن ہے
 عدد سے بات محفل میں نہ کرنی
 جو سچ پوچھو تو جائے سوہن ہے
 بہت دل میں ترے عاشق کو درکار
 تری جوابات ہے وہ دشمن ہے
 دلاتی ہے صبا کس کو چمن یاد
 نہ میں بلبل نہ گھر میرا چمن ہے
 کہوں تجھ سے بیاں کچھ دو غرت
 مگر جوشِ سخن مسردہ پن ہے
 رہے لاہور ہیں اگر سو جائے
 یہی دنیا ہے جو دارالحن ہے

۱۔ یہ غزل تقریباً ۱۹۷۰ء میں لکھی تھی جبکہ پھر اول ہی اول تقرباً ۱۹۷۲ء میں
 دہلی چھوڑ کر لاہور جانا پڑا تھا اس وقت اول تو دلی سے تھا ہونا ہی شاق گذرا
 تھا دوسرے لاہور میں کسی سے جان پہچان نہ تھی وہاں جو بچتے ہی تھامت سخت

نہیں آتی کہیں یاں بوسے یوسفؑ
 یہاں بیگانگی ہے اس قدر عام
 نہ کچھ عجوبوں کو ہے پروا کئے کیلی
 مجھے تنہا نہ سمجھیں اہل لاہور
 مری خلوت میں ہے ہنگامہ بزم
 بتاؤں تم کو ہوں کس باغ کا چھوٹا
 بتاؤں تم کو ہوں کس مصر کی بو
 عدم کی راہ کٹ جاتی کبھی کی
 نہ لینے دے گا حقیقت میں بھی آرام
 گرں نظروں سے سب باتیں پرانی
 بھلا جالی اور آفت سے ہو خالی
 مگر جو گھر ہے وہ بیت الخمر ہے
 کہ بلبل ناشناساے چین ہے
 نہ کچھ شیریں کو درد کو کہن ہے
 تصور میں مرے اک انجن ہے
 خموشی میں مری ذوق سخن ہے
 جہاں ہر گلی بھجائے خود چین ہے
 جہاں غربت وطن پر خندہ زن ہے
 مگر یاد عشرِ نزاں را ہزن ہے
 یہی گرجا ہے مسجد و وطن ہے
 مگر آفت کہ اک رسم کمن ہے
 یہ سب تم صاحبوں کا حسنِ ظن ہے

کیا ہے اس نے کہتے ہیں سخن ترک

مگر تم کو ابھی اس میں سخن ہے

دعوت تھی اپنی پار سالی کی کی بھی اور کس سے آشنائی کی

بشیہ نوٹ صفحہ ۲۵۳ - ویا آلی - اور وہاں کے بعد مدت تک جیک اور بخار کا دورہ
 شور رہا۔ آخر کار اقم بھی سخت بیمار ہو گیا اس تنہائی اور سرانگلی و غم و اندوہ کی حالت میں
 یہ اشعار لکھے تھے ۱۱۔ ۱۲۔ یہ غزل بھی لاہور میں اسی وقت لکھی گئی تھی جب غزل سابق
 لکھی گئی تھی۔ آخر کے اشعار میں اس امر کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔ ۱۳۔ حالی۔

کیوں بڑھاتے ہو اختلاط بہت ہم کو طاقت نہیں جسدِ الٰہی کی
 مٹھ کمان تک چھپاؤ گے ہم سے تم کو عادت ہے خود نما کی کی
 لاگ میں ہیں لگاؤ کی باتیں صلح میں چھپرے لڑائی کی
 ملتے غیروں سے ہو ملو لیکن ہم سے باتیں کرو صفائی کی
 دل رہا پائے تبدِ الفتِ دام تھی عبث آرزو ہوائی کی
 دل بھی پیلو میں ہو تو یاں کس رکھے اُمیدِ دلی ژبائی کی
 شہر و دریا سے باغ و صحرا سے جو نہیں آتی آشنا کی
 نہ ملا کوئی غارتِ ایساں رہ گئی شرم پارائی کی
 بخت ہمد آستانِ شہید تو نے آخر کو نارسائی کی
 صحبت گاہ گاہی رہی تھی تو نے بھی ہم سے بیوفائی کی
 موت کی طرح جس سے ڈرتے تھے ساعتِ آہو بچی اس جدائی کی

زندہ پھرنے کی ہے ہوسِ حالی
 اہتمام ہے یہے حالی کی

کر دیا خوگرِ حیف تو نے خوب ڈالی تھی ابتدا تو نے
 دور پہنچتی تھی اپنی اُنادی بد خدا جانے کیا کیا تو نے

لہ شہید اسے مراد منشی محمد کرم اللہ خاں صاحبِ دہلی میر اکبر اس زمانہ میں کبھی کبھی
 فکر شعر کرتے تھے اور شہید اخلص کرتے تھے - ۱۲ - رشکی آنریبل نواب
 محمد علی خاں بہادر رئیس جہانگیر آباد کا تخلص ہے - ۱۲ - حالی

کیوں نہ آئیں گے یا نہ اسے عدم
گوشت و لب ساتھ لائے تھے ہم کج
صبر کا ہے بہت بُرا انجام
ابتدا سے وفا ہے سر دینا
دل سے قاصدِ نیا کے وعدہ مٹل
ایک عالم کو خوش کیا اے شک
ہم کو کس سے حقا کیا تو نے
میں سنا میں نے اور کہا تو نے
نہ کہا اور نہ کچھ سنا تو نے
ہم کو کچھا ہے دل میں کیا تو نے
میری دیکھی نہ اتنا تو نے
اور کھویا رہا سنا تو نے

جی میں کیا ہے جو بخشوایا آج
حالی اپنا کہا سنا تو نے

کر کے بیمار دی دوا تو نے
دہر و تشنہ لب نہ گھبرا نا
شیخ جب دل ہی دیر میں نہ لگا
کوند ہوا سے دل مال اندیش
ایک بیگمانہ وار کر کے نگاہ
دل و دین کھو گئے اے تھکے ہوئے
جان سے پہلے دل لیا تو نے
اب بسا چشمہ بقا تو نے
اے مسجد سے کیا لیا تو نے
کھو دیا عمر کا تر تو نے
کیا کیا چشم آشنا تو نے
یاں بھی سب کچھ دیا خدا تو نے

خوش ہے اُمیدِ خلد پر حالی
کوئی پوچھے کہ کیا کیا تو نے

دل کو درد آشنا کیا تو نے
طبعِ انساں کو دی شربتِ وفا
درد دل کو درد کیا تو نے
خاک کو کیسا کیا تو نے

وصل جاناں محال ٹھہرا یا قتل عاشق روا کیا تو نے
 تھا نہ جز غم بسا عاشق میں غم کو راحت فزا کیا تو نے
 جان تھی اک ویاں فرقت میں شوق کو جاں گزا کیا تو نے
 تھی محبت میں ننگِ منتِ غیر جذبِ دل کو رسا کیا تو نے
 راہِ راہد کو جیبِ کین نہ ملی قطعہ درمیانہ وا کیا تو نے
 قطع ہوئے ہی جیب لگا پوندہ ۲ غیر کو آستان کیا تو نے
 تھی جہاں کارواں کو ذی را عشق کو رہنا کیا تو نے
 ناؤ بھر کر جہاں ڈبولی تھی عقل کو ناخدا کیا تو نے
 بڑھ گئی جیب بڈد کو مہر سپر اس کو اس سے جدا کیا تو نے
 جیب ہوا ملک مالِ دینِ ہوش بادشہ کو گدا کیا تو نے
 جب ملی کام جہاں کو لذت درد در دو کو بے روا کیا تو نے
 جب دیا راہرو کو ذوقِ غلب سخی کو نارسا کیا تو نے
 پردہ چشم تھے بجای بہت حسن کو نمودنسا کیا تو نے
 عشق کو تاب انتظار تھی خوفِ اکِ دل میں وا کیا تو نے
 حرم آباد اور دیر خراب جو کیا سب بجبا کیا تو نے

۱۵ اس شعر میں پدرویسر کا اشارہ حضرت یعقوب دہلوی علیہم السلام
 کو افسوس اور اگلے شعر میں بادشاہ سے مراد ابراہیم ابن آدم
 رحمت اللہ علیہ ہے۔ ۱۲ عالی -

نختِ افسردہ طبع تھے احباب ہم کو ہاؤنڈا کیا تو نے
پہر جو دیکھا تو کچھ نہ تھا یا رب کون پوچھے کہ کیا کیا تو نے

خالی اٹھا ہلا کے محفل کو

آخر انا کہا کیا تو نے

نفس کی فرماں روا کی ہو چکی خود پسندی خود نما کی ہو چکی
اب میں پیری کی عیورت کے ہیں بس جوانی کی خدا کی ہو چکی
گرم جوشتی - لطفِ محبت ہو چکا ناخوشی - خفگی - لڑائی ہو چکی
موت کی راحت، فرائد کا ہے وقت زندگی کی جاں گزاری ہو چکی
قطرہ اب دریا میں جا ملنے کو ہے تیری میعاد اسے خدا کی ہو چکی
چلتے ہیں جبریل کے شہر جہاں بے پروائی و ہاں روا کی ہو چکی
دیکھنا ہے مجھ کو اب اسے خدا کی عقل کی زور آزمائی ہو چکی
قید خانہ میں کیا دل جن کا لگ آن ایسروں کی رہائی ہو چکی
ذکر میں بھی بیچے قسمت آزما مسجدوں میں جبہ سائی ہو چکی
خود بزمین کر دکھا واپ کو باپ دادا کی بڑائی ہو چکی
وقت ہے اسے زاہد اب تشویر کا شہرت زہد ریا کی ہو چکی
ہے چڑھائی علم کی مذہب پر اب شرک و بدعت کی چڑھائی ہو چکی
فلسفے سے اس کی اب علم کا منظر ہے سفلی سے ہاتھ پائی ہو چکی
رگبی ہے مذہبِ سنت کی تنگ ملک و دولت کا لڑائی ہو چکی

ہو نہ مذہب کی صفائی جب تک اہل مذہب کی صفائی ہو چکی

اب نہیں صفینے کا اسے حالی دماغ

بس بہت ہدیاں سرائی ہو چکی

مستی جہل میں غفلت کا لٹا اور سی شب تاریک میں گھنگھو گھٹا اور سی

دوستو! روگ بظاہر نہیں جانے والا ہو چکیں ختم دو ایں تو دے اور سی

کم نہ تھے روگ جوانی میں بھی کچھ لے پری رعشہ اب اور سی لغزش پا اور سی

گر گزے عینوں کی امید یہ کرنا ہے خطا میں جہاں لاکھ گنہ ایک خطا اور سی

بشہ کو یہ خوف مدد و خوف جہل خوف وال کمد و اسے خیر اک خوف خدا اور سی

بیوہ ناکونسی خوبی ہے نہیں جو تجھ میں وصف بستے میں جہاں ایک وفا اور سی

ترک دنیا کے علائق تو کئے سب ناہر گر مناسب ہو تو اک ترک ریا اور سی

تیرے انفاس نے عمروں کو کیا ہے زندہ ایک جھوکا ادھر اسے یا دھیا اور سی

مدرسہ میں نہ ملا کچھ تو نہ تو اس سے ولی ایک در دولت ساقی پہ صدا اور سی

تم تو حالی ہی طسرد اپنی نیا ہے جاؤ

طسرد شعر فصحا و بلعنا اور سی

نہ پیش کیخسہ دی رہے گا نہ مولیتِ بسمی رہے گی

رہے گی اسے منعویہ تو باقی دسیے کی کچھ روشنی رہی گی

رہے گی گردش دکھا کے نیچا جو ہو گے تارے تم آسمان کے

کسی کی آگے نہ رہی ہے۔ نہ اب تمہاری نہ رہی گی

گرایا تو رانیوں کو تو نے یہ بھٹاڑا مائندہ رانیوں کو
 کہاں تک اسے شرابِ غفلت یہ تیری مردانگی زہلی
 رہے گی کس طرح راہِ امین کہ رہنا بن گئے ہیں رہزن
 خدا نگہباں ہے قافلوں کا اگر یہی رہزنی رہے گی
 صفائیاں ہو رہی ہیں جتنی۔ دل اتنے ہی ہو رہے ہیں نیلے
 اندر سیرا چھا جائے گا جہاں میں اگر یہی روشنی رہے گی
 کرے گی کچھ عقل رہنائی نہ قلم سے ہو گی کچھ صفائی
 گناہ کی گندگی میں دنیا یوں نہیں ہمیشہ سخی رہے گی
 بگاڑ مذہب نے جو ہیں ڈالے نہیں وہ تاحترمنے والے
 یہ جنگ وہ ہے جو صلح میں بھی کو نہیں ٹھنی کی ٹھنی رہی
 قبولیت کی کرو نہ پروا جو ہوا ہو قبولِ عام ہونا
 رہو گے گر حسنِ ظن کے طالب تو تم سے کہاں بڑھتی رہی
 جو چھوڑے میراث کچھ نہ حاکمی تو اس سے دل تنگ ہیں نہ دل
 رہیں گے ہر حال میں غنی وہ جو نیت اُن کی غنی رہے گی
 کہنے کی بات ہو اسے کہہ سنا ہے جو دل پہ بن رہی ہے وہ کیوں کو کھائے
 دنیا کی ہو مہوس تو دل و دین گنوا ہے یاں کھوسے بہت سا تو کچھ چلے پائے
 یہ کیا کہ دل ہے دیر میں اور کعبہ بی مقام ہو رہے بس وہیں کے جہاں دل لگائے

اسے پتہ دہشتی بل کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲۔ علی

گر جان کا ضرر ہے محبت میں تاجو
اور اعتیاد کھوٹے ہو انشاء ہاسا
بھر پائے بس زمانہ سے جو اگستہ تھکن
مشکل ہے پاک ہونا اگر دل نہیں ہے پاک
پھر تا ہو جو کہ کو دو تاغیروں کی لگ میں
ہوئی ہجوم غم میں ہے کیوں نہ میر کی تلاش
حالی بتائیں آپ کو - گر کہچہ کھلا سیئے

بصفتِ پین نفس میں سنو نہ لیریت
ناول سے ایک دم نہیں سناہیں کو قرار
لاگ اور لگاؤ سا بھگتے سب بھابھکے
اب دل سے دور رکھو خیالی نشاطِ عمر
شادی ہے ایک کی دوسری جو دوسرے کا غم
دوں پر ہنسنے نہ دو دو دل کو مروں اس کی جیوں
کنتا ہوں - دیکھتا ہوں جسے خوار دیے وقار
طالب میں صدق ہے نہ عقیدت نہ ہرید میں
پڑھے وہ خطبہ جس میں کہ صدق و عفا نہ ہو
فاقے میں تم کو دیکھ کے جاتی ہے بھر کے جھاگ
اب جس کے جی میں آئے بھرے شاعری کا دم

پوچھو وطن کی قدر سا فرغِ رب سے
کیا کہہ سکتی تھیں صبا عنایہ سے
نفرتِ نصیب سے نہ ابر الفتِ نصیب سے
آواز دے رہا ہے یہ کوئی قریب سے
وہ کیا کہے بھی ہیں شادی و غم کچھ عجیب سے
یا نڈے سے کون صلاح نہ پوچھو وطن نصیب سے
”ہے کوئی خاندانِ شریف و نجیب سے“
ہیں آج کل کے پیر بھی کچھ بد نصیب سے
کمدویہ جا کے رُسور منبرِ خطیب سے
بیخیا ہے نسخہ آپ کو یہ کس طبیب سے
میدانِ آج کل ہے یہ خالی نصیب سے

نغمہ البدل سے دلِ رخ کا حالی "کلامِ داغ"
ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

تیر بہم لگائے جاتا ہے نظروںِ نظروں کھائے جاتا ہے
دیکھئے اور کیا دکھائے فلک، ابھی آنکھیں دکھائے جاتا ہے
دوستوں کو رُلا چکا۔ لیکن، دشمنوں کو منسائے جاتا ہے
ہو چکی قوم مُردہ۔ پر جلاؤ ابھی دُڑے لگائے جاتا ہے
گو کہ حالی میں دم نہیں باقی دُور اپنی ہلاکے جاتا ہے
گو نہیں اُس خیر کی۔ لیکن خیر سب کی منسائے جاتا ہے

اب سنے اس میں کوئی یا نہ سنے
وہی راگ اپنا گائے جاتا ہے

رباعیات

رباعیات توحید

کاشا ہے ہر اک جگر میں ٹھکا تیرا حلقہ ہے ہر اک گوش میں لٹکا تیرا
مانا نہیں جس نے تجکو جانا ہے ضرور بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہے کھٹکا تیرا

ایضاً

ہندوئے ختم میں جلوہ پایا تیرا آتش پہ منیاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہرے سے تعبیر ہے انکار کسی سے کن نہ آیا تیرا

ایضاً

طوفاں میں ہے جب جہاز چاکر کھاتا جب قافلہ وادی میں ہے ٹکڑا کھاتا
اسباب کا اسرا ہے جب اٹھ جاتا واں تیرے سوا کوئی نہیں یاد آتا

ایضاً

جب لیتے ہیں گھیر تری قدرت کے طہر منکر بھی پکار اٹھتے ہیں تجکو خجور
خفاش کو ظلمت کی نہ سوجھی کوئی راہ خورشید کا شش جہت میں پھل اچھلے

ایضاً

جب مایوسی دلوں پہ چھا جاتی ہے دشمن سے بھی نام تیرا جوتی ہے
مکان ہے کہ کھد میں بھول جائیں اطفال لیکن انھیں دکھ میں ہاں ہی یاد آتی ہے

توحید

مٹی سے ہوا سے آتش و آب سے یاں کیا کیا نہ ہوئے بشریہ اسرار عیاں
پر تیرے خزانے ہیں ازل سے اب تک گنجینہ غیب میں مٹی طرح تھاں
ایضاً

ہستی سے ہے تیری رنگ بوسب کے لئے طاعت میں ہے تیری آبرو بکے لئے
ہیں تیرے سوا سارے سہارے کمزور سب اپنے لئے ہیں اور تو سب کے لئے
ایضاً

کیا ہوگی دلیل تجھ پر اور اس سے زیادہ دنیا میں نہیں ہے ایک دل جو کہ ہو شاد
پر جو کہ ہیں تجھ سے لو لگائے بیٹھے رہتے ہیں ہر ایک رنج و غم سے آزاد
نعت

زہاد کو تو نے مجبور کیا عشاق کو مست لذت دید کیا
طاعت میں رہا نہ حق کی ما بھی کوئی توحید کو تو نے اکے توحید کیا
ایضاً

بطحائے عرب کو محترم تو نے کیا اور امیوں کو خیر احم تو نے کیا
اسلام نے ایک کر دیا روم و تار چھٹے ہوئے نکلے کو سہم تو نے کیا
ایضاً

بطحا کو ہوا تیری ولادت سے شرف ثرب کو بلا تیری اقامت سے شرف
اولاد ہی کو فخر حیر کے چھ بگھ پر آباد کو بھی ہے تیری اہوت سے شرف

صلح کل

ہندو سے لڑیں نہ گہر سے پیر کریں
بشر نے بکس اور شر کے عوض خبر کریں
جو کہتے ہیں یہ کہ ہے جہنم دنیا
وہ آئیں اور اس بہشت کی پیر کریں
ترکِ شعر عاشقانہ

بیل کی چرن میں تہزبان چھوڑی
بزمِ شعر میں شعر خوانی چھوڑی
جب سے دل زندہ تو نے ہلکھوڑا
ہم نے بھی تری رام کہانی چھوڑی

پیرانِ زندہ دل

جوش رہتے ہیں دکھ میں کامرانوں کی طرح
ہیں ضعف سے لڑتے پہلوانوں کی طرح
دل اُنکے میں غر فٹانکے جو کرتے ہیں تیر
ہنس بول کے پیری کو جوانوں کی طرح
نیکی اور بدی پاس پاس ہیں

جو لوگ ہیں نیکیوں میں مشہور بہت
ہوں نیکیوں پر اپنی نہ مغرور بہت
نیکی ہی خود اک بدی ہے گم ہونہ خلوص
نیکی سے بدی نہیں ہے کچھ دور بہت
امتحان کا وقت

زادہ کتنا تھا جان ہے دین پر قربان
پر آیا جب امتحان کی زد پر ایمان
کی عرض کسی نے کئے اب کیا ہے صلاح
فرمایا کہ بھائی جان جی ہے تو جان

عشق

ہے عشق طبیبِ دل کے بیماروں کا
یا گھر ہے وہ خود ہزار ہزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے یہ اتنی ہے خبر
اک مشغلہ و تحسب ہے بیکاروں کا

نیکوں کی جانچ

نیکوں کو نہ ٹھہرایوید اسے فرزند
 ایک آدھ ادا ان کی اگر ہو نہ پسند
 کچھ نقص نامہ کی لطافت میں نہیں
 ہوں آئیں اگر گلے شریے دلے بند
 دوستوں سے سچا توقع

نازلیت وہ جو نقش ہو ہو م رہے جو طالب دوستان معصوم رہے
 اصحاب سے بات بات پر جو بگڑے صحبت کی وہ برکتوں سے محروم رہے
 شراب اور جوانی

ہو بادہ کشی پر نہ جو انو مفتوں گردن پہ نہ بقتل خدا داد کاخوں
 خود عمدہ شباب ایک جنوں ہے اہم کرتے ہو فزوں جنوں پہ اک اور جنوں
 غروب عیدوں سے بدتر ہے

مکن نہیں یہ کہ ہو بشر عیب سے دور بر عیب سے بچنے تا بقدر ضرور
 عیب اپنے گھٹاؤ پر بسر دار رہو گھٹنے سے کہیں ان کے نہ بڑھ جائے غور
 گفتار و کردار میں اختلاف

جو کرتے ہیں کچھ زبان سے کہتے ہیں وہ کم ہوئے نہیں ساتھ جمع دم اور قدم
 بڑھتا گیا جس قدر کہ حسن گفتار بس اتنے ہی گھٹتے گئے کردار ہم
 مشرط قبول

مکن ہے کہ جو ہر کی نہ ہو قصد کہیں پر قدم کہیں بغیر حوم کے نہیں
 عنبر کو نہ لیں نفست یہ امکان ہے مگر عنبر کی جگہ نہ لے گا کوئی مسکین

طالب کو سوچ بھک کر پیر بنانا چاہئے
ہوں یا نہ ہوں پیر اہل عرفان و نقیہ پر تو رہے کہ طالب نہوں نادان کہیں
گاہک کو بے اعتدال چار آنکھوں کی اور ایک کی بھی نیچے والے کو نہیں

عالم و جاہل میں کیا فرق ہے
میں جہل میں سب عالم و جاہل ہمسر آتا نہیں فرق اسکے سوا نہیں نظر
عالم کو بے علم اپنی نادانی کا جاہل کو نہیں جہل کی کچھ اپنے خبر

موجودہ ترقی کا انخام
پوچھا جو کل انخام ترقی کبیشتر یادوں سے کما پیر مغاں نے منکر
باقی نہ رہ گا کوئی انسان میں عیب ہو جائیگے بھل چھلائے کس عیب ہنر
مُسرف کو کیونکر فراغت حاصل ہو سکتی ہے
اک منعیم مسرف نے یہ عابد سے کہا کہ میرے لیے حق سے فراغت کی دعا
عابد نے کہا یہ ہاتھ اٹھا کر سوئے حرم خراج کر اس کو جلد اسے بارِ خدا

کام کی جلدی
یاں رہنے کی تمہلت کوئی کب پاتا ہے آتا ہے اگر آج توکل جاتا ہے
جو کہنے ہیں کام ان کو جلدی بھگتاؤ طلبی کا پیغام وہ چلا آتا ہے

غرض
بے بس ہیں انسان کی جہلی یہ مرض ہر سعی پہ ہوتا ہے طلب کار عوض
جو خاص خدا کے لئے تھے کام کیے دیکھا تو نماں انہیں بھی تھی کوئی غرض

انقلاب روزگار

بس بس کے ہزاروں گھر بڑ جاتے ہیں گڑ گڑ کے علم لاکھوں اکھڑ جاتے ہیں
آج اس کی ہے نوبت توکل اس کی باری بن بن کے یونہیں کھیل لگڑ جاتے ہیں

تلقائے سن

حالی کو جو کل فسرده خاطر پایا پوچھا باعث تو مہنس کے یہ فرمایا
رکھو نہ اب الگ محبتوں کی اُسید وہ وقت گئے اب اور موسم آیا
جسکو زندگانی کا بھروسہ نہیں وہ کوئی بڑا کام نہیں کر سکتا
دنیاے دلی کو نقش فانی سمجھو روداد جہاں کو اک کسائی سمجھو
یہ جب کرو آغاز کوئی کام بڑا ہر سانس کو عسرہ بار و دل سمجھو
اشارہ زوال

آباد کو زمین و ملک پر اطمینان اولاد کو دستی پہ قناعت کا گمان
بچے آوارہ اور بے کار جوان ہیں ایسے گھرانے کوئی دن کے ممان
شالین ادبار

صحرائے جو پایا ایک چٹیل میدان برسات میں سبزہ کا نہ تھا ہسپہ نشان
باہوس تھے جبکہ جوتنے سے دہقان یاد آئی ہمیں قوم کے ادبار کی شان

نفاق کی علامت

ہر بزم میں افسر کے لالچ ہوتا شیریں سخنی سے شہدِ فایق ہونا
ملکن نہیں جب تک کہ ہولیں نفاق آسان نہیں مقبولِ خلّاق ہونا

مسلمانوں کی بے مہری

جب تک کہ نمودنمن اخواں پچکا ہوتا نہیں مومن کا اب ایماں پچکا
ہم قوم کی خیر مانگتے ہیں حق سے سننے ہیں کسی کو جب مسلمان پچکا

مکر و ریا

حالی رہ راست جو کہ چلتے ہیں سدا خطرہ نہ انھیں گرگ کا نہ ڈر شیر دل کا
لیکن ان بھڑیوں سے واجب ہے حد بھڑوں کے لباس میں ہیں جو علوہ تما

جوہر قابلیت

ہیں بے مہنروں میں قابلیت کے نشا پوشیدہ ہیں و چشموں میں اکثر انساں
عامی ہیں لباسِ تربیت سے ور نہ ہیں طوسی و رازی نہیں شکلوں میں نماں

علم

اے علم کیا ہے تو نے ملکوں کو نہال انائب ہوا تو کہاں سے وہاں آیا زوال
ان پر ہوئے غیب کے خزانے مفتوح جن قوموں نے ٹھہرایا تجھے راس المال

ایضاً

اے علم کلیدِ گنجِ شادی تو ہے سرچشمہ نعمانی و ایا دی تو ہے
آسائش دو جہاں ہے سایہ میں ترے دنیا کا وسیلہ دین کا ہادی تو ہے

ایضاً

ہے تجھ سے نہال حبیبی مغرب کی زمین مشرق کو وہ فیض تجھ سے اے علم نہیں
شاید اے علم ماہِ نخب کی طرح رہتی ہیں شعاعیں تری محد و دہیں

خاندانی عزت

بیٹا بچلے نہ جب تلمک ذلت سے عزت نہیں اس کو باب کی عزت سے
 سوچو تو بے لکھات کانسب بھی عالی پر اس کو شرف نہیں کچھ اس نسبت سے
 عزت کس چیز میں ہے

دولت نے کہا مجھ سے ہے عزت ہے جہاں فرمایا ہنسنے میں ہوں عزت کا نشان
 عزت بولی غلط ہے دونوں کا بیاں میں بھید ہوں حق کا جو ہے نیکی میں ناں
 توقع بجا

ہیں یاد رفت پر مصیبت میں نہیں ساقھی میں عزیز ایک ذلت میں نہیں
 اُس بات کی انسان سے توقع ہے عیث جو نوع البشر کی خود جلالت میں نہیں
 عقل اور دوستی متضاد ہیں

ہے عقل میں جتقدر کمی اور بیشی اتنی ہی مخالفت ہے یہاں اور خوشی
 وہ دوست نہیں جس نے کیا فکر مال ضدین ہیں دوستی و دور اندیشی

عیش و عشرت

عشرت کا قمر تلخ سدا ہوتا ہے ہر تہقکہ پیغام بکھاتا ہے
 جس قوم کو عیش و سرور پاتا ہوئی کتا ہوں کرب دیکھئے کیا ہوتا ہے

ایضاً

اے عیش و طرب تو نے جہاں راج کیا سلطان کو گدا غنی کو محتاج کیا
 ویراں کیا تو نے غمیو اور یا بل یغداد کو قمر طبع کو تاراج کیا

غیبت

رواقی ہے ہر اک بزم کی اس غیبت میں بدگوئی خلق ہے ہر اک صحبت میں
اوروں کی بُرائی ہی پہ ہے فخر وہاں خوئی کوئی باقی نہیں جس اُمت میں

عشق

اے عشق کیا تو نے گھرانوں کو تباہ پیروں کو خرف اور جوانوں کو تباہ
دیکھا سدا سلامتی میں تیسری قوموں کو ذلیل خانہ دانوں کو تباہ

سبب زوال سلطنت

دیکھو جس سلطنت کی حالت درجہ کچھو کہ وہاں ہے کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہے بشیر دولت یا ہے کوئی مولوی وزیرِ غلظم
دین و دنیا کا رشتہ

دنیا کو دیے دین نے اسرار و حکم دنیا نے کر دین کی تھامی جدم
گردین کی ممنون بہت ہے دنیا دنیا کے بھی احسان نہیں دین یہ کم
آزادگانِ راستباز کی تکفیر

یاروں میں نہ پایا جب کوئی عیب و گناہ کافر کما واعظ نے انھیں اور گمراہ
چھوٹے کو نہیں ملتی شہادتِ جہنم لانا ہے خدا کو اپنے دعوے پر گواہ

یعنی کفر و ضلالت ایسی چیزیں ہیں جن کا علم خدا کے سوا اور کسی کو نہیں ہو گا نہ ملائحہ کبر کو بعضوں
نے صدیق کہا ہے اور بعضوں نے زندقہ اور یہ بات کر وہ فی الواقع صدیق تھے یا زندقہ خدا کے
سوا اور کوئی نہیں جانتا پس جس شخص میں کوئی صریحی اخلاقِ میرانی یا عیب موجود ہو اس کی تکفیر
تنبہ نہیں کرنی ایسی بات ہے جیسے کسی چھوٹے مدعی کو شہادت نہ ملے اور وہ اپنے دعوے پر خدا کو گواہ قرار دے، ۱۲ سال

بے پروائی و بے غیرتی

اسباب پہ نظر تسلیم جہان کا ہے مدار اُس قوم کا چیتنا ہے عالی دشوار
عزت کی نہیں ہے جس کو ہرگز پروا ذلت سے نہیں ہے جس کو ہرگز کچھ عار
عفو و بایا وجود قدرت اتقام

موتی نے یہ کی عرض کہ اسے بار خدا مقبول تراکون ہے بندوں میں سوا
ارشاد ہوا بندہ ہمارا وہ ہے جو بے سکے اور نہ بے بدی کا بدلا
سختی کا جواب نرمی سے

فتنہ کو جہان ملک ہو دیکھے سکین زہر آگے کوئی تو یکے باتیں شیریں
تختہ تختے کو اور بھڑکاتا ہے اس مایہ کا علات یا لشل نہیں
ہمت

تیور نے اک مورچہ زیر دیوار دیکھا کہ بیڑا دانہ کو لے کر سوار
آخر سر پر ام لیکے پہونچا تو کب مشکل نہیں کوئی پیش ہمت دشوار
کم ہمتی

جبرہ و قدریہ کی بحث و تکرار دیکھا تو نہ تھا کچھ اس کا مذہب یہ مدار
جو کم ہمت تھے ہو گئے وہ مجبور جو باہمت تھے بن گئے وہ مختار

پشیمانی

انجام ہے جو کفر کی طغیانی کا ثمرہ ہے وہی غفلت و نادانی کا
ذلت سے ندامتوں کی جانا ہمنے دوزخ بھی ہے اک نام پشیمانی کا

تا سفت بروفات نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم تخلص بلوی
 قمری ہے نہ طاؤس نہ کبک طہ ساز آئے ہی خزاں کے کونگے سب پرواز
 تھی باغ کی یادگار اک بلبل زار سو اسکی بھی گل سے نہیں آتی آواز
 ایضاً

غالب ہے نہ شیفتہ نہ شیر باقی وحشت ہے نہ سالک ہے نہ نور باقی
 حالی اب اسی کو بزم یاراں سمجھو یاروں کے جو کچھ داغ ہیں دل پر باقی

محنت

محنت ہی کے پہل ہیں یاں ہر کام میں محنت ہی کی برکتیں ہیں ہر خرم میں
 موٹے کوئی نہ قوم کی جو پانی جب تک نہ چرائیں بکریاں مدین میں
 گدائی کی ترغیب

اک مرد توانا کو پھاسل یا یا کی میں نے ملامت اور ہمت نہرایا
 بولا کہ ہے اس کا انکی گردن پہ وبال دے دیکے جنہوں نے مانگنا سکھلایا

تکفیر اہل اسلام

کتنا فقہا کا مومنوں کو بے دیں سننے سننے یہ ہو گیا ہم کو یقیں
 مومن سے ضرور ہو گا مرقد میں سوال تکفیر بھی کی تھی فقہانے کہ نہیں

ترک عاشقانہ گوئی

کچھ قوم کی ہم سے سو گوار ی سنو کچھ چشم جہاں میں اپنی خواری سنو

۱۲۰ یہ ان شعراء دہلی کے نام ہیں جنکے ساتھ رائج کو ریلوے و اختصار رہا ہے عام اس سے کہ وہ مشہور نامور ہوں گے
 ۱۲۱ حالی

افسانہ نویس کو کہن یاد نہیں چاہو تو کتنا ہم سے ہماری سن لو

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھو **متزلزل اہل اسلام**
 مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد دریا کا ہمارے جو اثرنا دیکھو
اول کوشش اور بعد دعا

کوشش میں ہے شرط ابتدا انسان سے پھر چاہئے مانگنی مدد نیرواں سے
 جب تک کہ نہ کام دست و بازو سے لیا پائی نہ نجات لوح نے طوفاں سے
کام کرنا جان کے ساتھ ہے

ہے جاں کے ساتھ کام انسان کے لئے بنتی نہیں زندگی میں بے کام کے
 جیتے ہو تو کچھ کیجئے زندوں کی طرح مردوں کی طرح جیتے تو کیا خاک جیتے
جھوٹی نمائش

میں جھوٹ کے سچ میں سب سمونے والے بننے والوں سے کم ہیں ہونے والے
 گھڑیاں رہتی ہیں جھکی جیبوں میں دام اکثر ہیں وہی وقت کے کھوئے دانے
چند عجیب بہت سی خوبیوں کو نہیں مٹا سکتے

موجود ہنرمیوں ذات میں جس کی ہزار بظن نہو عجیب اس میں اگر ہوں دوچار
 طاؤس کے پاسے زشت پر کر کے نظر کر حسن و جمال کا نہ اس کے انکار
سکوت و روشنی جاہل

مصرف جو یوں وظیفہ خوانی میں ہیں آپ خیر اپنی سمجھتے بے زبانی میں ہیں آپ
 لے لیتے کر تپ ہما کر کشی نہ بنائی - ۱۲۰ عالی

بولیں کچھ مُنہ سے یا نہ بولیں حضرت معلوم ہے ہلکو جتنے پانی میں ہیں آپ
ملحدوں کا طعن مسلمانوں پر

کتنا تھا کل اک منکر قرآن و خیر کیا میں گے یہ اہل قبلہ باہم لڑکر
کچھ دم ہے تو میدان میں نہیں ورنہ کتنا بھی ہے شیر اپنی گلی کے اندر
دہری کا الزام گور پرست پر

اک گور پرست نے یہ دہری سے کہا ہو گا نہ شقی کوئی جہاں میں تجھ سا
دہری نے کہا کہ کیا خدا کا منکر اُس سے بھی گیا کہ جسکے لاکھوں ہوں خدا
دانا کا حال نادانوں میں

کیا فرق ہ سماعت نہ وجب کانوں میں دانائی کی باتوں میں اور افسانوں میں
خیرت میں ہے اجینی مسافر جس طرح دانا کا یہی حال ہے نادانوں میں
رفارم کی حد

دھونے کی ہے اسے رفرامر جا باقی کپڑے پہ ہے جب تلک کہ دھبیا باقی
دھو شوق سے دھبے کو پہ اتنا نہ رو گڑ دھبہ رہے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی
اپنی تعریف سن کر ناک چڑھانا

تعریف سے کھل جاتے ہیں نادان فی الفور داناؤں کے لیکن نہیں ہرگز یہ طور
ہو سکتے ہیں بہت وہ مدح سن کر ناخوش مقصود یہ ہے کہ ہو ستائش کچھ اور
حُسنِ ظنِ اصل حال نہیں کھلنے دیتا
صوفی کو کسی نے آزمایا ہی نہیں نیکی میں شک اُسکی کوئی لایا ہی نہیں

ہو کر رائج میں بھی شاید کچھ کھوٹ پڑا کو کسی نے یاں تپا یا نہیں

دینداروں کی بُرائیاں دین کو عیب لگاتی ہیں

پاتے ہیں زبوں جو مال اہل اسلام اسلام پر طعنہ زن ہیں اقوام تمام
بد پر ہیزی سے بگڑے اپنے بیمار اور نفرت میں ہو گیا سچا بذاک

فکر عقبیٰ

منزل ہے بعید باندھ لو زاد سفر موانج ہے بحر۔ دکھو کشتی کی خبر
گاہک جو کس ہے۔ بچلو مال کھرا ہلکا کرو بوجھ ہے کٹھن راگنذر

انسان کی حقیقت

ممکن ہے کہ ہو جائے قرشتہ انسان ممکن ہے۔ بدی کا نہ رہے ہیں انسان
ممکن تو ہے سب کچھ چہ حقیقت یہ انسان ہے اتنا کہ وہی قرن الشیطان

سلاطین کا عشق

ہر چند یہاں ہے عشق کا سب کے مال ہر حق میں ہے شاہوں کے خصوصاً بفعال
سلطان ہے اگر تکل المی۔ تو عشق ہے ظن آگئی کے لئے وقت زوال

وقت کی مساعدت

اس وقت بگاڑ کا ہے سب کے چارہ پڑتھر سے۔ بگڑنے کا نہیں ہے یا را
ہو جائے گرا ایک تو ہمارا ساتھی پھر غم نہیں پھر جائے زمانہ سارا
بڑھاپے میں موت کے لئے تیار رہنا چاہئے
کی طاعت نفس میں بہت عمر بسر انجام کی رکھی نہ جوانی میں خیر

کیفیت خراب اٹھا چکے اب حالی مجلس کرو برخواست، ہوا وقت سحر
 دولت میں ثابت قدم رہنا بہت مشکل ہے
 ڈر ہے کہ پڑے نہ ہاتھ بول سے اٹھو نا زردار ذرا سوچ سمجھ کر ہونا
 جس طرح کہ سونے کی کوئی بے محاک ہے جو ہر نساں کی کوئی سونا
 حد سے زیادہ غصہ قابل عفو ہے

غصہ یہ کسی کے غصہ آتا ہے ہیں جتنا کہ رہے وہ عقل دانش کے تری
 آپ سے جب اپنے ہو گیا تو باہر پھر کس سے ہوں آذرہ کہ تو تو نہیں

سُفہا کی طرح و دم کرتے میں سفید اگر مذمت تیری
 کر فکر کہ ثابت ہوں عصمت تیری
 پردہ کریں وہ گرد نصیب اعدا رکھ یاد کہ اہیں نہیں حالت تیری

مرض پیری لا اعلان ہے اب قیامت کے پنجہ سے نکلتا معلوم
 پیری کا جوانی سے بدلتا معلوم
 آتا ہے وہ وقت جس کا ملتا معلوم
 مکتوی ہے وہ چیز جس کا پاتا ہے حال

اسراف محسوس نہ اس اپنے حق میں کاٹے ہوئے
 نعمت نہ خدا کی راہ نکال یوں بھوئیں
 اس سے کہ فضولیوں پہ ان کی روئیں
 گونج پہ لوگ ان کے نہیں بہتر ہے

رد سوال یہ سچ ہے کہ مانگنا خطا ہے نہ صواب
 زیا نہیں سائل پہ مگر قہر و عتاب

بدر ہے نذر بارے دن ہمت سائل کے سوال سے تر تلخ جواب

کھانا بغیر کھوک کے مزا نہیں دیتا

کھانے تو بہت میسر آئے ہیں ، میں جو دیکھ کے دیکھ کے دسے بھائے ہیں یہیں
پر سب سے لذیذ تھے وہ کھانے سے بھوک بنو تو نے کبھی کبھی کھلائے میں ہیں

علم و عمل کا سرمایہ مال و دولت سے بتر ہے

چھوڑو کیس جلد مال و دولت کا خیال مہمان کوئی دن کے ہیں دولت ہو کمال
سرمایہ کرو وہ جمع جس کو نہ کبھی اندیشہ فوت ہو نہ ہو خوف زوال

اچھوٹوں کو برا سننے میں بھی مزا آتا ہے

رکھے نہیں وہ مدح و ثنا کی پروا جو کر کے بھلا - خلق سے سنتے ہیں برا

ازن گاریوں کا ہے جبکو چیکا کالی آتا نہیں اُن کو کچھ دعاؤں میں مزا

شکر یہ مدح کلامِ راقم

جوشِ خرم بادہ جامِ خالی میں ہوا پھر و بولہ پیدا دلِ خالی میں ہوا

تسلیم نے دی کچھ اس طرح دادِ سخن ملک کو بھی شک اپنی بے کالی میں ہوا

احسان بے منت

احسان کے سہ گر صلہ کی خواہش تلو تو اس سے یہ بہتر ہے کہ احسان نہ کرو

۱۷ مولوی سلیم الدین مرحوم مار توئی تقیم ہے پور قلم سے تسلیم نے چند خطے آردو فارس کے قلم

کے کلام کہ ستائش میں اُس وقت نہ تھا جیت تھے جبکہ مدت سے نگرِ شعر کا اتفاق نہیں ہوا تھا - ان

قطعوں کے تداب میں یہ رباعی لکھی گئی تھی ۱۲

کرتے ہو اگر احساں تو کرداؤ سے عام
اتنا کہ جہاں میں کوئی ممنون نہ ہو
قانون بد اخلاقی سے مانع نہیں ہوتے

قانون ہیں بیشتر یقیناً سیکار
حاشا کہ ہو ان یہ نظم عالم کا مدار
جونیک ہیں انکو نہیں حاجت انکی
اور بد نہیں بنتے نیک ان سے زندہ

مخالفت کا جواب خاموشی سے بہتر نہیں
حق بول کے اہل شر سے آڑنا نہ کہیں
بھڑکیگی مدافعت سے اور اٹھیں کہیں
گر چاہتے ہو کہ چپ رہیں اہل خلاف
جس ترکہ خلاف کوئی تدبیر نہیں
ٹیکس

وا غلطے کہا کہ وقت سب جاتے ہیں تل
اک وقت سے اپنے نہیں ملتی اجل
کی عرض یہ اک سیٹھ نے اٹھ کر حضور
بے ٹیکس کا وقت بھی اسی طرح اٹل
انسان اپنے عیب اپنے سے بھی چھپاتا ہے

جیسا نظر آتا ہوں نہ ایسا ہوں میں
اور جیسا جھکتا ہوں نہ ویسا ہوں میں
اپنے سے بھی عیب ہوں چھپاتا اپنے
بس محکو ہی معلوم ہے جیسا ہوں میں

بڑھاپے میں عاشقی کا دم بھرنا
آہیں میری میں شیخ! بھرتے نہیں یوں
دل دیتے ہیں۔ پر جو سے گذرتے نہیں یوں
تھے تو ہر اک قید سے آزاد سدا
جو جیتے ہیں اس طرح وہ مرتے نہیں یوں

وا غظوں کی سخت کلامی
اک گبر نے پوچھے جو اصول اسلام
وا غظنے درستی سے کیا اس سے کلام

ہولاکہ حضور مقتدا ہوں جس کے ایسی ملت اور ایسے مذہب کو سلام

نواب وقار الامرا اقبال الدولہ بسا اور کی شان میں

توفیق نے اُس کی چھوڑ دی ہر اہی اقبال یہ جس نے فحشیاں پائی
حالی نے جائے کون بازی اُن سے ہے جن کی رگوں میں خون اُصف ہا ہی
عادت پڑی ہوئی مشکل سے جاتی ہے

ہو عیب کی خو یا کہ ہنس کر عادت مشکل سے بدلتی ہے بشر کی عادت
چھٹے ہی چھٹے گا اُس گلی میں جانا عادت اور وہ بھی عمر بھر کی عادت
عاشق کا نوحہ

مرنے پر مرے وہ روز شب روئیں گے جب یاد کرینگے مجھے تب روئیں گے
آفت پہ۔ وفا پہ۔ جاں نشاری پر مری اُگے نہیں روئے تھے تو اب روئیں گے

فرقت کی رات

فرقت میں اشیر کی رات کیونکر گزرے اک خستہ عطر کی رات کیونکر گزرے
گدڑی نہ ہو جس بغیر یاں ایک گھڑی یہ چار پہر کی رات کیوں کر گزرے

۱۵۔ یہ ریاضی مسئلہ ہیں جبکہ راتم حیدر کا بڑا قیم تھا اور نواب وقار الامرا ملٹی سے پولو میں
بازی جیت کر آئے تھے۔ لکھی تھی مگر اُن کی خدمت میں بھیجی نہیں گئی۔ خونِ آسمن جا ہی رہا
اس بات کا اشارہ ہے کہ حضور سے قرابتِ قریبہ رکھتے ہیں اور اقبال کے لفظ میں اُن کے
خطاب کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲۔ (حالی)

معشوق کی یاد

یاد اسکی میاں و در دھندام اپنا ہے خالی نہ ہو کبھی وہ جام اپنا ہے
کس طرح نہ تلخ ہے کہ ہے نام اس کا کس طرح نہ کیجئے کہ کام اپنا ہے

قول حق کا پاس

کیا پاس تھا قول حق کا اللہ اللہ تنہا تھے یہ اعدا سے یہ فرلے تھے شاہ
”میں اور اطاعت یریدہ گمراہ !!“ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ

حُرم کی آرزو

حُرم کتنا تھا اسے دل شہ ذبیحہ سے مل گمراہ نہ ہو رہبر حق آگاہ سے مل
سرکش کی کوئے ضلالت کب تک؟ اللہ سے ملنا ہے تو جل شاہ سے مل

یہ تیرید

گر گھر میں فرعون کا ترانی نکلا ایک شام میں بیداد کا بانی نکلا
سمجھا تھا نہ کھانا بحر غفلت کی تیرید واں نیل سے بھی زیادہ پانی نکلا

توحید

بہت تری گو نہیں ہے محتاج دلیل صبر دل مقطر کی مگر کیا ہے سبیل؟
یہ طبع خیس طعن ہو کیوں کر بے دیکھے ہو انہ مطمن جبکہ خلیل؟
۱۵۔ یہ رباعی اور اس کے آگے چوتھیں رباعیاں ”علیکم اللہ انشیوٹ گزٹ“ مطبوعہ ۲۰ ماچ
۱۲۔ ۵۲ جو تھے مصرع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام

ایضاً

اے عقل کی فہم کی رسائی سے دور اور اک سے اوجھل۔ تو نظر سے مستور
یہ حسرت دید دل میں قائم رکھو بس یاس کی ظلمت میں یہی ہے ایک نور
ایضاً

سفرِ طمنادی میں تری کام آیا مسرت سے لئے حسین نے کٹو ایا
مرکز کوئی پائے۔ یا کسب کٹو اکبر پایا بجے جس نے اس نے سب کچھ پایا
ایضاً

دور سے اٹھائے بھاپ مینہ ہر سائیا پیراہن سبز خاک کو ہم سنسایا
دانے کو کیا نخل تناور تو نے پانی جڑ سے پھٹنگ تاک دوڑا یا
خدا کی بے نیازی

منوال ہے ہا رب سے بازی نہ تری طیفۃ اٹھے میں ترک تازی نے تری
بے کالوری اور کمر بلا اس پہ گواہ جو گھر گھالے ہیں بے نیازی نے تری

طالب صادق آخر کامیاب ہوتا ہے

طالب کار ہے گاڑے پاس آخر دے گا اُسے صدق دل دلا سا آخر
چھوٹی نہیں گر یاس تو آگے پیچھے دریا پہ پہنچ رہے گا پیاسا آخر

(بقایا نوٹ ص ۷۵) اے کے اس جواب کی طرف اشارہ ہے۔ جو آنکھوں نے خواب
الہی میں عرص کیا تھا۔ مگر لیکن لیکن قلبی

تشنگی طلب

کب تک کوئی سوزش نہائی کوٹھپائے کب تک اپنے کو تشنہ سیراب نہ کھائے
کھارو مریز سے تری اسے ساتی پتھر کا کلیجا ہو تو پانی ہو جائے

پیری

علم و عمل و کتاب سے نفرت ہے لکھنے پڑھنے کے نام سے وحشت ہے
تو نے ہر درو سے دی اُس کے نجات پیری رحمت ہے اچھے کو صد رحمت ہے

ایضاً

پیری نہیں منزلِ فنا ہے گویا اب کوچ کا وقت آگیا ہے گویا
یوں جسم سے ہو گئی حرارت کا نور اک راکھ کا ڈھیر رہ گیا ہے گویا

انسان کی عظمت بقدر قلتِ حاجت ہے

دولت کی ہو سس اصل گدائی ہے یہ سامان کی حرص بے نواہی ہے یہ
حاجت کم ہے۔ تو ہے یہ شہنشاہی اور کچھ نہیں حاجت۔ تو خدائی ہے یہ

اقراط و دولت کی مذمت

عنت سے وصول ایک سیما ہے اگر کر اشر فیول کی نیولی پر نہ نظر
یہ کیچلی میں بھرا ہوا سانپ ہے سناپا ہاں اسوج سجھ کے ڈالنا ہاتھ اس پر

دولت کی تعریف

دولت خرمن بھی۔ برق خرمن بھی ہے تلوار کی دھار بھی ہے جو شمشیر بھی ہے
تھوڑا سا ہے اس میں اشر تو ہے خیریت گر سانپ ہے یہ تو سانپ کا من بھی ہے

حالت موجودہ پر قانع نہ ہونا

جس ہے اگر خوشی تو ہے غم کی تلاش گر شہد تیر ہے تو ہے سم کی تلاش
قانع نہیں کوئی حالت نقد یہاں جنت میں بھی شاید ہو تیر کی تلاش
خوشی کی امید نہ رکھنا ہی بڑی خوشی ہے

اولاد کا ہے ایک کے دل میں ارمان اور دوسرے پر ہے بار اولاد گراں
گر چاہے عالم تعلق میں خوشی رکھے نہ یہاں خوشی کی امید انساں
سب صحبتیں پر ہم ہونے والی ہیں

نقشہ میں خوشی کے سب بگڑنے والے پودے نہیں اس کے جڑ پکڑنے والے
دل بیٹھنا ہے یہ ناؤ نندی سنجوگ ہیں اب کوئی دم میں سب پھرنے والے
جیسی رعیت ہو گی ویسی ہی اس پر حکومت کی جاسکی

حاکم سے بھلائی کی توقع ہے محال جب تک کہ رعیت کے بیلے ہوں خصال
تم اپنے سوا کسی کے محکوم نہیں عمال میں بس ہیں تمہارے اعمال
دنیا کی موجودہ حالت

ہیں برف سے بچتے تاک یا مال کمیں طاعون ہے نازاں کمیں بہو تیاں کمیں
اتر ہے کچھ ان دنوں نظام عالم عمال نہ ہوں خلق کے عمال کمیں
۱۵۔ اس رباعی میں ایک خاص صحبت کا ذکر ہے جس میں سب اصحاب تھوڑی دیر بعد ایک دوسرے
نے پھرنے والے تھے ۱۶۔ ۱۷۔ اس رباعی میں حدیث ذیل کی طرف اشارہ ہے یعنی ”ما کانکم“ ”اعمالکم“

افسونِ محبت

ہے جن کو کسید دل انسان کا خیال لازم ہے کہ پھیلا میں محبت کا جال
استاد کو یاد ہو اگر حب کا عمل تعطیل میں بھی نہ چھوڑیں کتب اطفال
زخارفِ دنیوی کی بے شبانی

نگاشن میں نہیں ہے تری لے گل چڑی تو نے نہیں اُن حسن کوئی چھوڑی
تھا جی میں کہ تجھ سے باندھے عہدِصال پر کیجئے کیا؟ عمر ہے تیری تھوڑی
غیروں کو اپنا بنانا

گر چاہو کہ جیتے جی بھلے گسلاؤ اپنوں کو سلوکِ نیک سے پرچاؤ
پرندہ نظر ہو گر حیاتِ ابدی بیگانوں کو آشنا بناؤ۔ جاؤ
کام کا وقت

یار و انیس وقتِ عیشِ آرام کا یہ موقع ہے اخیر فکرِ انجام کا یہ
بس حبِ وطن کا جب چلے نامِ بہت اب کام کرو کہ وقت ہے کام کا یہ
فلت کی زندگی

ملکت میں ہے رنج و غم خوشی ہے اولیٰ رونا یاروں کا ہے ہنسی سے اولیٰ
ہیں دیں میں بے وقار پر دیں رخسار مرنا ہے بس ایسی زندگی سے اولیٰ
قدرِ نعمت بعدِ نہ وال

دو چار اگر ہیں کام کرنے والے ہیں اُن کو ہزاروں نام دھرنے والے
تب قوم کی شاید کہ گھٹیں گی آنکھیں مرجائیں گے جب قوم یہ مرنے والے

قومی خدمت کا صلہ

کھدو! جنہیں اصلاح کا ہے قوم کی جاؤ طعنے جھیلو۔ میرا سنو۔ گالیاں کھاؤ
یہ قوم کی خدمت کا صلہ ہے سرِ دست اگر اس پر قناعت کا ارادہ ہے! تو آؤ

مصلحت کی بات ماننی لازم ہے

گر یہ مغاں کے ”مریز و کجدار“ ہے مصلحت ایسے کچھ نہ کچھ اسے منخوا
ہوٹا نہ مساکین کا گر خیر اندیش خضران کا نہ توڑتا سفینہ زہدار

انصاف کی پکار

پاؤ گے نہ کوئی قاف سے لے تا قاف حق تلفیوں کے دلیس نہ ہوں جسے کڑک
گر نور سے سنئے غل ہے ہی جا طرف انصاف! انصاف! آہ انسان! انصاف

اپنے دوست و یار سے کام کرنے کی ترغیب

اتر دو ریاستے اپنے بل تیر کے پار کب تک تیر و گے ہو کے تو نبیوں پر ہوار
تم ڈوبنے کے یہ کر رہے ہو سا باں اوروں کا سہارا تنکے والو ہشیار

پیری میں نفس کا اغوا کرنا

پیری میں نہ عقل چلن کینے دیتی کرنا رہستانہ دل کو گر نفس قوی
یا داتی ہے حسب موت تو سمجھاتا ہے ”یا بابا کے آمدی و کے پیر شری“

۱۵ حضرت خضر کے قصہ کی طرف اشارہ ہے دیکھو آیات قرآنی و ما نسخیتہ فکما نصبتہ

لمساکین ۱۲ ۱۵ یرباعی اور اس کے آگے ۹ اور رباعیاں علی گڑھ انسٹیٹیوٹ

گڑٹ مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے نفس کی گئی ہیں ۱۲۰ سے جس میں تعبیہ ہم کہتے ہیں

قوموں کی زندگی اور موت میں فرق

اقوام میں زندگی کی ہے روح جہاں چوٹ اٹھتے ہیں ایک ہاں پوداں پر چوٹ
کرتی نہیں وحی "مردہ قوموں کے وہ کام جو کام ایک کارٹون" کرتا ہے وہاں

نفس کی خواہشیں دولت کی دشمن ہیں

یافنس کی خواہشوں کو روک اے زردار یا فاقہ و فقر کے لئے رہ تیار
لاگے ہوئے ہیں چار طرف گھات پیرچہ گھر سے ہشیار بال و زر سے ہشیار

یہاں صرف دو چیزیں اپنی ہیں

گھر بار اپنا ہے اور نہ دولت اپنی کفنہ اپنا نہ ہے قربت اپنی
اپنی نہیں کوئی چیز یہاں دو کے ہوا ایک موت اپنی ہے ایک تربت اپنی

عاشق و معشوق دونوں پر حسن کا تسلط ہے

ہے حسن ہی کا کرشمہ چشم بدوور عشاق کی بخود ہی جینوں کا غور
یہ وہ مے تند ہے نشے میں جس کے عاشق بھی ہے چور اور معشوق بھی چور

نوٹ صفحہ ۲۸۷ اے ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے " اسی طرح ایرانی
اس موقع پر یوں بولتے ہیں "کے آندی و کے پیر خدی" اس رباعی میں بطور کنایہ
ظاہر کیا گیا ہے کہ نفس عقل کی بات نہیں چلنے دیتا اور ہمیشہ غفلت چاہتا ہے۔ ۱۲

تشنگی طلب

ساقی! اے سب کے کام آنے والے خم اپنے پر اسے پر لٹکھانے والے
چھینٹا ایک دوسرے بھی بادہ کھلگوں کا اوشنہ لبوں کی دُون بچھانے والے

علم کی ترقی سے یقینیاں بھی مشکوک ہو جاتے ہیں

بڑھتا جاتا ہے جس قدر علم بشر کرتے جاتے ہیں شک خیالات بگھڑ
ہوتی جاتی ہے دُستدلی اتنی ہی نقلا جتنی کہ وسیع ہوتی جاتی ہے نظر

دنیا سراسر شر ہے

دنیا ہے وہ شر جس میں نہیں نام کو غیر رشتہ ہے بدی سے اُس کا یلی سے پیچ
اور سب سے بڑا یہ عیب ہے اسیں کہ آہ سترق نہیں یہاں کسی طرح اُس کے بغیر
میر انیس لکھنؤی

(غیر مطبوعہ)

اُردو اگر راج چار سو تیسرا ہے شہروں میں رواج کو بکوتیسرا ہے
یہ جب تک امتیں کا سخن ہے باقی تو لکھنؤ کی ہے لکھنؤ تیسرا ہے
ایضا

(غیر مطبوعہ)

ولی کی زبان کا سہارا تھا اتیس اور لکھنؤ کی اکھڑ کا تارا تھا اتیس
ولی جڑ تھی تو لکھنؤ اُس کی بہار دونوں کو ہے دعویٰ کہ ہمارا تھا اتیس

ہنگامہ مسجد کانپور

(منقول از روزنامہ "ہمدرد" جلد نمبر ۷۰ مورخہ ۸ اکتوبر ۱۹۱۳ء)

یارِ اِلٰہِ وطن نے قوم کا ساتھ دیا دی قوم نے دادِ قوم بے رو ریا
ہر سو بھڑک اُٹھی آگِ ہمدردی کی ہنگامہ کانپور نے کام کیا

ایضاً

صد شکر وطن سے کوچِ نفرت نے کیا گھر اہل وطن کے دل میں الفت نے کیا
تقریروں سے ہو سکھانہ تحریروں سے جو کارِ نمایاں کہ مصیبت نے کیا

ایضاً

تائید میں حق کے جو بلا آتی ہے ساتھ اپنے بہت سی برکتیں لاتی ہے
پچھڑے ہوئے دوستوں کو ملواتی ہے دوٹپے ہوئے بھائیوں کو منواتی ہے

روزانہ ہمدرد کا اجرا

(از ہمدرد ۱۴ جون ۱۹۱۳ء عیسوی)

تمغوں کی ہونٹ نہ یاں خطا ہوئی طلب اک ملک کی خدمت کا ہے نود یا رب
"ہمدرد" کو اسمِ بامستی کیجو ، اس نام کی لاج ترے ہی ہاتھ ہے اب





نیشنل پریس الہ آباد میں باہتمام رمضان علی شاہ چھپا

5112
(2>)

1915 APR 14

DUE DATE

RECEIVED BY THE DIRECTOR OF THE BUREAU OF THE ARMY

M. P. P.

Ram Babu Saksena Collection.

216
(6)

29157414

44 44 44

Ram Babu Saksena Collection.

→ 112

A9152714

1837

12. 12. 12.

Date: 1 May 1961